دل پارہ پارہ
محی الدین نواب

...دل پارہ پارہ

...نف : محی الدین نواب

سن اشاعت : ۲۰۱۰ء

...ت (رف) : =/۸۰ روپے

...یمت (مجلد) : =/۱۲۰ روپے

...طبوعہ : فائن آفسیٹ پریس، شاہدرہ، دہلی۔32

ناشر : کتاب والا 2794، گلی جھوت والی،

پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔110006

ISBN : 81-89369-91-1

Dil Para Para

By.: Mohi-uddin Nawab

Price "P.B" : Rs. 80/=

Price "H.B" : Rs.120/=

Edition : 2010

KITAB WALA

2794, Gali Jhot Wali,

Pahari Bhojla, Delhi-110006

Ph.: (O)2328 1499, 2324 0379 Mob:. 98102...

E-mail : kitabwala@yahoo.com

دیباچہ

محبت کائنات کا خوبصورت ترین لفظ ہے۔ محبت خواہ کسی بھی شکل میں ہو' دنیا کا مقدس ترین جذبہ ہے۔ رنگ روپ بدلنے سے اس کے حسن' اس کے تقدس اور اس کی کشش پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ عالمگیر جذبہ پوری نسل انسانی کی بے بہا میراث ہے۔

کہتے ہیں کہ کیوپڈ اندھا ہے۔ اس کی کمان سے نکلنے والا تیر دو دلوں کو ایک لڑی میں پرونے سے پہلے ذات پات' رنگ نسل' حیثیت مرتبہ' جاہ و حشم' شان و شوکت' عزت ذلت' کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ [illegible] تو بس دلوں میں وہ میٹھے میٹھے جذبے بیدار کرتا ہے جو انسان کو منصب انسانیت پر فائز رکھتے ہیں اور جن کے وجود سے یہ جہان رنگ و بو عبارت ہے۔

محی الدین نواب کے اس ناول کا موضوع یہی ہے لیکن محی الدین نواب صرف اسی پر نہیں ٹھہرتا یہ تو کہانی کا نقطہ آغاز ہے۔ وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے محبت کیا ہے؟ وہ بتاتا ہے کہ محبت ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ کسی بھی قیمت پر محبوب کو حاصل کر لیا جائے بلکہ محبت قربانی دینا سکھاتی ہے۔ محبت عزت سے جینا اور وقار سے مرنا سکھاتی ہے۔ محبوب کی یاد میں ٹھنڈی آہیں بھرنا' مجنوں کی مانند آشفتہ سر ہونا یا مہینوال کی مانند جلاوطن ہونا ہی محبت نہیں رانجھے کی طرح جوگی بن جانا اور فرہاد کی طرح پہاڑوں کا سینہ چیر دینا بھی محبت ہی ہے۔ حقیقی محبت کا تصور فلمی محبتوں کی سطح سے بہت بلند ہے۔

لیکن محی الدین نواب نے ہمیں صرف یہ بتانے کے لیے تو اس محفل میں نہیں بلایا.... وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہیں۔

وطن عزیز میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو جس مٹی کا کھاتے ہیں اسی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اکثر محفلوں میں یہ فقرہ سننے میں آتا ہے۔ "اجی چھوڑ! پاکستان میں کیا رکھا ہے؟"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پاکستان میں کچھ نہیں رکھا تو [illegible] ہے؟ اس

کے جواب میں پہلا نام جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ ہے امریکہ........ یورپ........ خوابوں کی سرزمین........ خیالوں کی دھرتی۔

کچھ عرصہ پہلے جب امریکہ کے ویزا کے لیے لاٹری سسٹم جاری کیا گیا تھا تو صرف پاکستان سے سوا کروڑ افراد نے امریکہ کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے درخواست دی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم لوگوں میں ڈالر اور پاؤنڈ کریز کتنا زیادہ ہے۔ اکثر لوگ ایسے ہیں جو واپس پاکستان آنے کی بجائے وہیں بس جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

انسان کی نظر عموماً سطح کو دیکھ کر گہرائی کا اندازہ لگانے کی عادی ہوتی ہے۔ جب کوئی پاکستانی یا ہندوستانی اپنی تہذیب' اپنا تمدن اور اپنا کلچر چھوڑ کر ایک اجنبی معاشرے میں بس جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے صرف مادی فوائد ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محنت کرنے والے امریکہ اور یورپ میں بہت کچھ کماتے ہیں' بہت کچھ حاصل کرتے ہیں لیکن یہ کمائی اس دولت کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے جو وہ گنوا دیتے ہیں۔

اپنے وطن کو چھوڑ کر یورپ اور امریکہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے والے افراد کے سامنے یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب ان کی اولادیں جوان ہوتی ہیں اور مغربی رنگ میں رنگ جاتی ہیں۔ جب ان کی بیٹی سکرٹ اور جینز پہن کر اٹھلاتی ہوئی' اپنے "ماما پاپا" کو بائے بائے کر کے بوائے فرینڈ کے ساتھ پرس جھلاتی چلی جاتی ہے' تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ روپیہ کمانے کے چکر میں وہ کیا کھو بیٹھے ہیں۔

جب بیٹا رات کو شراب کے نشے میں دھت گھر آتا ہے یا اپنی عمر کے دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر ہپی اور جیک ڈرنکر بن جاتا ہے تب ان کے والدین کو پتہ چلتا ہے کہ بہتر مادی مستقبل کے حصول کے لیے' انہوں نے کیسا عذاب جاریہ اپنے سر پر اٹھا لیا ہے۔

محی الدین نواب نے ایک مرتبہ پھر قلم کے تیشے سے ایک شاہکار بت تراشا ہے۔ محی الدین نواب کے صنم خانے میں یہ ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ زیادہ تو کیا کہیں لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ اس صنم خانے کی رونق ہمیشہ بڑھتی رہے۔ آمین!

خیر اندیش

سید نعیم حیدر نقوی

وہ شدید سردی کے باعث تھر تھر کانپ رہا ہے۔ دیوار سے لگا ہوا کھڑکی کے باہر دیکھ رہا ہے۔ وہ کھڑکی، وہ کمرہ اس کا نہیں ہے۔ وہ ایک زیرِ تعمیر عمارت کے ایک کمرے میں چھپا ہوا ہے۔ ابھی اس عمارت کے کھڑکی اور دروازے مکمل نہیں ہوئے ہیں۔ دیواروں پر پلستر کا کام باقی رہ گیا ہے۔ اس کی طرح آوارہ گھومنے والے اور لڑکے لڑکیاں بھی اس ادھوری عمارت کے ادھورے کمرے میں چھپے ہوئے ہیں۔ سردی سے تحفظ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کھڑکی دروازے ہوتے تو انہیں اندر سے بند کر لیا جاتا۔ بڑی بڑی کوٹھیوں والوں کی طرح وہ بند کمرے میں آتشدان کے پاس گرمی حاصل کرتے رہتے۔

آس پاس کی کوٹھیوں سے آوازیں آ رہی ہیں۔ ان آوازوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوٹھی کے مکین کتنے خوشحال ہیں۔ موسیقی دور تک گنگنا رہی ہے۔ مردوں اور عورتوں کے ملے جلے قہقہے زندگی کی عکاسی کر رہے ہیں۔ وہ ادھوری عمارت کی آغوش میں تھر تھر کانپ رہا ہے۔ اس کے منہ سے بھی آواز نکل رہی ہے۔ آس پاس جو دوسرے آوارہ گرد جوان ہیں، ان کے حلق سے بھی سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی، دانت کٹکٹاتی ہوئی آوازیں نکل رہی ہیں۔ آدمی اگر آدمی کا چہرہ نہ دیکھے، صرف آوازیں سنے تو پتہ چل جاتا ہے کہ زندگی کس خوش نصیب کو گدگدا رہی ہے اور کس بدنصیب کو کچوکے لگا رہی ہے۔

اس کے جسم پر ایک بوسیدہ سی پتلون، شرٹ اور کوٹ ہے۔ وہ بوسیدہ سے کوٹ کے کالروں کو اٹھا کر اپنے کانوں کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ سرد ہوا اس کے بدن میں سوئیوں کی طرح چبھ رہی ہے۔ باہر فضا کہ [illegible] ہے؟ اس

ہی کھردرے فرش پر بیٹھا ہوا ہے' اپنی محبوبہ کو ہولے ہولے آوازیں دے رہا ہے۔

"بوبی! میری پیاری بوبی! کیا تم سو رہی ہو؟ اٹھو' دیکھو' یہ شبنمی فضا کتنی رومان پرور ہے۔ مانا کہ ہم بھوکے ہیں' سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں۔ پولیس والوں کا خوف ہے۔ وہ یہاں بھی پہنچ گئے تو ہمیں بھگا دیں گے۔ پھر ہم کہاں جائیں گے' مگر جہاں بھی جائیں گے' یہ شبنمی فضا ہوگی۔ ذرا اٹھ کر دیکھو' کوٹھیوں سے آنے والی روشنی میں یہ کہر آلود ماحول کتنا اُجلا اُجلا سا لگ رہا ہے۔ اس سفید اُجلی دھند میں ہر چیز چھپ گئی ہے۔ ایسے میں یہ دنیا کتنی پُراسرار لگ رہی ہے۔"

وہ اسی طرح آہستہ آہستہ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ بڑبڑانے کا مطلب ہے بولتے رہنا' کوئی سنے یا نہ سنے' بولتے چلے جانا' اور وہ بولتا جا رہا ہے۔ "جانی! میرے دوست! تم کھڑکی کے پاس کیوں کھڑے ہوئے ہو؟ یہاں آجاؤ۔ میری بوبی کو مناؤ۔ اسے اٹھاؤ اور تسلی دو۔ لندن دنیا کا امیر ترین شہر ہے۔ ہم یہاں بھوکے نہیں رہیں گے۔ کچھ نہ کچھ کھانے کو مل ہی جائے گا۔ میرے دوست' تمہاری بوتل میں کچھ بچا ہو تو مجھے دے دو۔ سردی سے سارا بدن کانپ رہا ہے۔"

جانی اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے' بوتل کو پکڑے ہوئے سوچ رہا ہے۔ میرے پاس تھوڑی سی بچی ہے۔ اگر آسکر کو پینے دوں گا تو سردی سے ٹھٹھر جاؤں گا۔ اس کے دو چار ہی گھونٹ پیتا ہوں تو سینہ کچھ دیر تک گرم رہتا ہے۔

جانی کو اب غصہ آ رہا ہے۔ وہ آسکر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ نیم تاریکی اور دھند میں آسکر ایک سائے کی طرح لگ رہا ہے۔ "تمہیں کس نے کہا تھا کہ بوبی سے محبت کرو۔ کیا محبت آدمی کو زندہ رکھتی ہے؟"

"جانی! ہم سے آج تک کسی نے محبت نہیں کی مگر جانے کیوں بوبی کو دیکھ کر دل نے کہا' کوئی محبت کرے یا نہ کرے' ہم تو محبت کر سکتے ہیں اور میں نے بوبی سے محبت شروع کر دی۔"

جانی کی جیب سے بوتل نکل رہی ہے۔ آسکر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اکثر ان کی جیبوں میں پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی۔ وہ شراب خرید کر پی نہیں سکتے لیکن نشے کی

طلب ہوتی ہے۔ غم غلط کرنے کا یہی ایک راستہ ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر اسپرٹ بھی مل جائے تو پینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

جانی کو اپنی زندگی عزیز ہے اور کیوں نہ ہو۔ ایک کتا بھی اپنی آخری سانس تک زندہ رہنا چاہتا ہے' اس لیے وہ کبھی اسپرٹ نہیں پیتا۔ جیب خالی ہو تو صبر کرلیتا ہے۔ کچھ رقم کہیں سے مل جائے تو جیک نامی ایک گھٹیا سی شراب پیتا ہے۔ لندن میں ایسے نوجوان جیک ڈرنکر کہلاتے ہیں۔

آسکر چند گھونٹ پی رہا ہے۔ پھر دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر یوں ہلا رہا ہے جیسے بوبی کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ اسے کہہ رہا ہے۔ "اٹھو بوبی! چند گھونٹ پی لو۔ تمہارا سینہ گرم ہو جائے گا۔ زندگی کی حرارت آجائے گی۔ پھر تم مجھ سے باتیں کر سکو گی۔"

بوبی بولتی نہیں ہے' صرف وہی بڑبڑاتا رہتا ہے۔ اچانک ہی تاریکی چھا گئی ہے۔ آس پاس کی تمام کوٹھیاں اندھیرے میں ڈوب گئی ہیں کیونکہ یہ سال کے آخری مہینے کی' آخری تاریخ کی آدھی رات ہے۔ پچھلا سال گزر رہا ہے۔ نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے تمام بتیاں بجھا دی گئی ہیں۔ اس گہری تاریکی سے نیا سال جنم لینے والا ہے۔

کبھی اندھیرا کبھی اجالا' یہی زندگی کی تفسیر ہے۔ اچانک ہی روشنی پلٹ آئی ہے۔ یک بیک قہقہے اُمڈ پڑے ہیں۔ موسیقی کی دھن تیز ہو گئی ہے۔ ایسی آوازیں آرہی ہیں جیسے شیمپین کی بوتلوں سے کارک اُڑ رہے ہوں۔ حسیناؤں کے رس بھرے لبوں سے رس بھری آوازیں ابھر رہی ہیں۔ "ہیپی نیو ایئر۔ سال نو مبارک۔"

ایک دوسرے کو سال نو کی مبارکباد دینے والی آوازیں آہستہ آہستہ گڈمڈ ہو رہی ہیں جیسے وہ آوازیں جام میں ڈوب رہی ہوں یا ریشمی بانہوں میں راستہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ خوشحال لوگ بلند بانگ قہقہے لگا رہے ہیں اور مہنگی شرابوں میں ڈوب رہے ہیں۔ یہ بدحال لوگ اسپرٹ اور گھٹیا شرابوں میں اپنی ذات کو گم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی منزل پر خوشحال اور بدحال سب ایک ہوتے ہیں۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی مرحلے پر اپنی ذات کو بالکل گم کر دینا چاہتا ہے۔ اپنے آپ سے بھی غافل ہو جانا چاہتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بدحال' غم غلط کرنے کے لیے گم ہوتے ہیں اور وہ

خوشحال، مستیوں میں ڈوب کر۔

رات کی خاموشی میں اچانک ہی پولیس کی سیٹیاں گونجنے لگی ہیں۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ آوارہ گرد، جیک ڈرنکرز بوکھلا گئے ہیں۔ وہ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس زیر تعمیر عمارت سے نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ جانی اپنا سلیپنگ بیگ اپنی پیٹھ پر لاد رہا ہے اور دوسرے ہاتھ سے آسکر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔ "چلو، بھاگ چلو، ورنہ وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔"

"ٹھہرو، پلیز ٹھہر جاؤ۔" آسکر چلا رہا ہے۔ "ٹھہر جاؤ جانی! مجھے اپنی بوبی کو ساتھ لینے دو۔ اٹھو بوبی! اٹھ جاؤ۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو، پولیس والے آ گئے ہیں۔ پلیز میری جان، میری بوبی۔"

وہ آسکر کو گھسیٹتا ہوا لے جا رہا ہے۔ آسکر بھی ایک ہاتھ سے کسی کو گھسیٹ رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے۔ "اٹھ جاؤ بوبی! میرے ساتھ دوڑتی ہوئی چلو۔ ہم یہاں محفوظ نہیں ہیں۔"

پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ زیر تعمیر عمارت آوازوں سے گونج رہی ہے۔ کتنے ہی لڑکے اور لڑکیاں پولیس والوں کی گرفت میں آ رہی ہیں، وہ انہیں جھنجھوڑ رہے ہیں، برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ایک پولیس والا کہہ رہا ہے۔ "ان سب کو این اے بی کے دفتر لے چلو۔" دوسرا کہہ رہا ہے۔ "ان کمبختوں نے لندن جیسے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے شہر کو بدنام کر دیا ہے، ان کے لیے مخیر ادارے قائم کیے گئے، خیراتی اسپتال اور دوا خانے کھولے گئے ہیں، مگر یہ آوارہ گردی سے باز نہیں آتے، لے چلو انہیں۔"

پولیس والوں کی ٹارچوں کی روشنیاں دور تک جا رہی تھیں۔ وہ اور بھی آوارہ گرد جوانوں کو تلاش کر رہے تھے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ "یہاں اور کوئی ہے؟"

ایک جیک ڈرنکر نے کہا۔ "ہاں، آسکر دوسرے کمرے میں ہے۔ وہ بوبی کی لاش کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اسے بیدار کرنا چاہتا ہے۔ اسے تھوڑی سی پلانا چاہتا ہے مگر وہ بھوک سے اور سردی سے ٹھٹھر کر مر چکی ہے۔"

ایک پولیس والا کہہ رہا ہے۔ "اوہ گاڈ! اس کا مطلب ہے' یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

قدموں کی آواز اب اس کمرے کی طرف آ رہی ہے' کچھ دیر پہلے جانی اور آسکر موجود تھے۔ ٹارچ کی روشنی اس کمرے میں چاروں طرف چکرا رہی ہے پھر ایک پولیس والا پوچھ رہا ہے۔ "کہاں ہے وہ لاش؟ کہاں ہیں وہ لوگ؟"

ایک جیک ڈرنکر قہقہہ لگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ "تم ہم زندوں کو گرفتار کر سکتے ہو مگر کسی مرنے والے کو پکڑ کر نہیں لے جا سکتے۔ بوبی کی لاش وہ اٹھائے پھرتا ہے۔ یہاں سے جہاں بھی بھاگ کر گیا ہے' وہ لاش اس کے کاندھے پر' دماغ پر اور اس کے اعصاب پر ضرور ہو گی۔ تم اس کی لاش تک کبھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

کہنے والا کہہ رہا ہے اور قہقہے لگا رہا ہے۔ ایک پولیس والا اسے ڈانٹ کر چپ رہنے کا حکم دے رہا ہے۔ دوسرا پولیس آفیسر بیزاری سے کہہ رہا ہے۔ "ایک محتاط سروے کے مطابق لندن میں ایسے دو لاکھ مس فٹ جوان ہیں جو ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لیے بیکار اور بے مصرف ہیں۔ یہ خود اپنی ذات کے لیے بے مصرف اور بے کار ہیں۔ پتہ نہیں یہ کیوں زندہ رہتے ہیں؟"

جانی اور آسکر اپنی زندگی کی سلامتی کے لیے بھاگ رہے ہیں۔ سامنے ایسی کوٹھیاں نظر آ رہی ہیں جو روشنیوں سے جگمگا رہی ہیں۔ ان کی جگمگاہٹ سے شیش محل کا گمان ہو رہا ہے۔ سامنے ہی ایک گھنا درخت ہے جس میں رنگین قمقمے جگمگا رہے ہیں۔ کرسمس کی رات سے ہی اس درخت کو کرسمس ٹری بنا لیا گیا ہے۔ وہ دونوں دوست درخت کے سائے میں آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ اس کے تنے کے پیچھے چھپ کر اسی زیر تعمیر عمارت کی طرف دیکھنا چاہتے ہیں لیکن کہر چھائی ہوئی ہے۔ دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ جانی کا سلیپنگ بیگ اس کی پشت پر لدا ہوا ہے اور آسکر نے اپنے سلیپنگ بیگ کو ایک شانے پر ڈال لیا ہے۔ اسے تھپک تھپک کر کہہ رہا ہے۔ "بوبی! چپ چاپ پڑی رہو۔ آواز نہ نکالنا۔ پولیس والے یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ ابھی میں تمہیں کچھ کھلاؤں گا۔ پھر تھوڑی سی پلاؤں گا۔ اس کے بعد تم ہنسنے بولنے لگو گی۔ زندگی سے بھرپور ہو جاؤ گی۔"

جانی اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ "تم سے کس نے کہا تھا' محبت کرو۔ پھر محبت کی لاش اٹھائے پھرو۔"

وہ اپنے سلیپنگ بیگ کو تھپکتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ "بوبی! آنکھیں کھولو' جانی سے بولو۔ محبت ہم نے نہیں کی' ہو گئی۔ یہ بیماری کیسے لگ جاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا۔"

جانی اس کے ہاتھ سے بوتل چھین رہا ہے۔ اب اسے کھول کر پی رہا ہے۔ آسکر اپنی عادت کے مطابق بڑبڑاتا جا رہا ہے۔ "دیکھو۔ اس نے بوتل چھین لی ہے۔ مجھ پر ظلم کر رہا ہے۔ آؤ بوبی! ہم دونوں مل کر اسے بددعا دیں کہ اسے محبت کا روگ لگ جائے' لگ جائے' محبت کا روگ لگ جائے۔"

اسی لمحے دور کہیں سے مترنم ہنسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ فضا میں جیسے چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ وہ دونوں ادھر دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہنسنے والے' چند مہمانوں اور میزبانوں کے درمیان سفید اُجلی اُجلی پری لگ رہی ہے۔ ایک کوٹھی کے برآمدے سے گزرتے ہوئے ایک کار کے قریب آ کر رک گئی ہے۔ کوئی عورت اسے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی ہے۔ "لیلیٰ! تم اتنی جلدی جا رہی ہو۔ اب محفل میں کیا خاک مزہ آئے گا۔"

ایک نوجوان کہہ رہا ہے۔ "بھئی تم ہی تو جان محفل ہو۔ تمہارے امی ابو ذرا بیک ورڈ قسم کے والدین ہیں۔"

ایک نوجوان حیرت سے پوچھ رہا ہے۔ "وہاٹ ڈو یو مین بائی امی ابو؟" (امی اور ابو کا مطلب کیا ہوا؟)"

لیلیٰ کی ایک انگریز سہیلی کہہ رہی ہے۔ "امی اور ابو کا مطلب ہے۔ ممی اینڈ ڈیڈی۔ یہ یہاں پیدا ہوئی' یہاں جوان ہوئی اور یہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے مگر ابھی تک اپنی روایت کے مطابق اپنے والدین کو امی ابو کہتی ہے۔"

اس بات پر سب قہقہے لگا رہے ہیں۔ درخت کے سائے میں کھڑا ہوا جانی لیلیٰ کو ایک ٹک دیکھ رہا ہے۔ وہ بے داغ سفید لباس میں ایسی لگ رہی ہے جیسے کوئی خورشید ھی

آسمان سے زمین پر اتر آئی ہو۔ آسکر کہہ رہا ہے۔ "میرے دوست جانی! اسے دیکھو۔ دیکھتے رہو' کتنی پیاری' بھولی بھالی سی لڑکی ہے۔ کسی فیری ٹیل کی شہزادی لگ رہی ہے۔ میں اس لمحے بددعا دے رہا ہوں۔ خدا کرے تمہیں اس سے محبت ہو جائے۔"

"پاگل کے بچے! محبت کی ایک لاش اپنے کاندھے پر لیے پھرتے ہو۔ مجھ سے بھی یہی توقع رکھتے ہو۔ میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں۔"

اچانک ایک کتا بھونکتا ہوا اور دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا ہے۔ جانی نے اپنا سلیپنگ بیگ پشت پر سے گھما کر سامنے کی طرف کر لیا ہے اور دونوں ہاتھوں سے تھام کر اسے ڈھال کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ کتا بالکل قریب آ کر بھونک رہا ہے۔ اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے مگر سلیپنگ بیگ ڈھال بنا ہوا ہے۔ جانی اور آسکر اس ڈھال کو سامنے رکھ کر ایک طرف ہٹ رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ اس کوٹھی کے مین گیٹ کے قریب پہنچتے جا رہے ہیں۔ تقدیر اکثر ظالم بھی ہوتی ہے۔ آج تک جانی کی تقدیر اسے کسی انسانی محبت کے قریب نہ لا سکی۔ وہ کتا اسے لیلیٰ کے قریب لا رہا ہے لیکن اب کوٹھی کے ملازم نے کتے کو قابو کر لیا ہے اور اسے اندر لے جا رہا ہے۔ ایک خوش پوش نوجوان کہہ رہا ہے۔

"دے آر جیک ڈرنکرز ڈاؤن اینڈ آؤٹ آف سوسائٹی۔"

وہ سب جانی اور آسکر کو حقارت سے دیکھ رہے ہیں۔ لیلیٰ جانی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اپنی کار کی سیٹ پر بیٹھ گئی ہے۔ بھلا اتنی اونچی سوسائٹی کی دولت مند لڑکی ایک آوارہ گرد کو اور کس انداز میں دیکھ سکتی ہے۔ یوں بھی حسین لڑکیاں ایک نگاہ بھیک کی طرح ڈالتی ہیں اور گزر جاتی ہیں۔

وہ کار میں بیٹھ کر نگاہوں کے سامنے سے گزر گئی ہے۔ منظر خالی ہو چکا ہے۔ اب وہاں دیکھنے کے لیے کچھ نہیں رہا ہے۔ وہ سر جھکائے آسکر کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہے۔ آسکر کہہ رہا ہے۔ "میرے دوست! ہماری زندگی کیا ہے؟ ہم زندہ انسانوں کی مردہ دنیا میں جی رہے ہیں۔ ہم مر جائیں گے تو ہماری لاش لاوارثوں کے مردہ خانے میں پہنچا دی جائے گی۔"

"آسکر! تم کوئی نئی بات نہیں کر رہے ہو۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو چھپ کر

پیدا ہوتے ہیں۔ چھپ کر زندگی گزارتے ہیں اور چھپ کر مرجاتے ہیں۔"

"نہیں نہیں، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ دوسروں کی طرح پیدا ہوئے ہیں تو دوسروں کی طرح جینا بھی چاہیے۔ مانا کہ ہمارے پاس دولت نہیں ہے' نام نہیں ہے' عزت نہیں ہے' سماج میں ہمارا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر نفرت سے منہ بناتے ہیں گویا کہ ہم ہنسنا بولنا بھول جاتے ہیں۔ ہماری زندگی میں نہ تو کوئی ہم پر ہنستا ہے' نہ ہماری موت پر کوئی روتا ہے۔ اوہ گاڈ! کتنی سخت سردی پڑ رہی ہے۔ بوبی کانپ رہی ہے۔ اسے دو گھونٹ پی لینے دو۔"

آسکر تھر تھر کانپ رہا ہے اور جانی سے بوتل لے کر دو چار گھونٹ حلق سے اتار رہا ہے۔ اچانک ہی اسے ٹھسکا لگ رہا ہے' وہ کھانستا ہوا جھک رہا ہے' زمین بوس ہو رہا ہے۔

"آسکر! اسی لیے پینے سے منع کرتا ہوں۔ تمہارا معدہ اب ایسی گھٹیا شراب ہضم نہیں کر سکتا۔ تمہارے پھیپھڑے گل گئے ہیں۔ لاؤ' بوتل مجھے دے دو۔"

وہ بوتل چھین کر جیب میں رکھ رہا ہے۔ ایک ہاتھ سے سہارا دے کر اسے زمین سے اٹھا رہا ہے۔ وہ اٹھ گیا ہے لیکن جہاں وہ جھکا تھا' اب وہاں زمین پر خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ گھٹیا شراب پینے والے نے اپنے اندر کے زخم کا مواد باہر اگل دیا ہے۔ اب وہ جانی کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چل رہا ہے اور بڑبڑاتا جا رہا ہے۔ "بوبی! میں مرجاؤں گا مگر تمہیں جدا نہیں کروں گا۔ تم میرے ساتھ رہو گی۔ میں تمہیں اٹھائے پھروں گا۔"

"آسکر! تم ایسا کیوں کہتے ہو؟ بوبی کو بھول جاؤ۔"

"دوست! میرے پاس اور کیا ہے۔ دولت نہیں' نام نہیں۔ محبت تو ہے۔ میں اس اطمینان سے مروں گا کہ بوبی کی محبت آخری وقت تک میرے ساتھ رہی ہے۔ تمہارے ساتھ کیا ہے؟ کچھ نہیں ہے۔ تم خالی خالی ہو' صرف اپنی لاش کو گھسیٹ رہے ہو۔ ارے' اگر جینا ہے تو کسی کو کندھے پر اٹھا کر چلو۔ ایک بار میری بات مان لو۔ وہ لیلیٰ جو نظر آ رہی تھی' اس کے خیال کو کاندھے پر بٹھا لو' پھر دیکھو' تم کتنے ہلکے پھلکے ہو جاؤ گے۔ چلتے چلتے محسوس کرو گے جیسے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ تم پرواز کرتے رہو گے۔ اس دنیا نے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ محبت تمہیں اتنا کچھ دے گی کہ آخری وقت بڑے آرام سے دم

نکلے گا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے واٹرلو کے اسٹیشن تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ ٹیوب اسٹیشن آدھی رات سے بہت پہلے ہی ویران ہو جاتا ہے۔ وہاں کی بینچ وغیرہ خالی ہو جاتی ہیں۔ جانی اور آسکر جیسے لاوارث اور جیک ڈرنکر ایسی بینچوں پر صبح تک سوتے اور سکڑتے رہتے ہیں۔ باہر کی کھلی ہوا کے مقابلے میں یہ جگہ زیادہ مناسب ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ عذاب انہیں دوسری دنیا تک پہنچا دیتا ہے۔

آسکر کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ اس کا بدن بخار سے پھنکنے لگا ہے۔ وہ بری طرح کانپ رہا ہے۔ "جانی! میرے دوست، مجھے دو گھونٹ پلا دو۔"

وہ جانی سے بوتل لیتے ہوئے اس قدر تھرتھرا رہا ہے کہ بوتل کو ٹھیک سے پکڑ نہیں سکتا۔ "آسکر! تمہیں حرارت کی ضرورت ہے۔ ایک بند کمرہ چاہیے جہاں تمہیں گرمی پہنچ سکے۔"

آسکر بوتل کو تھام کر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے ٹائلٹ کی طرف جا رہا ہے۔ بس وہی ایک چاردیواری ہے جو چاروں طرف سے بند ہو سکتی ہے۔ اس لمحے جانی سوچ رہا ہے۔ بوبی نے آسکر کے لیے اپنی جان کیوں گنوائی؟ آخر آسکر میں ایسی کیا خوبی تھی؟ آوارہ گرد جوانوں میں کوئی خوبی نہیں ہوتی۔ وہ نکمے ہوتے ہیں، وہ محنت مزدوری نہیں کرتے...... ان کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا، ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا پھر بوبی کو آسکر میں کیا نظر آیا؟

محبت کو کچھ نظر نہیں آتا، اسی لیے اسے اندھی کہتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے یکبارگی دل کو دھڑکا دیتی ہے اور یکبارگی ہی جانی کی آنکھوں کے سامنے وہی بے داغ سفید لباس والی نظر آنے لگی۔ وہ پریشان ہو کر دوسری طرف منہ پھیر رہا ہے۔ وہ ادھر بھی نظر آ رہی ہے۔ اب وہ تیسری طرف منہ موڑ رہا ہے۔ وہ ادھر بھی دکھائی دے رہی ہے۔ دل دھڑک دھڑک کر پوچھ رہا ہے۔ "اے حسینہ! تو کون ہے؟"

"میں لیلیٰ ہوں۔"

"کیا بوبی کی طرح تو بھی میرے لیے جان دے سکتی ہے؟"

"پہلے محبت ہونے دو' پھر جواب دوں گی۔"

"محبت؟ کیا محبت سے حرارت ملتی ہے؟ اور مجھے حرارت چاہیے۔ کہاں ہے میری بوتل؟"

اس نے اپنی جیب پر ہاتھ رکھا پھر ٹائلٹ کی طرف دیکھا۔ آسکر اس کی بوتل لے گیا ہے۔

اب وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹائلٹ کی طرف جا رہا ہے اور ہولے ہولے آواز دے رہا ہے۔ "آسکر! کیا تمہیں حرارت مل رہی ہے؟ اگر مل رہی ہے تو بوتل مجھے دے دو۔ میں باہر ہوں۔ تم سے زیادہ سردی محسوس کر رہا ہوں۔"

وہ ٹائلٹ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے لیکن دستک کے دباؤ سے ہی دروازہ کھلتا چلا جا رہا ہے۔ اندر شہر خموشاں کا گہرا سکوت ہے۔ آسکر کا آدھا جسم فرش پر ہے' آدھا فلش پر اوندھا پڑا ہے۔ اس کے منہ پر' باچھوں پر اور ٹھوڑی پر خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں بوتل ایک طرف فرش پر پڑی ہوئی ہے۔

آہ' کتنے سکون سے مر چکا ہے۔ محبت واقعی کبھی نہیں مرتی۔ بوبی مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ تبھی بڑے آرام سے اس کا دم نکلا ہے۔ اس نے تو مرتے وقت ایک ذرا بھی آہ نہیں کی۔ اگر آہ کرتا تو آخر وقت اس کا منہ کھلا رہتا لیکن ہونٹ اس طرح بند تھے جیسے "بوب" کہہ کر رہ گیا ہو۔

محبت ہونٹوں کی دہلیز پر ٹھہر گئی ہے۔ میرا دوست دم آخر بوب کہہ سکتا ہے تو میرے ہونٹوں پر بھی محبت کا نام آئے گا۔ میں محبت کے لیے جیوں گا اور محبت کے لیے مروں گا۔ میرا دوست آسکر سچ کہتا تھا' جینے اور مرنے کے لیے انسان کے پاس تھوڑا سا سرمایہ ضرور ہونا چاہیے' خواہ وہ یادوں کا سرمایہ کیوں نہ ہو۔ اس لمحے وہ مجھے یاد آ رہی ہے' ہاں وہ لیلیٰ..........."

☆-------------☆-------------☆

لیلیٰ نے ملٹی کلر کی میکسی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر دوپٹہ بھی اوڑھ رکھا تھا حالانکہ میکسی پر دوپٹہ نہیں پہنا جاتا لیکن اس کے امی اور ابو نے ہمیشہ اس بات کا نوٹس لیا

تھا کہ وہ اپنے دوپٹے سے خود کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھتی ہے یا نہیں؟

وہ زینے سے اترتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف آ رہی تھی پھر ایک دم سے رک گئی۔ ڈرائنگ روم میں اس کے ابو نے امی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ زینے پر قدموں کی آہٹ سنتے ہی اس کی امی نے فوراً ہاتھ چھڑا لیا تھا اور اس کے ابو یوں پرے ہٹ کر اپنی ٹائی کی گرہ ٹھیک کرنے لگے تھے جیسے اس کی امی کا ہاتھ پکڑنے کی غلطی کی ہو اور اب اس کی سزا پانے کے لیے گلے میں پھندا کس رہے ہوں۔ امی نے کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ "لیلیٰ! تم کک، کہاں جا رہی ہو؟"

لیلیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔ "امی! آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟"

"نہیں تو، کچھ نہیں۔ میں کیوں گھبراؤں گی۔"

اس کے ابو نے کہا۔ "بیٹی! دراصل تمہاری امی کی........ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں ہاتھ پکڑ کر، میرا مطلب ہے کلائی پکڑ نبض دیکھ رہا تھا۔"

"اگر میری موجودگی میں امی کا ہاتھ پکڑنا جرم ہے تو پھر آپ کو ان کی نبض محسوس کرنے کا بھی حق نہیں پہنچتا۔ یہ کام ڈاکٹر کا ہے۔"

اس کی امی نے کہا۔ "ہاں بیٹی! میں تمہارے ابو کو یہی سمجھا رہی تھی۔"

"آپ ابو کو نہیں، مجھے سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، عورت کا ہاتھ پکڑ لینے سے کون سی قیامت آ جاتی ہے۔ آپ میرے ابو کی وائف ہیں اور ابو آپ میری امی کے شوہر ہیں۔ میری کتنی ہی دوست لڑکیوں کے والدین اپنے بچوں کے سامنے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور اور........"

'یوشٹ اپ۔" باپ نے ڈانٹ کر کہا۔ "انگریزوں کی تہذیب انہیں بے شرمی کی اجازت دیتی ہے، ہمیں نہیں دیتی۔ ہمارے باپ دادا نے کبھی ہمارے سامنے ہماری امی یا دادی کا ہاتھ نہیں پکڑا اور تم ہمارے سامنے بے شرمی کی بات کہہ رہی ہو کہ مجھے تمہاری امی کا ہاتھ پکڑنا چاہیے۔ کیا تم پھر کیتھی اور للی جیسی لڑکیوں کے گھروں میں جانے لگی ہو؟"

"میں کیتھی اور للی سے نہیں ملوں گی تب بھی ان جیسی لاکھوں اور کروڑوں لڑکیاں

لندن کی شاہراہوں پر، گلی کوچوں میں گھومتی رہتی ہیں۔ آخر کوئی نہ کوئی میری سہیلی بنے گی یا میں اس دنیا میں تنہا رہا کروں؟"

وہ ایک طرف پاؤں پٹختے ہوئے گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی۔ "میرے اسکول کی سبھی لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز سے ملتی ہیں۔ آپ نے منع کیا' میں کسی لڑکے سے نہیں ملتی لیکن لڑکیوں سے ملنے پر تو آپ اعتراض نہ کریں۔"

اس کی امی نے کہا۔ "تم ایسی لڑکیوں سے ملو جو ہماری طرف کی ہوں۔"

"پاکستانی اور ہندوستانی لڑکیوں سے میری دوستی ہے لیکن وہ بھی میرے گلے میں دوپٹا دیکھ کر ہنستی ہیں۔ وہ بھی جین جیکٹ اور شرٹ وغیرہ پہنتی ہیں۔ میں آپ لوگوں کے منع کرنے پر کبھی نہیں پہنتی لیکن مجھے بتائیں' مجھے کیا پہننا چاہیے؟ کیا کھانا چاہیے اور کس سے ملنا چاہیے؟ میں لندن میں پیدا ہوئی۔ مجھے لندن کی ہی سوسائٹی ملے گی۔ میں لندن میں پاکستانی سوسائٹی کہاں سے لاؤں؟"

اس کے ابو نے کہا۔ "یہاں ہزاروں پاکستانی ہیں جو اپنی تہذیب اور اپنی مشرقی روایات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔"

"میں نے ایسے لوگوں کو مذاق بنتے دیکھا ہے۔"

اس کے ابو نے کہا۔ "کون ہمارا مذاق بنا سکتا ہے؟"

"آپ کے ہم عمر لوگ منہ کے سامنے کچھ نہیں کہتے لیکن آج کی نسل اسٹریٹ فارورڈ ہے۔ جو بات ہوتی ہے' وہ منہ پر کہہ دیتی ہے۔"

"جیسے تم کہہ رہی ہو۔" اس کے ابو نے اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ "اسی منہ سے اور اسی زبان سے کہہ رہی ہو جسے ہم نے بولنا سکھایا ہے۔"

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولی۔ "ہم جانور کو بولنا سکھاتے ہیں۔ انسان کے بچے خود بخود بولنے لگتے ہیں۔ حالات اور مجبوریاں انہیں اور زیادہ بولنا سکھا دیتی ہیں۔"

اس کے ابو نے غصے سے دیکھا۔ پھر جھنجلا کر پلٹتے ہوئے اس کی امی سے کہا۔ "میں کئی بار تمہیں کہہ چکا ہوں' اسے کچھ عرصے کے لیے پاکستان لے جاؤ۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے کیسے پرورش پائی ہے۔ اسے معلوم ہونا

چاہیے کہ وہاں کی لڑکیاں کس طرح اپنے بزرگوں کے سامنے سر جھکا کر باتیں کرتی ہیں۔"

"اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں امی کو دیکھتی ہوں' وہ آپ کے سامنے سر جھکا کر باتیں کرتی ہیں۔ یہ پاکستان میں پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کسی دیسی کپڑے پر بدیسی کا ٹھپہ لگائیں گے تو وہ فارن کا مال تو کہلائے گا لیکن اس میں فارن مال والی کوالٹی کبھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح جو لڑکی لندن میں پیدا ہوئی ہے' آپ اس پر میڈ ان پاکستان کا ٹھپہ لگائیں گے تو وہ کبھی پاکستانی نہیں بن سکے گی۔"

اس کے ابو نے اسے سر سے پاؤں تک میکسی میں دیکھا پھر پوچھا۔ "آج تم نے شلوار سوٹ کیوں نہیں پہنا۔"

"آپ لوگوں کی ہدایت کے مطابق پورا لباس پہنتی ہوں۔ دیکھیے' دوپٹہ بھی ڈال رکھا ہے۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

ماں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "جس طرح تم ہماری ہر بات مان لیا کرتی ہو' اسی طرح میری ایک بات اور مانو۔"

"جب سے پیدا ہوئی ہوں' مانتی آ رہی ہوں۔ ایک بات اور کہہ دیجیے' اسے بھی مان لوں گی۔"

"دیکھو بیٹے! بعض اوقات آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ تم ہماری تہذیب کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ میرے ساتھ پاکستان چلو۔ اپنی آنکھوں سے وہاں کے لوگوں کو دیکھو۔ وہاں تم پاکستانی لڑکیوں کو دیکھو گی' وہ فیشن کرتی ہیں اور آزادی سے گھومتی بھی ہیں لیکن اخلاق اور تہذیب کے دائرے میں رہتی ہیں۔"

"کیا میں دائرے سے باہر نظر آ رہی ہوں؟"

اس کی امی جواباً کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی۔ "یہ تو میں بھول ہی گئی' مشرقی لڑکیاں کہیں جانے سے پہلے اپنے والدین سے اجازت لیتی ہیں۔ سو سوری' ابو! پیاری امی! میں نیشنل لائبریری جا رہی ہوں۔ کیا کار لے جا سکتی ہوں؟"

"تم کتابیں پڑھنے جا رہی ہو۔ اس کے لیے بغیر اجازت بھی جا سکتی ہو لیکن ڈرائیور کے ساتھ۔"

وہ وہاں سے جاتے ہوئے ہاتھ الوداعی انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔ "سو فار ممی' سو فار ڈیڈ۔" وہ جاتے جاتے ٹھٹک گئی۔ وہاں سے گھوم کر بولی۔ "او سوری' میں بھول گئی تھی۔ خدا حافظ امی' خدا حافظ ابو۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ وہاں سے جاتے ہوئے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے باپ نے اس کی ماں کی طرف گھوم کر کہا۔ "میرا نام حیات مرزا ہے۔ میں لندن اور لندن سے باہر نو ہوٹلوں کا مالک ہوں۔ میں نے دنیا دیکھی ہے اور تمہاری بیٹی مجھے بے وقوف بناتی ہے۔ پہلے ممی اور ڈیڈی کہہ دیا' گویا ہمیں سمجھانا چاہتی ہے کہ وہ امی ابو کہنا نہیں چاہتی۔"

"آپ اس کی معصومیت کو چالاکی سمجھ رہے ہیں۔ وہ بیچاری بھی کیا کرے۔ یہاں امی اور ابو کہتی ہے اور باہر جاتی ہے' ہزاروں لڑکیوں کو ممی اور ڈیڈی کہتے سنتی ہے۔ آخر اس کے دماغ پر کچھ تو اثر ہو گا۔"

"کیوں اثر ہو گا؟" انہوں نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"اپنے اپنے ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ اب یہی دیکھیے کہ وہ کبھی چوڑیاں نہیں پہنتی اور میں نے پہن رکھی ہیں۔ یہ دیکھیے۔"

حیات مرزا نے چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے اپنی بیگم کا ہاتھ تھام لیا پھر چوڑیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے۔ "ہاں' میں تمہاری چوڑیوں کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ماشاء اللہ کیا بج رہی ہیں۔"

بیگم حیات دوسری طرف منہ پھیر کر شرما رہی تھیں۔ اچانک ہی مرزا صاحب نے گھبرا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ بیگم فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ کر آنچل درست کرنے لگیں۔ "کوئی آ گیا تھا؟"

کوئی نہیں تھا۔ بعض اوقات ٹیلی فون کی گھنٹی بھی دھماکا ثابت ہوتی ہے۔

☆-------------☆-------------☆

کار نیشنل لائبریری کے سامنے آ کر رک گئی۔ لیلیٰ پچھلی سیٹ سے نکل کر اپنا بیگ شانے سے لٹکاتے ہوئے ڈرائیور سے بولی۔ "تم جا سکتے ہو۔"

وہ کار لے کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ تیزی سے چلتے ہوئے لائبریری کی عمارت کے دائیں طرف گئی پھر وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے عمارت کے پیچھے آ گئی۔ کتنی ہی لڑکیوں اور لڑکوں نے ایک ساتھ نعرہ لگایا۔ "آ گئی۔ وہ آ گئی۔"

ایک انگریز لڑکے نے کہا۔ "ویٹ کرنے والے کو ویٹر کہتے ہیں۔ لیلیٰ تم نے ہمیں ویٹر بنا دیا ہے یعنی کہ بیرا۔"

سب کے سب ہنسنے لگے۔ وہ ان کے قریب پہنچ گئی۔ وہ سب اس کے چاروں طرف گھوم گھوم کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ ایک انگریز سہیلی نے اس کی میکسی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تو راہبہ بن گئی ہے۔"

ایک پاکستانی سہیلی نے کہا۔ "راہبہ نہیں' مشرق کی بوا کہو۔ دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے۔"

وہ اس کے چاروں طرف گھومتے ہوئے رقص کرتے جا رہے تھے اور طعنے دیتے جا رہے تھے۔ لیلیٰ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "سٹاپ۔"

سب رک گئے۔ اس نے اپنے دوپٹے کو کھینچ کر ایک طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

ایک نوجوان نے فضا میں چھلانگ لگائی۔ پھر فضا میں ہی اس کے دوپٹے کو کیچ کرتا ہوا زمین پر پہنچ کر کہا۔ "ہم سمجھتے ہیں' یور آر اے برڈ ان دی کیج (پنجرے کی چڑیا) یہ جو میکسی تم نے پہن رکھی ہے' یہ ایک پنجرہ ہے جس میں تم قید ہو۔"

لیلیٰ نے اپنے گریبان کے پاس ہاتھ لے جا کر میکسی کی ڈوری کو تھام لیا۔ اسے کھینچا' ڈھیلا کیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ میکسی اس کے شانوں سے ڈھلکتی ہوئی جسم سے اترتی ہوئی اس کے قدموں میں پہنچ گئی۔ وہ چست جین اور شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ سب نے اسے دیکھتے ہی حیرت سے خوشی کا نعرہ لگایا۔ ایک نے کہا۔ "اب تک تُو ان ون سنا تھا' آج ون ان ٹو دیکھ رہے ہیں۔"

"اس نے یہ کہتے ہوئے لیلیٰ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اچھل کر پیچھے چلی آئی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "اسٹاپ۔"

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میں ہزار بار کہہ چکی ہوں' دور کی دوستی ہو سکتی ہے۔ کوئی مجھے ہاتھ لگائے گا تو اچھا نہ ہوگا۔"

ایک انگریز سیلی نے ناگواری سے کہا۔ "اچھا کیا نہیں ہوگا۔ یہ تم چیلنج کے انداز میں کیوں بولتی ہو۔ کیا ہاتھ لگانے سے میلی ہو جاؤ گی یا کسی کی بیماری تمہیں لگ جائے گی۔ تم ہم لوگوں کو اچھوت سمجھتی ہو؟"

ایک لڑکے نے درمیان میں آ کر کہا۔ "پلیز' ڈونٹ بی سو ایکسائیٹڈ' جذبات میں آ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ ہمیں اچھوت سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس آج سے ہم اسے اچھوت سمجھیں گے' اسے ہاتھ لگانا اپنی توہین سمجھیں گے۔"

لیلیٰ نے اس سے اپنا دوپٹہ چھینتے ہوئے کہا۔ "تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔"

"تم نے بھی جارج کی انسلٹ کی ہے۔ اگر یہ تمہارا ہاتھ پکڑ لیتا تو کیا ہوتا۔ ہاتھ تھامنے کا مطلب ہے دوستی۔"

وہ اپنے دوپٹے اور میکسی کو بیگ میں رکھتی ہوئی بولی۔ "ہمارے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ انگلی پکڑنے والے ایک دن پہنچے تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس لیے لڑکیوں کو محتاط رہنا چاہیے۔"

ایک انگریز سیلی نے کہا۔ "ہم بھی محتاط رہنا جانتی ہیں۔ اس وقت جب کوئی پہنچے تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ وقت سے پہلے محتاط رہنا سراسر حماقت ہے۔"

جارج نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔ ہم ابھی اس پر بحث کریں گے اور ابھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔"

سب نے پوچھا۔ "آئیڈیا کیا ہے؟"

جارج نے کہا۔ "ایک طرف چلو۔"

اس نے ہاتھ ہلایا اور ایک طرف جانے لگا۔ سب اس کے پیچھے چلے گئے۔ لیلیٰ اپنی جگہ چپ چاپ کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے خوشیوں کے میلے میں

سب سے بچھڑ گئی ہو۔ سہیلیوں اور ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو' اسے اپنے قابل نہ سمجھا ہو۔

دس منٹ کے بعد ہی وہ تمام سہیلیاں اور اس کے ساتھی اس کی طرف آنے لگے لیکن اس کے قریب نہیں آئے۔ للی اپنے بوائے فرینڈ جارج کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر لیلیٰ کے قریب سے گزرتے ہوئے ذرا دور چلی گئی۔ کیتھی اپنے بوائے فرینڈ راما راؤ کے ساتھ ہنستی رہی اور دور ہی دور سے کن انکھیوں سے طنزیہ انداز میں لیلیٰ کو دیکھتی رہی۔ دوسرے لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنے اپنے محبوب اور محبوباؤں کے ساتھ اس سے ذرا دور ہی کھڑے رہے۔ لیلیٰ نے چاروں طرف گھوم کر انہیں دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا تم لوگ میرا بائیکاٹ کر رہے ہو؟"

جارج نے دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بائیکاٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تو تمہیں سوچنے اور سمجھنے کا موقع دے رہے ہیں۔"

ایک اور لڑکے نے کہا۔ "گویا تم صبح کی بھولی ہو۔ شام کو آجاؤ گی تو معاف کر دیا جائے گا۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ "میں ہندوستانی ہوں۔"

ایک لڑکے نے کہا۔ "میں پاکستانی ہوں۔ پہلے ہم بھی تمہاری طرح سینڈوچ بنے ہوئے تھے۔ ہمارے ایک طرف لندن اور دوسری طرف پاکستان ہے۔ وقت ہمیں دونوں تہذیبوں کے درمیان رکھ کر چباتا رہا ہے۔ اگر تم سینڈوچ بنی رہو گی تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔"

ہندوستانی لڑکی نے کہا۔ "تم نے اپنے آپ کو' اپنے کیریئر کو دو پاٹوں کے بیچ پسنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اگر تم اس چکر سے نہیں نکلو گی تو اپنے کیریئر کو' اپنے فیوچر کو تباہ کر لو گی۔"

ایک انگریز لڑکے نے کہا۔ "ہمارا فیصلہ ہے کہ تم ہماری سوسائٹی میں جب تک پوری طرح مکس نہیں ہو گی' اس وقت تک ہم میں سے کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اور ہم اپنے کسی پروگرام میں تمہیں شامل نہیں کریں گے۔"

لیلیٰ پریشان ہو کر چاروں طرف گھوم گھوم کر ایک ایک کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "آخر تم سب کیا چاہتے ہو؟ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

ایک نے کہا۔ "سب سے پہلے تو یہ کہ ابھی ہم سوئمنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ کیا تم اپنی سہیلیوں اور ساتھیوں کے ساتھ تیرنا پسند کرو گی؟"

لیلیٰ نے کہا۔ "آف کورس۔ میں نے پہلے کبھی انکار نہیں کیا۔ میں تو ہمیشہ شرط لگا کر تیرتی ہوں اور ہمیشہ فرسٹ ہی آتی ہوں۔"

ایک نے اس کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے جین یا شرٹ میں یا شلوار قمیض میں تمہارے جیسی لڑکیوں کو تیرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

لیلیٰ نے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پریشانی سے کہا۔ "نہیں' میں سوئمنگ ڈریس میں نہیں تیر سکتی۔ میری امی اور ابو کو معلوم ہوگا تو وہ شرم سے مر جائیں گے۔"

ایک پاکستانی لڑکی نے طنزیہ انداز میں چڑ کر کہا۔ "تم تو سرپرائز بے بی ہو۔ گھر میں دودھ پیتی بچی ہو۔ گھر سے نکلتے ہی جوانی کے پر لگ جاتے ہیں۔ کیوں ہمارا وقت برباد کرتی ہو۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ پاکستان کا ٹکٹ لو اور چلی جاؤ۔"

سب نے کہا۔ "بھئی چلو۔ خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

وہ سب وہاں سے جانے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے سوچنے لگی۔ کیا کرے؟ کیا نہ کرے؟ ان کے ساتھ چلے یا پیچھے رہ جائے؟

وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں جا کر بیٹھنے لگے۔ وہ سب ہی امیر کبیر والدین کے بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ ان سب کے پاس اپنی اپنی گاڑیاں تھیں۔ یوں تو لیلیٰ کے پاس بھی گاڑیوں کی کمی نہ تھی لیکن ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے پاس ماحول کے مطابق طرح طرح کے ملبوسات بھی تھے لیکن وہ نہ تو آزادی سے اپنی مرضی کا لباس پہن سکتی تھی اور نہ اسے ہمیشہ کار ڈرائیو کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ اکثر اس کا محاسبہ کیا جاتا تھا کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کس قسم کی سوسائٹی میں مکس ہوتی ہے؟

تمام سہیلیاں اور ساتھی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ صرف ایک کار میں اگلی سیٹ خالی چھوڑی گئی تھی۔ کسی نے لیلیٰ سے کچھ نہیں کہا لیکن یہ اشارہ تھا' اگلی سیٹ اس کے لیے

ہے۔ اگر وہ چاہے تو کار ڈرائیو کرنے والے ساتھی کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے۔

وہ بیٹھ گئی۔ تمام گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ اسے دراصل کسی لڑکے کے ساتھ بیٹھنے یا اس کا ہاتھ پکڑنے میں اعتراض نہیں تھا۔ وہ لندن میں پیدا ہوئی تھی۔ وہاں کے ماحول کو بچپن سے دیکھتی آئی تھی اور اس بات کو سمجھتی تھی کہ ہاتھ پکڑنے سے لڑکیاں گھس نہیں جاتیں۔ شرم آنکھوں میں ہوتی ہے۔ یوں بھی مغربی سوسائٹی میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس سے بہت زیادہ بے تکلف ہو سکے۔

ڈرائیو کرنے والے نوجوان ساتھی نے کہا۔ "میرا نام مارٹن ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے۔"

پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں سے ایک نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بھئی لیلیٰ! تم اپنوں میں جا کر ہماری سوسائٹی کو بھول جاتی ہو' اس لیے مارٹن تمہیں اپنا نام یاد دلا رہا ہے۔"

مارٹن نے کہا۔ "لیلیٰ برا نہ ماننا۔ جارج کے ساتھ تمہارا رویہ مناسب نہیں تھا۔ اگر وہ تمہیں چھو لیتا تو کیا ہو جاتا؟"

اس کی باتیں سنتے سنتے لیلیٰ خیالوں میں کھو گئی۔ وہ تصور میں دیکھ رہی تھی کہ اس کی امی اپنے میاں سے ہاتھ چھڑا رہی ہیں۔ اس طرح ہاتھ چھڑانے میں' اس طرح احتیاط برتنے میں آخر کیا بات تھی؟ پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان نے بھی پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ بتاؤ' جارج اگر چھو لیتا تو کیا ہو جاتا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "جانے کیوں میرا جی چاہتا ہے' مجھے کوئی نہ چھوئے۔ میں اچھوتی رہوں۔ سب کی نظروں میں پاکیزہ اور باعزت سمجھی جاؤں۔ شاید تم لوگوں کو یقین نہ ہو' میری امی میری نظروں میں پُراسرار ہیں' مشرق کی کوئی بھی عورت اگر اپنے آپ کو اپنے شوہر سے بھی چھپاتی ہے تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ وہ شرمیلی ہے بلکہ ہماری تہذیب سکھاتی ہے کہ عورت سیپ میں بند موتی کی طرح رہے تو اس کی آب و تاب باقی رہتی ہے۔ میری امی دنیا والوں کے سامنے میرے ابو سے ہٹ کر چلتی ہیں' فاصلہ رکھ کر بیٹھتی ہیں اور دور سے آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرتی ہیں تو رومان پرور ماحول بھی ہوتا ہے اور اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے' کہ عورت اپنی ہے۔

پھر بھی نئی نئی سی ہے۔ دور ہے تو پاس ہونا چاہیے اور اسے پاس لانے کی تمنا ایسی ہوتی ہے کہ مرد کی محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔"

مارٹن نے پوچھا۔ "تم کہنا چاہتی ہو' ہماری ممی کے لیے ہمارے ڈیڈی کی محبت میں شدت نہیں ہے۔ پچیس برس سے وہ یوں ہی سطحی سی زندگی گزارتے آ رہے ہیں۔"

"میں یہ تو نہیں کہتی۔ مختلف میاں بیوی مختلف انداز میں زندگی گزارتے ہیں۔"

"صاف بات یہ ہے کہ تمہارے لوگ تنہائی میں میاں بیوی ہیں اور محفل میں اجنبی۔ ہمارے لوگ تنہائی میں بھی میاں بیوی ہیں اور محفل میں بھی ڈنکے کی چوٹ پر میاں بیوی کی طرح ملتے اور ہنستے بولتے ہیں۔ اس طرح ملنے اور ہنسنے بولنے میں' ایک ساتھ ڈانس کرنے میں کوئی بے حیائی نہیں ہے۔ ہم بھی تہذیب کی حدوں کو سمجھتے ہیں۔"

پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی نے کہا۔ "اگر تمہاری امی' تمہارے ابو کا نام لے کر مخاطب نہیں کرتی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شرمیلی ہیں اور ہماری ممی' ہمارے ڈیڈی کا نام لے کر مخاطب کرتی ہیں تو وہ بے شرم ہیں۔"

ایک لڑکے نے کہا۔ "تمہارے ماں باپ سے کس نے کہا تھا کہ پاکستان سے یہاں آ کر زندگی گزاریں۔ ایک تو انہوں نے وقت اور ماحول کے مطابق رہنا نہیں سیکھا۔ اس پر یہ کہ اسی ماحول میں تمہیں بھی پیدا کر دیا۔ بھئی اب بھی ہمارا یہی نیک مشورہ ہے کہ اپنے امی ابو کو ساتھ لو اور پاکستان چلی جاؤ۔"

ایک ہندوستانی نے کہا۔ "شاید یہ ساحر لدھیانوی نے کہا ہے:

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر لو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کر لو"

اردو اور ہندی سمجھنے والوں نے قہقہہ لگایا۔ لیلیٰ نے ایک ہاتھ سے اپنے سر کو تھام لیا تھا اور آنکھیں یوں بند کر لی تھیں جیسے وہ دوراہے پر پہنچ کر ٹھٹک گئی ہو۔ دونوں راہوں سے اس پر پھندے پھینکے جا رہے تھے۔ ان پھندوں میں جکڑنے کے بعد اسے اپنی اپنی راہ کی طرف کھینچا جا رہا تھا۔ کبھی وہ ادھر ڈگمگاتی تھی' کبھی ادھر ڈگمگانے لگتی تھی۔ کون اسے کھینچ کر لے جائے گا' ابھی یہ فیصلہ ہونے کو تھا۔

☆-------------☆-------------☆

وہ ننھا سا پنکھا تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ گھرر گھرر کی آواز گونج رہی تھی۔ جانی کار کے انجن کا معائنہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اسٹاپ۔"

دوسرے ہی لمحے پنکھا رک گیا۔ جانی نے کار کے بونٹ کو نیچے کیا پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کو اپنا ایک انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا۔ "پرفیکٹ ٹو کیری آن۔ آپ اسے لے جاسکتے ہیں۔"

کار کے مالک نے اسٹیئرنگ سیٹ والی کھڑکی سے جھانک کر گیراج کے مالک کو دیکھا پھر کہا۔ "مسٹر پارکر! تم نے فرسٹ کلاس کاریگر رکھا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میری کار ٹھیک ہو گئی' گڈ بائی۔ بل بھجوا دینا۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے جانے لگا۔ جانی ایک کپڑے سے ہاتھ پونچھتا ہوا گیراج کے مالک کی طرف آ رہا تھا۔ وہیں ایک کرسی پر فادر جوزف بیٹھے ہوئے تھے۔ گیراج کے مالک مسٹر پارکر نے کہا۔ "فادر! آپ نے واقعی بہت ہی کاریگر لڑکا دیا ہے۔ یہ کسی گاڑی کو ہاتھ لگاتا ہے تو جیسے دعا لگ جاتی ہے' گاڑی دوڑنے لگتی ہے۔"

فادر نے کہا۔ "گاڈ بلیس آن ہِم' پہلے تو تم اسے رکھنا نہیں چاہتے تھے' اب اس کی تعریفیں کر رہے ہو۔"

پارکر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب مانتا ہوں' کسی کو آزماؤ تو اس کے اندر کی خوبیاں باہر آتی ہیں۔ پہلے تو میں نے سوچا' آپ اس کی سفارش کر رہے ہیں۔ پھر یہ کہ میرا نام جوائے پارکر ہے اور اس کا نام جانی پارکر۔ دونوں کے نام ملتے جلتے ہیں' شاید ستارے بھی ملنے لگیں اور میرے گیراج کا ستارہ چمکنے لگے۔ اب دیکھ رہا ہوں' واقعی ستارہ چمک رہا ہے۔ کام خوب چل رہا ہے۔"

فادر جوزف نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو جونی مجھے سڑک کے اس پار چھوڑ آئے گا۔"

"بے شک' بے شک۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہاں گیراج کا کام سنبھالنے والے اور لڑکے بھی ہیں۔ جونی! فادر کے ساتھ چلے جاؤ۔"

وہ فادر کے ساتھ جانے لگا۔ چند قدم چلنے کے بعد فادر نے پوچھا۔ "یہ زندگی کیسی لگ رہی ہے؟"

"بہت اچھی۔ آپ نے میری دنیا ہی بدل دی ہے۔"

"مائی سن! آدمی اپنا معمار خود ہوتا ہے۔ تمہارا جسم ایک عمارت ہے۔ پہلے تم گھٹیا نشے کے عادی بن کر اپنے جسم کی عمارت کو کھنڈر بنا رہے تھے۔ آج دیکھو' اسی جسم کی تعمیر کر رہے ہو تو کتنے ہینڈسم اور سمارٹ لگ رہے ہو۔"

"آپ درست فرماتے ہیں۔ پہلے میں سوچتا تھا اس دنیا سے کیا لینا ہے؟ اس دنیا کو کیا دینا ہے؟ جب کسی سے کچھ لین دین ہی نہیں تو ایسی زندگی کا کیا فائدہ؟ بس خود کو نشے میں گم کرتا رہتا تھا۔"

فادر جوزف نے سر ہلا کر کہا۔ "اس لمحے کو ہمیشہ یاد رکھو' جب تمہارے اندر انقلاب پیدا ہوا اور تم نے اپنے آپ کو بدلنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔"

بے اختیار جانی کی نگاہوں کے سامنے وہ لمحہ روشن ہو گیا۔ ایک حسین چہرہ طلوع ہونے لگا۔ وہ خواب زدہ سا ہو کر بولا۔ "ہاں' اس لمحے کو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ اسے ہمیشہ یاد رکھوں گا اور اس لمحے کو بھی جب میرے دوست آسکر نے دم توڑنے سے پہلے کہا تھا' محبت کرو۔ محبت کرنے سے انسان خالی ہاتھ نہیں مرتا۔ یادوں کا بہت سا سرمایہ اس کی آخری سانس تک ساتھ رہتا ہے۔ فادر! بوبی مر گئی تھی مگر آسکر کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ زندہ رہی اور میں جسے چاہتا ہوں' وہ بھی زندہ ہے۔ خدا کرے اسے میری عمر بھی لگ جائے۔"

وہ کہہ رہا تھا اور اسے تصور میں دیکھ رہا تھا۔ "میں زندہ رہوں گا اور جب مروں گا تو وہ میری نگاہوں میں رہے گی۔"

وہ کہتے کہتے ایک دم سے چونک گیا' جسے تصور میں دیکھ رہا تھا' وہ ابھی ابھی نظر آئی تھی۔ ایک گاڑی میں بیٹھ کر گزر رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "فادر! کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جسے میں دیکھ رہا تھا' جس کی باتیں کر رہا تھا۔ ایکس کیوزمی' میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ اس گاڑی کے پیچھے دوڑنے لگا۔ وہ ایک سفید رنگ کی ویگن تھی۔ اس کے آس پاس اور بھی گاڑیاں تھیں' وہ تمام گاڑیاں گیراج کے سامنے رک گئی تھیں۔ ایک گاڑی کے پہیئے میں ہوا بھری جا رہی تھی۔ جانی دور ہی دور سے کتراتا گیراج کے پاس آیا۔ پھر دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ لیلیٰ سفید رنگ کی ویگن کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس پر پیار ہی پیار آ رہا تھا۔ کسی سے پیار کرنے پر پیار آتا ہے۔ اس پر بھی آتا ہے' اپنے آپ پر بھی آتا ہے۔

اس کے دوست آسکر نے کہا تھا۔ "آسمان کی طرف ایک گیند اچھالو۔ وہ اوپر جائے گی مگر واپس آئے گی۔ اسی طرح دل سے نکلی ہوئی دعا محبت کے آسمان تک جاتی ہے اور قبولیت کے ساتھ واپس آ جاتی ہے۔ ایک بار محبت کو دل سے آزما کر دیکھو' وہ تمہاری زندگی میں ضرور آئے گی۔"

گاڑیاں اسٹارٹ ہونے لگیں۔ اس نے چونک کر دیکھا' وہ جا رہی تھی۔ اس کی گاڑی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ آنے والی محبت منہ موڑ کر جا رہی تھی۔ ابھی گاڑی کی رفتار سست تھی۔ چند لمحوں کے لیے وہ عقب نما آئینے میں نظر آئی۔ آئینے کے ننھے سے فریم میں ایک تصویر بن گئی۔ پھر وہ تصویر بھی اوجھل ہو گئی' آئینہ بھی اوجھل ہو گیا۔ گاڑی دوڑ چلی گئی۔

ابھی آمد بہار تھی۔ ابھی رخصت بہار کا الم ناک سناٹا چھا گیا۔ محبت خیرات کی طرح صرف ایک چٹکی ملے تو دل میں چٹکیاں لیتی رہ جاتی ہے۔ وہ بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بڑی تکلیف ہو رہی تھی مگر میٹھی میٹھی سی ہو رہی تھی۔

فادر جوزف نے پیچھے سے آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ پھر پوچھا۔ "وہ کون تھی؟"

اس نے سر گھما کر انہیں دیکھا پھر آہستگی سے کہا۔ "آپ نے جس لمحے کو یاد رکھنے کو کہا تھا' یہ وہی گھڑی تھی۔"

"کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"نہیں' آج سے پانچ ماہ پانچ دن پہلے میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اوہ گاڈ! تم نے تو ایک ایک دن کا حساب رکھا ہے۔ یہ تو اب محبت نہ رہی' عبادت ہو گئی۔"

"فادر! ایسی عبادت سے محبت مل سکتی ہے؟"

"انسان پانے کو تو بہت کچھ پا سکتا ہے لیکن تم اس سے چھپ رہے ہو۔"

"میں گیراج کے لباس میں ہوں۔ ہاتھ پاؤں گریس اور میل میں اٹے ہوئے ہیں' صورت بگڑی ہوئی ہے۔ وہ پھول پھول سی۔ میں دھول دھول سا۔ اس کے سامنے کیسے جاتا؟"

"نام اور پتا جانتے ہو؟"

"صرف نام جانتا ہوں' لیلیٰ۔"

"اوہ' یہ تو عربی نام ہے۔ اس کا تعلق مڈل ایسٹ سے ہو گا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بہت دولت مند ہو گی۔"

"میں بھی دولت مند بنوں گا۔ اس شہر کا بہت بڑا اور نامور انسان کہلاؤں گا۔"

فادر نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "مائی سن! محبت کا یہی کمال ہے کہ وہ انسان کو زیادہ سے زیادہ بلندی تک پرواز کرنے کا حوصلہ دیتی ہے لیکن یہاں صرف دولت مندی کی بات نہیں ہے۔ لیلیٰ کا تعلق دوسری تہذیب' دوسری ذات برادری سے ہے۔"

"فادر! میری تہذیب کیا ہے؟ میری ذات برادری کیا ہے؟"

فادر کا شفیق چہرہ ماند پڑ گیا۔ ان کے بوڑھے ہونٹوں سے مسکراہٹ بجھ گئی۔ آنکھوں میں گہرے غم کی پرچھائیاں منڈلانے لگیں۔ وہ جانی کو ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ بات محض تہذیب کی نہیں تھی۔ ایک انسان کسی دوسرے انسان کی تہذیب کو اپنا سکتا ہے لیکن کسی کی ذات برادری میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنا پیدائشی سرٹیفکیٹ پیش کرنا پڑتا ہے۔ اپنا شجرہ بتانا پڑتا ہے۔ اگر شجرہ نہ بتا سکے تو کم از کم اپنے باپ کا نام ہی بتانا پڑتا ہے۔

"نام؟ جونی کے باپ کا نام کیا ہے؟ اس کا شجرہ کیا ہے؟ اس کا برتھ سرٹیفکیٹ کہاں رہ گیا؟"

فادر جوزف سوچتے سوچتے اس کے ماضی میں پہنچ گئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب فادر جوزف جوان تھے۔ بریڈ فورڈ کے ایک چرچ میں ہولی کراس کے سامنے شمعیں روشن کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت ایک انگریز افسر ایک چار ماہ کے بچے کو لے کر ان کے پاس آیا۔ "فادر! میں اس بچے کو آپ کی پناہ میں دینے آیا ہوں۔"

انہوں نے پوچھا۔ "کیا یہ تمہارا بچہ ہے؟"

"نہیں' یہ مجھے فساد زدہ علاقے میں ملا ہے۔ شاید اس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔"

فادر نے سینے پر کراس بنایا۔ ان دنوں انگلینڈ کے باشندے اس بات پر مشتعل تھے کہ پاکستانیوں کے ذریعے چیچک کی بیماری انگلینڈ میں پہنچی ہے۔ اس کی تاریخی حقیقت یوں ہے کہ ملکہ برطانیہ پاکستان کے دورے پر گئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے سرکاری عہدیداران اور دیگر ملازمین بھی تھے۔ جب وہ لندن واپس آئیں تو اس کے بعد ہی چیچک کی بیماری نمودار ہوئی۔ ایسا انگلینڈ میں پہلے نہیں ہوا تھا۔ شاید برسوں میں یا صدیوں میں کبھی یہ بیماری وہاں دیکھی گئی ہو۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے انگلینڈ سے اس متعدی مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔

یہ درست ہے' انگلینڈ میں جس طرح سرکاری طور پر صحت عامہ کا خیال رکھا جاتا ہے' پاکستانی ایسی سرکاری توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی شخص اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ بگاڑنا نہیں چاہتا جب کہ چیچک بگاڑ دیتی ہے۔ انگلینڈ کے لوگ ایسے امراض سے بہت خوف کھاتے ہیں' ادھر اخبارات نے یہ بات اچھالی کہ یہ مرض پاکستان سے آیا ہے تو لوگ مشتعل ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پچھلے ہفتے یا دس دن میں جو لوگ پاکستان گئے اور وہاں سے واپس آئے' وہی یہ مرض لے کر آئے ہیں۔ ان میں ملکہ برطانیہ اور ان کا وفد بھی شامل تھا اور برطانیہ کے بزنس مین اور سیاح وغیرہ بھی تھے جو اپنے عزیز واقارب سے ملنے گئے اور وہاں سے واپس آئے تھے۔ اب ان میں سے کون یہ بیماری لے کر آیا تھا' اس کا الزام کسی خاص شخص کو نہیں دیا جا سکتا تھا چونکہ پاکستان سے یہ بیماری آئی تھی' اس لیے

پاکستانیوں سے نفرت کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ لندن کے کئی علاقوں میں پاکستانیوں پر حملے کیے گئے تھے۔ حکومت برطانیہ کسی کو بھی فساد برپا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی لیکن برطانیہ کے باشندے اس بیماری سے بے حد خوفزدہ تھے۔ پاکستانیوں کے خلاف شور مچا رہے تھے' ہنگامے کر رہے تھے اور حکومت مشتعل لوگوں کا سختی سے محاسبہ نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے نتیجے میں اکا دکا وارداتیں ہونے لگی تھیں' جس علاقے میں انتظامیہ ذرا کمزور پڑتی تھی' وہاں فساد برپا ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک علاقے سے وہ بچہ فادر جوزف کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس بچے کو پہنچانے والا ایک ایسا پولیس آفیسر تھا جو اس فساد زدہ علاقے میں ڈیوٹی پر تھا۔ اس نے فادر سے کہا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں کسی فلاحی ادارے میں یا یتیم خانے میں اس بچے کو پہنچا دوں۔ یہ نیک کام آپ ہی کر سکتے ہیں یا اپنے طور پر اس بچے کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟"

وہ بچے کو ان کے حوالے کر کے چلا گیا تھا اور فادر جوزف سوچ رہے تھے' یہ کس کا ہو سکتا تھا۔ آنکھیں نیلی تھیں' چہرہ سفید اور سرخ تھا۔ فساد زدہ علاقے میں پائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ یہ بچہ کسی پاکستانی یا ہندوستانی کا ہو سکتا تھا اور کسی انگریز کا بھی۔

انہوں نے اس بچے کو دیکھتے ہوئے مختلف پہلوؤں سے غور کیا۔ وہاں جو بچے پیدا ہوتے تھے' وہ سرخ اور سفید ہی ہوتے تھے۔ ہاں' اگر ماں باپ کا رنگ کالا ہو یا سانولا ہو تو بچے ان پر جاتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ باپ انگریز ہوتا اور ماں ہندوستانی یا پاکستانی یا باپ ہندوستانی یا پاکستانی ہوتا اور ماں انگریز ہوتی تو اس بچے کی شناخت مشکل سے ہوتی تھی کہ یہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔

اس بچے کو پہنچانے والے افسر نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کئی پاکستانی اور ہندوستانی مارے گئے تھے۔ کچھ انگریز اس فساد میں ہلاک ہو گئے تھے۔ جو مر چکے تھے وہ اس بچے کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتے تھے۔ جو گمشدہ تھے ان سے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور فساد زدہ علاقوں میں جو لوگ زندہ رہ گئے تھے' وہ اس بچے سے لاعلمی ظاہر کرتے رہے تھے۔ فادر جوزف نے اس بچے کو ایک ایسے فلاحی ادارے

میں داخل کر دیا جہاں یتیموں اور لاوارثوں کی صرف پرورش ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ تعلیم بھی دی جاتی تھی اور ہنر بھی سکھائے جاتے تھے۔

ایسے بچے جو فلاحی اداروں میں پرورش پاتے ہیں' وہ عمر کے ساتھ ساتھ دنیاوی رشتوں کو سمجھتے ہیں۔ جو زیادہ حساس ہوتے ہیں' وہ اپنے متعلق طرح طرح سے سوچتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ ان کے ماں باپ کون ہیں؟ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟

وہ دوسرے بچوں کو ان کے والدین کے ساتھ دیکھتے ہیں اور خود احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کا تجسس انہیں بھڑکاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق چھان بین کریں۔ سراغ لگائیں کہ وہ کون ہیں' کہاں سے آئے ہیں۔ کیا وہ اس دنیا میں اپنی ولدیت کے ساتھ فخر سے رہ سکتے ہیں؟

یہ نوعمر لڑکے' لڑکیاں جب اپنے والدین کا سراغ لگانے میں ناکام رہتے ہیں تو ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خود کو ذلیل اور کمتر سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی مرحلوں پر وہ فلاحی اداروں سے فرار ہو جاتے ہیں۔ نشے کا سہارا لیتے ہیں۔ ہپی بن کر نگر نگر گھومتے ہیں۔ جنہیں اپنے ملک سے' اپنے شہر سے کسی طرح کا ذہنی لگاؤ ہوتا ہے' وہ اپنے ہی شہر میں سوکھے پتوں کی طرح حالات کی زد میں اڑتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ لندن والوں کی زبان میں ڈاؤن اینڈ آؤٹ کہلاتے ہیں یعنی وہ انسانوں کی سماجی سطح سے گر چکے ہیں اور سماج سے نکل چکے ہیں۔ کسی سے محبت بھی نہیں مانگتے۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں سر پر بھلا کون بٹھائے گا جبکہ یہ ایسے جوتے ہیں جو کسی کے پاؤں میں بھی نہیں آتے۔

فادر جوزف جن بچوں کو فلاحی اداروں میں داخل کراتے تھے' وقتاً فوقتاً ان کی سرپرستی کے فرائض بھی ادا کرتے رہتے تھے۔ اکثر ان کے پاس جاتے تھے۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ انہیں نصیحت کرتے تھے اور انہیں زندگی گزارنے کا حوصلہ دیتے تھے۔

مانی' بیس برس تک اس ادارے میں بڑی لگن سے تعلیم حاصل کرتا رہا اور موٹر مکینک بننے کے لیے ہنر سیکھتا رہا۔ وہیں آسکر سے اس کی دوستی ہوئی تھی۔ آسکر ان دنوں بوبی سے دوستی بڑھا رہا تھا۔

جونی، آسکر اور بوبی بہت خوش تھے۔ کبھی ان کے دماغ میں یہ سوال بھٹکتا رہتا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، ان کے والد کا نام کیا ہے؟ تو وہ فادر جوزف سے ملتے تھے اور فادر انہیں سمجھاتے تھے۔ "میرے بچو، دنیا کا ہر شخص اپنی شناخت چاہتا ہے، اپنی ذات کے ذریعے بھی اور اپنے آباؤاجداد کے ذریعے بھی۔ بعض صورتوں میں کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بہت سے بچے گم ہو جاتے ہیں، اپنے والدین سے بچھڑ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا باپ مل جاتا ہے مگر ماں نہیں ملتی اور کسی کی ماں مل جاتی ہے مگر باپ نہیں ملتا۔ کیا تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم مسیح اعظم کو ابن مریم کہتے ہیں۔ کیا اس طرح خداوند یسوع نے انسانوں کو نہیں سمجھایا ہے کہ اگر باپ گم ہو جائے، سراغ نہ ملے تو ماں کی نسبت سے اپنی شناخت کراؤ۔"

فادر جوزف مقدس انجیل کے حوالے سے انہیں سمجھا رہے تھے۔ "ویسے اللہ تعالیٰ نے عورت کی حرمت کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان حالات میں جبکہ باپ گم ہو، سراغ نہ ملے، کوئی حیا پرور مسئلہ پیش آئے تو ایسے میں اولاد کی شناخت ماں کے ذریعے کرائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بھی فرمایا ہے۔ "اے لوگو! ہم قیامت کے دن تمہاری ماؤں کے نام سے تمہیں پکاریں گے۔"

جانی نے کہا۔ "فادر! میری ماں کا نام تو مجھے معلوم ہونا چاہیے۔"

"مائی سن! میں کہہ چکا ہوں، بعض حالات میں ماں اور باپ دونوں کا سراغ نہیں ملتا۔ ہماری دنیا میں کتنی جنگیں ہوئیں، کتنے لوگ مارے گئے اور بچے لاوارث ہو گئے۔ سیلاب آیا، کبھی طوفان آئے، کبھی انسانوں کے ذریعے ہونے والی تباہ کاریوں نے اور کبھی قدرتی حالات نے بے شمار بچوں کو لاوارث بنا دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ماں باپ نہیں تھے، یقیناً تھے لیکن مجبوری یہ ہے کہ ان کا سراغ نہ مل سکا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اسی لیے تو میں نے اپنے حوالے سے تمہیں یہاں داخل کرایا ہے۔ میرا نام جوزف پار کر ہے اور تم جونی پار کر ہو۔"

وہ بڑے پیار سے سمجھاتے تھے۔ جانی، آسکر اور بوبی وغیرہ کانٹوں کی طرح چبھتے ہوئے بہتیرے سوالات کو بھول جاتے تھے پھر ان کی زندگی میں ایک عجیب موڑ آیا۔

اچانک پتہ چلا کہ بوبی کے والدین کا سراغ مل گیا ہے۔ ادارے کے منتظم نے بوبی کے والدین سے رابطہ قائم کیا۔ کچھ ثبوت اس کے والدین نے پیش کیے، کچھ ادارے والوں نے روداد سنائی کہ وہ ان کے ہاں کس طرح پہنچی تھی اور کن ذرائع سے پہنچی تھی۔ ان ذریعوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ بوبی ان ہی والدین کی اولاد ہے۔ جب وہ اسے لینے کے لیے ادارے پہنچے تو بچھڑی ہوئی بیٹی سے ماں باپ کے ملنے کا منظر بڑا ہی دل گداز تھا۔ ماں اسے رہ رہ کر چومتی تھی۔ باپ اور بھائی بھی اسے گلے لگاتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس ادارے کی تمام لڑکیاں اور لڑکے دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کسی طرح ان کے والدین کا بھی سراغ مل جائے۔ آسکر دور کھڑا حسرت سے بوبی کو دیکھ رہا تھا۔ جب اس کے والدین اور اس کے بھائی اسے لے جانے لگے تو وہ انہیں چھوڑ کر آسکر کے پاس دوڑتی ہوئی آئی، اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ تمہارے ساتھ ہی زندگی گزاروں گی۔ میرا انتظار کرنا، میں ضرور آؤں گی اور تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی۔"

پھر وہ چلی گئی۔ یہ تو سبھی جان گئے تھے کہ وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ ایسی لڑکیاں منہ پھیرنے کے بعد بھول جاتی ہیں کہ کس سے منہ پھیرا تھا، پیچھے کون رہ گیا۔ وہ آگے دیکھتی ہیں لیکن بوبی دیوانہ وار آسکر کو چاہتی تھی۔ اسی شام اس نے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ اس سے تھوڑی دیر تک پیار بھری باتیں کرتی رہی۔ دونوں ایک دوسرے کو یقین دلاتے رہے اور ایک ساتھ زندگی گزارنے کے وعدے کرتے رہے۔

دوسرے دن بوبی کے باپ نے فون کے ذریعے آسکر سے کہا۔ "آج شام ہمارے ہاں چائے پر آجاؤ۔ ہم تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

اس روز آسکر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے جانی سے کہا۔ "دوست، تم بھی ساتھ چلو۔"

جانی نے کہا۔ "ابھی تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ یقیناً وہ تنہائی میں تم سے کچھ اہم باتیں کریں گے۔ آخر بوبی کے مستقبل کا سوال ہے۔ میرا خیال ہے، شادی سے پہلے وہ تمہیں کوئی عمدہ سی ملازمت دلائیں گے یا کاروبار کرائیں گے تاکہ تم ان کے

اسٹیشن پر آجاؤ۔"

اس شام آسکر وہاں گیا۔ بوبی موجود نہیں تھی۔ اس کے باپ نے پوچھا۔ "کیا تمہارے والدین کا سراغ مل گیا ہے؟"

آسکر نے سر جھکا کر کہا۔ "ابھی نہیں لیکن کوشش جاری ہے۔"

"اور اگر نہ ملا تو؟"

اس نے بے بسی سے کہا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"بوبی' ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ میں سوسائٹی میں ایک اونچا مقام رکھتا ہوں۔ میں لوگوں سے کیا کہوں گا کہ اپنی بیٹی کس سے منسوب کر رہا ہوں۔ کیا ایک ایسے لڑکے سے جس کی نہ ماں کا پتہ ہے نہ باپ کا۔"

"چوبیس گھنٹے پہلے بوبی بھی ایسی ہی تھی۔"

"اب ایسی نہیں ہے۔ اس کی تقدیر بدل گئی ہے۔"

"آپ چاہیں تو میری تقدیر بھی بدل سکتے ہیں۔ آپ جیسے معزز لوگ' ہم جیسوں کو اپنائیں گے تو ہم احساس کمتری میں مبتلا نہیں رہیں گے۔"

"آسکر' دنیا میں صرف تمہارا ہی ایک مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے بے شمار مسائل ہیں۔ یتیموں' لاوارثوں' محتاجوں اور غریبوں کے مسئلے تو بکھرے پڑے ہیں۔ ہم کتنوں کو اپنائیں گے؟ کیا یہ ہمارا نیک عمل نہیں ہے کہ ہم یتیم خانوں اور مختلف فلاحی اداروں کو بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ آخر تم لوگ ہماری ہی دولت سے ایسے اداروں میں پرورش پاتے ہو اور کسی قابل بن کر دنیا میں عزت آبرو سے زندگی گزارتے ہو۔"

"اگر ہم واقعی عزت سے زندگی گزارتے ہیں تو آپ کی نظروں میں میری کیا عزت ہے۔ بوبی مجھے چاہتی ہے' میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ کہاں ہے' اسے بلایئے' ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔"

"وہ نہیں ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ اسے اس بات کا علم نہیں ہے کہ تم یہاں آنے والے ہو اور میں تم سے معاملات طے کرنے والا ہوں۔"

"کیا آپ یہی طے کرنا چاہتے ہیں کہ میں بوبی کی زندگی سے نکل جاؤں؟"

"تمہارا بڑا احسان ہو گا۔ اس کے لیے میں تمہاری ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارا شاندار مستقبل بنا سکتا ہوں۔"

"مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔ میں بوبی کی زندگی سے نہیں نکل سکتا۔ ہاں آپ اگر بوبی کو میری زندگی سے نکالنا چاہیں تو اس کا فیصلہ اسی سے کرالیں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر آنے لگا لیکن دروازے پر ہی بوبی سے سامنا ہو گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "ابھی پندرہ منٹ پہلے میں نے وہاں فون کیا تو پتہ چلا' تم نہیں ہو۔ جانی نے بتایا' ڈیڈی نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ کوئی ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

پھر وہ آگے بڑھ کر اپنے باپ سے بولی۔ "ڈیڈی! یہ کیا بات ہے۔ آپ نے مجھے آسکر کے آنے کی اطلاع ہی نہیں دی۔"

"یہ مجھے تمہاری زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ اب تم لاوارث نہیں رہیں۔ لاوارث اب میں ہوں۔"

بوبی نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "کون کہتا ہے کہ تم لاوارث ہو اور اگر ہو تو پھر میں بھی ہوں۔"

اس کے باپ نے سخت لہجے میں کہا۔ "بوبی! اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ہم تمہارے ماں باپ ہیں۔ تم لاوارث نہیں ہو۔"

"ڈیڈی! لاوارث کسے کہتے ہیں۔ میرے خیال میں اس بچے کو' جس کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو' جس کا کوئی سرپرست نہ ہو لیکن فار یور انفارمیشن' میں اب بچی نہیں ہوں۔ اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکتی ہوں۔ اگر آپ لاوارث کے معنی نہیں جانتے ہیں تو سن لیجئے' محبت اپنے محبوب کے بغیر' عورت اپنے جیون ساتھی کے بغیر لاوارث ہوتی ہے۔ میں آسکر کے ساتھ اسی ادارے میں واپس جاؤں گی اور آپ لوگوں کے بغیر لاوارث کہلانا پسند کروں گی۔"

اس نے آسکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی' ماں نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔ "بیٹی! جذباتی فیصلے ہمیشہ تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔"

"آپ یہ بات ڈیڈی کو سمجھائیں کہ ان کے جذباتی فیصلے سے آسکر کی توہین ہوئی

ہے۔"

"میری بچی! جب تم ننھی سی تھیں تو ہم سے بچھڑ گئی تھیں۔ بچھڑنے اور ملنے کے درمیان جیسے صدیوں کا فاصلہ رہا۔ اتنے طویل فاصلے کے بعد کیا تم چوبیس گھنٹے کے لیے ہمارے پاس آئی تھیں۔ کیا ماں باپ سے تمہیں کوئی محبت نہیں ہے' کیا ہمیں اتنا حق بھی نہیں دینا چاہتی ہو کہ ہم تمہاری زندگی کے متعلق' تمہارے مستقبل کے متعلق کوئی اہم اور بہترین فیصلہ کریں؟"

"فیصلہ خواہ کتنا ہی بہترین ہو' مجھے وہی منظور ہوگا جس میں میرے نام کے ساتھ آسکر کا نام آئے گا۔"

"چلو' یہ باتیں بعد میں کر لیں گے۔ پہلے ہم تمہیں دنیا کے نشیب و فراز سمجھائیں گے۔"

"ممی' جب میں آپ سے یہ کہتی ہوں کہ آسکر میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ جسمانی طور پر صحت مند ہے اور ذہنی طور پر نارمل اور ہر طرح سے میرے قابل ہے تو جواباً آپ ذرا اس کی خامیاں اور اس کے نقائص بیان کریں۔"

باپ نے آگے بڑھ کر سخت لہجے میں کہا۔ "شادی کے لیے لڑکے کی ولدیت اور شجرہ لازمی ہے۔"

"میں بھی آسکر کے ساتھ اسی ادارے میں چلی جاؤں گی تو میرے لیے بھی کسی ولدیت اور شجرے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں' یہاں سے جانے کے بعد آپ لوگوں کا نام کبھی زبان پر نہیں لاؤں گی اور نہ ہی کسی بہانے آپ لوگوں سے رشتہ جوڑوں گی۔"

وہ آسکر کا ہاتھ پکڑ کر جانے لگی۔ ماں روکنا چاہتی تھی' باپ نے کہا۔ "اسے جانے دو۔ یہ جلد ہی واپس آئے گی۔"

جب وہ آسکر کے ساتھ ادارے میں پہنچی تو وہاں کے منتظم نے کہا۔ "بوبی تمہارے ڈیڈی کا فون آیا تھا۔ تمہیں گھر واپس جانا چاہیے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ پہلے بھی یہاں تھی' اب بھی یہاں رہنا چاہتی ہوں۔"

"یہ یتیموں اور لاوارثوں کا ادارہ ہے۔ تمہیں یہاں رہنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔"

"مجھے یہاں رہنے کی جگہ اس لیے نہیں مل سکتی کہ میں ماں باپ والی ہو گئی اور آسکر کو میری سوسائٹی میں اس لیے جگہ نہیں مل سکتی کہ یہ ماں باپ والا نہیں ہے۔"

جانی دوسرے لڑکے لڑکیوں کے ساتھ کھڑا ہوا سن رہا تھا اور اپنی توہین محسوس کر رہا تھا۔ وہ بھی تو ماں باپ والا نہیں تھا۔ فادر جوزف کے سمجھانے سے کیا ہوتا ہے کہ ان کے والدین تھے مگر لاپتہ ہو گئے۔ دنیا والے تو تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر تسلیم کریں گے تو بوبی کے والدین آسکر کو کیوں نظروں سے گرا رہے ہیں' اسے اپنی سوسائٹی میں تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

آسکر نے کہا۔ "اگر بوبی کو یہاں رہنے کی جگہ نہیں ملے گی تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔"

منتظم نے کہا۔ "آسکر! تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ اس فلاحی ادارے نے تمہیں تعلیم یافتہ اور ہنرمند بنایا ہے تاکہ تم بھی اس فلاحی ادارے کو فائدہ پہنچاتے رہو۔ اس کے علاوہ تم جن ذرائع سے بچپن میں یہاں پہنچے تھے' پہلے ہم ان سے رابطہ قائم کریں گے' تمہارے یہاں سے جانے کے معاملات طے کریں گے' اس کے بعد تم جا سکتے ہو۔"

اس منتظم نے بوبی سے کہا۔ "تمہیں اپنے گھر جانا چاہیے۔ اگر آسکر سے محبت ہے تو اپنے والدین کو سمجھانا چاہیے۔"

"میں سمجھا چکی ہوں۔ میں آسکر کے ساتھ ایسے اندھے کنویں میں تھی' جہاں کوئی ہماری شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ میرے والدین نے میری شناخت کر لی لیکن میری محبت کو پہچاننے سے ہمیشہ انکار کریں گے۔"

آسکر نے وہاں کے منتظم سے کہا۔ "میں بوبی کو اس کے گھر پہنچاؤں گا' اسے سمجھاؤں گا۔ کیا آپ اسے وہاں تک پہنچانے کی اجازت دے سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں' تم واقعی سمجھ دار ہو۔ اسے بھی سمجھاؤ' تم دونوں شادی کرنا چاہو گے تو یہاں کا قانون آڑے نہیں آئے گا پھر ماں باپ سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں اسے یہی سمجھاؤں گا۔"

وہ بوبی کے ساتھ اس ادارے سے باہر آگیا۔ بوبی نے پوچھا۔ "کیا واقعی میرے گھر پہنچانا چاہتے ہو؟ میں ایسی جگہ نہیں جاؤں گی جہاں تمہاری انسلٹ کی گئی ہو۔"

آسکر نے کہا۔ "جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں' ہماری انسلٹ ہی ہو رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم محسوس نہیں کرتے تھے۔ تمہارے والدین نے ہمارے احساس کو جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ میں اب اس ادارے میں نہیں رہوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "کیا تم مجھے اپنے ساتھ کہیں لے چلو گے؟"

"ضرور لے جاؤں گا۔ تم میری خاطر گھر چھوڑ سکتی ہو تو میں تمہارے لیے اس دنیا کو جیتنے کی کوشش کروں گا لیکن مجھے کچھ مہلت دو۔ جب تک میں اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو جاؤں۔ تمہارے لیے ایک گھر کرائے پر حاصل نہ کر لوں' اس وقت تک اپنے گھر میں رہو۔ میری خاطر اپنے والدین کی باتیں برداشت کر لو۔ میری انسلٹ کی پرواہ نہ کرو۔ ہم تو اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔"

اس نے بوبی کو سمجھا منا کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ جب وہاں سے واپس آ رہا تھا تو جانی نظر آیا۔ اس نے کہا۔ "تم محبوبہ کی خاطر دوست کو چھوڑ کر آ سکتے ہو مگر میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں دوست! میری خاطر اس ادارے کو نہ چھوڑو۔"

"کیوں نہ چھوڑوں' وہاں رہوں گا تو میرے دل و دماغ میں کانٹے چبھتے رہیں گے۔ یہ بات گونجتی رہے گی کہ ہم ناقابل قبول ہیں۔ ہم مس فٹ ہیں۔ یہاں کسی سوسائٹی میں فٹ نہیں ہو سکتے۔ فادر جوزف ہمیں سبز باغ دکھاتے رہے اور دلاسے دیتے رہے لیکن جب زندگی کی حقیقتیں سامنے آگئی ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ہمیں سوچنا ہو گا کہ ہم کیا کریں؟"

آسکر نے پوچھا۔ "کیا کریں؟"

جانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔ "چلو' پہلے غم غلط کریں پھر باتیں کریں۔"

وہ ایک پب میں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے پہلی بار آزادی سے بیٹھ کر شراب پی۔
جانی نے پوچھا۔ "تم بوبی کو بہت چاہتے ہو؟"
"اتنا چاہتا ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"
"اس کی محبت کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"
"یہ دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔"
"کیا بوبی کو چھوڑ سکتے ہو؟"
آسکر نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"
"محبت اس طرح بھی آزماتی ہے۔ اپنی محبوبہ کی زندگی اور اس کے مستقبل کے لیے اسے بھول جاؤ۔ اس کی طرف لوٹ کر نہ جاؤ۔ اس کے ماں باپ اسے سمجھائیں گے۔ وہ ضد کرے گی، تمہیں تلاش کرے گی پھر تھک ہار کر ماں باپ کی پسند کے مطابق اپنا مستقبل بنالے گی۔"
"جونی! تم بہت سنگدل ہو۔ شاید اسی لیے تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔"
"اگر میں محبت کرتا تو اس کی خوشی کے لیے اس کی زندگی سنوارنے کے لیے اس سے دور ہو جاتا۔"
آسکر نے شراب کا جام اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے ایسی آزمائش میں ڈال رہے ہو جس سے گزرنے کے لیے ہوش سے بیگانہ رہنا پڑے گا۔"
"کچھ بھی کرو' اپنی محبت کو سنوار دو۔"
وہ دونوں اس علاقے سے دور چلے گئے۔ بوبی سے دور' اس علاقے سے دور۔ انہوں نے فادر جوزف سے بھی ملنا گوارا نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے' فادر سے ملیں گے تو وہ لفظوں کا سحر پھونکیں گے۔ نصیحتوں کے دباؤ میں لائیں گے اور انہیں ادارے میں واپس جانے پر مجبور کردیں گے۔
دونوں دوست ایک موٹر گیراج میں کام کرنے لگے لیکن انہیں کام سے زیادہ نشے کی طلب ہوتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بھلا دینا چاہتے تھے۔ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ ان کی ولدیت کا حساب کرنے والے کتنے لوگ ہیں؟ ساری باتوں کو بھلانے کے لیے وہ

پیتے تھے' بے تحاشا پیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کسی ایک جگہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ کام کا ناغہ ہوتا اور اپنی ذمے داریوں کو پورا نہ کرتے تو کام سے نکالے جاتے تھے۔

وہ ہنر مند تھے۔ ایک جگہ سے نکالے جانے کے بعد دوسری جگہ جانے کا موقع مل جاتا تھا لیکن کام دینے والے کام چاہتے ہیں' مدہوشی نہیں چاہتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہے اور نکلتے رہے۔ کبھی ان کی جیب میں رقم ہوتی تو وہ کچھ کھا لیتے۔ اچھی سی شراب پی لیتے۔ رقم برائے نام ہوتی تو وہ سستی اور گھٹیا سی شراب کا سہارا لیتے لیکن پیتے ضرور تھے۔ وہ مدہوشی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

مدہوشی کے علاوہ ایک اور مسئلہ تھا۔ پولیس والے انہیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ ان کے جیسے ڈرنکر نوجوانوں' ہپی لڑکیوں اور لڑکوں کو پکڑتے تھے' آوارہ گردی سے روکتے تھے' انہیں فلاحی اداروں میں پہنچا دیتے تھے۔ فادر جوزف نے بھی انہیں تلاش کیا۔ پھر بوبی کے والدین کے پاس پہنچ گئے۔ بوبی اپنے آسکر کے انتظار میں آدھی ہو گئی تھی۔ اس کے والدین اسے ہر طرح سمجھاتے تھے لیکن وہ یہی کہتی تھی۔ "اگر میرا آسکر بے وفا ہے تو اسے ایک بار میرے سامنے لے آؤ۔ وہ ٹھکرا دے گا تو میں مرجاؤں گی' ابھی تک اسی کے انتظار میں زندہ ہوں۔"

فادر جوزف نے اس کے والدین سے پوچھا۔ "اب کیا ارادہ ہے؟"

اس کے ڈیڈی نے کہا۔ "ہم ہار گئے۔ جوان بچوں پر جبر نہیں کر سکتے۔ قانون ان کا ساتھ دیتا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آسکر کہیں مل جائے گا تو ہم ایک شرط پر اسے قبول کر لیں گے۔"

فادر جوزف نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

"ہم عزت دار لوگ ہیں' یہ کبھی برداشت نہیں کر سکیں گے کہ ہماری سوسائٹی کے معزز لوگ آسکر کے حوالے سے ہمارا مذاق اڑائیں۔ اس لیے میں آسکر اور بوبی کو باقی زندگی گزارنے کسی دوسرے ملک میں بھیج دوں گا۔"

بوبی نے غصے سے کہا۔ "مجھے آپ کی عنایات کی ضرورت نہیں ہے۔ آسکر آئے گا تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ بلا سے کہیں بھی بھٹکتی رہوں' کہیں بھی جا کر مرجاؤں

لیکن آپ کا احسان لے کر اپنا ملک نہیں چھوڑوں گی۔"

فادر نے کہا۔ "بیٹی! اپنے والدین کی بات مان لو۔ تمہیں ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ آسکر کا ساتھ بھی ہو اور والدین کی عزت بھی رہ جائے۔"

"میں ایسی کوئی شرط تسلیم نہیں کروں گی جس سے آسکر کی انسلٹ ہوتی ہو۔ اسے اس معزز سوسائٹی میں تسلیم نہیں کیا جاتا اور مجھے کیا جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس کا کیا قصور ہے؟ کیا وہ جان بوجھ کر اپنے والدین سے جدا ہوا تھا۔ اگر میرے والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ناجائز اولاد ہے تو اسے ثابت کریں اور اگر ثابت نہیں کر سکتے تو تسلیم کریں اور اگر تسلیم نہیں کرتے ہیں تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔"

وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف گئی پھر دروازے پر پہنچ کر بولی۔ "میں احتجاجاً دروازہ بند کر رہی ہوں۔ جب تک آسکر نہیں آئے گا' یہ دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ ماں نے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ بھائی نے ڈانٹ ڈپٹ کر کہا کہ وہ باہر آ جائے لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اس کے بیڈ روم کے دوسری طرف بالکونی تھی۔ بالکونی کی چھت سے نیچے فرش تک لوہے کی جالیاں بنی ہوئی تھیں۔ والدین کو اور اس کے بھائی کو اطمینان تھا کہ وہ خودکشی کرنے کے لیے بالکونی سے چھلانگ نہیں لگائے گی اور نہ ہی وہاں سے فرار ہو سکے گی۔

شام کو کھانے کے لیے بلانے گئے' اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اس کے لیے کھانا لے جایا گیا' تب بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ رات گزر گئی۔ دوسری صبح بھی ناشتے کے لیے باہر نہیں آئی۔ اب سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ ضدی ہے۔ دروازہ اس وقت تک نہیں کھولے گی' جب تک آسکر نہیں آئے گا۔ آسکر کو بھی تلاش کر رہے تھے۔ اس کی ماں اور بھائی نے باہر آ کر بالکونی کی طرف دیکھا۔ وہ اوپر بالکونی کی آہنی جالی سے لگی' کھڑی ہوئی تھی۔ دور تک یوں دیکھ رہی تھی جیسے آسکر کو تلاش کر رہی ہو۔ ماں نے کہا۔ "بیٹی! یہ کیا حماقت ہے' دروازہ کھولو۔ آسکر آ جائے گا۔"

"ممی! میں نے بہت انتظار کر لیا۔ آپ کو اور ڈیڈی کو میری فکر نہیں کرنی

اچھا ہے۔ یوں بھی آسکر کے ساتھ آپ مجھے کسی دوسرے ملک بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ آپ لوگوں کی عزت برقرار رہے۔ اگر میں یہاں کھڑی کھڑی آسکر کا انتظار کرتے کرتے دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں تو آپ لوگوں کے لیے کیا فرق پڑے گا۔ سمجھ لیجئے گا' آسکر کے ساتھ کسی دوسرے ملک چلی گئی ہوں۔"

وہ ضدی لڑکی وہیں کھڑی رہی۔ ماں باپ نے شام کو آکر دیکھا' وہ اسی طرح بالکونی کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ باپ نے کہا۔ "غضب کی سردی پڑ رہی ہے۔ گرم کپڑے تو پہن لو' کچھ کھالو۔ بالکونی سے ہٹ جاؤ۔ کمرے میں چلی جاؤ' دروازے کھڑکیاں بند کرلو۔ فار گاڈ سیک' ہمیں پریشان نہ کرو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' آسکر کو کہیں سے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔"

وہ جالی کے پاس سے ہٹ گئی۔ اب نظر نہیں آرہی تھی۔ والدین مطمئن ہو کر گھر میں آگئے پھر دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ ماں نے پریشان ہو کر کہا۔ وہ کل سے بھوکی ہے۔ اس نے کچھ کھایا نہیں ہے۔"

باپ نے کہا۔ "بھوک بڑی ظالم ہوتی ہے۔ جب ستائے گی تو خود ہی دروازہ کھول کر باہر آئے گی۔"

"وہ بہت ضدی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس نے صبح تک دروازہ نہ کھولا تو ہم یہ دروازہ توڑ دیں گے۔"

اس رات کی صبح ہونے میں ابھی دیر تھی۔ بوبی اپنے والدین کے اطمینان کے لیے جالی کے پاس سے ہٹ گئی تھی پھر وہیں چلی آئی تھی۔ وہ دسمبر کی ایک سرد رات تھی۔ ایسی غضب کی سردی پڑ رہی تھی کہ گرم لباس' گرم موزے' گرم دستانے پہننے کے باوجود بند کمرے میں آتشدانوں اور ہیٹر وغیرہ سے حرارت حاصل کی جاتی تھی۔ کجا یہ کہ بوبی نے بالکونی کی طرف کے دروازے کھول دیئے تھے اور وہاں آہنی جالی کے پاس آکر اندھیری رات میں باہر دیکھ رہی تھی۔ "آسکر! تم کب آؤ گے؟"

ایسی بات نہیں ہے کہ محبت میں بھوک نہیں لگتی' سردی نہیں لگتی۔ انسان آخر انسان ہوتا ہے۔ وہ جسم و جان کی ہر کمی محسوس کرتا ہے لیکن محبت میں برداشت کرتا رہتا

ہے۔ وہ بھی برداشت کر رہی تھی۔ جانتی تھی کہ آسکر بھی ادارے سے نکلنے کے بعد کہیں بھٹک رہا ہو گا۔ سردی میں ٹھٹھر رہا ہو گا۔ بھوک سے نڈھال ہو رہا ہو گا۔

"آجاؤ' مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ہم ہوسٹل میں اپنا کھانا بانٹ کر کھاتے تھے۔ میں تمہیں کھلاتی تھی' تم مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے۔ ابھی تو بھوک سے جان نکل رہی ہے۔ تم آؤ گے تو جان آجائے گی۔ تمہیں دیکھتے ہی میں کھانا پینا بھول جاؤں گی۔ آجاؤ' آسکر آجاؤ۔"

وہ رات کے پچھلے پہر تک بڑبڑاتی رہی۔ پھر اس میں اتنی سکت نہ رہی کہ زبان ہلا سکتی۔ اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔ ہونٹ سختی سے بھنچ گئے تھے۔ اس نے مٹھیوں کو بھی بھینچ لیا تھا مگر دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"آجاؤ' یہ موسم مجھے مار رہا ہے۔ سردی میرے روئیں روئیں میں اتر رہی ہے۔ بدن سن ہو رہا ہے۔ میری ہڈیاں دکھ رہی ہیں۔ رگوں میں لہو جم رہا ہے۔ آجاؤ' جلدی آجاؤ۔ تم آکر محبت سے سمیٹ لو گے تو موسم بدل جائے گا۔ مجھے حرارت مل جائے گی۔ ابھی جاؤ' آسکر!"

پھر اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی۔ موسم کے سرد ہاتھ دھڑکنوں کو دبوچ رہے تھے۔ دماغ سن ہو گیا تھا' سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ایسی سردی میں صرف پانی نہیں جمتا' اس کا لہو بھی رگوں میں جم گیا۔ لہو کی جو سرخی اس کے گورے بدن سے جھلکتی تھی' وہ بجھ گئی۔ اس کے حسن کی گلابیت مر گئی۔ چہرہ اور بدن پہلے تو بالکل سفید پڑ گیا پھر ان میں نیلاہٹ آنے لگی۔

صبح ہو گئی۔ پہلے دروازے پر دستک سنائی دی۔ ماں نے کہا۔ "بوبی' کمرے سے نکل آؤ۔ ابھی پولیس والوں نے اطلاع دی ہے' آسکر مل گیا ہے۔ وہ اسے لے کر یہاں آرہے ہیں۔"

دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ پھر زور زور سے دروازے کو پیٹتے ہوئے باپ کی آواز سنائی دی۔ "میں کہتا ہوں دروازہ کھولو۔ میں مانتا ہوں' جوانی میں محبت اور بڑھاپے میں عزت عزیز ہوتی ہے۔ تمہیں تمہاری محبت عزیز ہے۔ تم آسکر کو لے کر کہیں بھی جا سکتی

ہو۔ مجھے اپنی عزت کا پاس رکھنا ہے۔ میں اس چھوکرے کو اپنے خاندان میں برداشت نہیں کرسکوں گا لیکن تمہارے فیصلے پر اعتراض نہیں ہے۔ دروازہ کھول دو۔"

پہلے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا پھر دروازے کو پیٹا جانے لگا۔ اس کے بعد ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے اسے توڑا جا رہا ہو۔ اتنے شور اور افراتفری میں آسکر کی آواز بھی سنائی دی۔ "بوبی! پلیز دروازہ کھولو۔ دیکھو میں آگیا ہوں۔ اب ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکے گا۔"

دروازہ ٹوٹ گیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک آواز ماں کے قدموں کی تھی۔ وہ ممتا کے کانٹوں پر چلتی آرہی تھی' ایک آواز باپ کے قدموں کی تھی۔ وہ سماجی مان و مرتبے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا آرہا تھا۔ ایک آواز پولیس والوں کے قدموں کی تھی۔ وہ قانون کی زبان سے سمجھانے آئے تھے۔ سردی میں اکڑنا' بھوک سے مرنا اور خودکشی کرنا جرم ہے۔

اور ایک آواز محبوب کے قدموں کی تھی۔ وہ صبا کی ہتھیلی پر قدم رکھتا ہوا' محبت کے پھول چنتے آرہا تھا۔ اسے سمجھانے کے لیے کہ انتظار کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ انتہا سے گزر جانا اچھا نہیں ہوتا۔ میں تو تمہارے والدین کے اسٹیٹس کے مطابق تمہاری زندگی سنوارنے چلا گیا تھا۔ محبت میں ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ محبوب بہت دور جا کر اپنی زندگی سنوارتا ہے مگر یہ کیا؟ تم نے میری محبت کے آئینے میں سنورنا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے تو خبر نہ ہوئی' کب تم نے زندگی کا آئینہ ایک طرف رکھ دیا اور موت کے آئینے میں انتظار کی دلہن بن کر نقش ہو گئیں۔

تمام قدموں کی آوازیں بوبی کے آس پاس آکر رک گئیں۔ آسکر کی آنکھوں میں آنسو آکر تھم گئے۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ چہرہ بھوک' تھکن' سردی' مایوسی اور احساس شکست سے زخمی زخمی تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی جیسے اپنی محبت کو سینے کے اندر کھینچ رہا ہو۔ اب وہاں کیا رہ گیا تھا' کچھ نہیں۔ اس نے اپنے سلیپنگ بیگ کو کاندھے پر ڈالا پھر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "آؤ یہاں سے چلیں۔ بوبی! یہ جگہ ہمارے تمہارے لیے نہیں ہے۔"

وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا' اس سے دور جاتا ہوا اس عالیشان کوٹھی سے باہر آگیا۔ باہر جانی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو آسکر نے سلیپنگ بیگ کو شانے پر تھپکتے ہوئے کہا۔ "سو رہی ہے۔ بھوک سے نڈھال ہو گئی ہے۔ سردی بھی لگ رہی ہے۔ چلو ہم اسے کہیں لے جا کر حرارت پہنچائیں۔ شاید کچھ کھانے کو بھی مل جائے۔"

اس روز سے جانی نے آسکر کو محبت کی لاش کاندھے پر اٹھائے دیکھا۔ وہ کہتا تھا۔ "یہ لاش نہیں ہے' میری بوبی ہے۔ محبت بھری یادوں کا سرمایہ ہے۔ تم کسی سے محبت کرو تو میرے اندر کے کرب کو اپنے اندر سمجھنے لگو گے۔"

شاید جانی کبھی اس کے اندر کی تڑپ کو سمجھ نہ پاتا لیکن ایسے ہی وقت اسے لیلیٰ نظر آگئی تھی پھر جس حالت میں آسکر نے بھوکے رہ کر' شراب پی پی کر' سردی سے ٹھٹھر کر' ٹائلٹ میں پہنچ کر جان دی تھی۔ اس المناک موت نے اسے متاثر کیا تھا۔ اسی لمحے سے جانی نے سمجھ لیا تھا اور طے کر لیا تھا کہ وہ بھی آسکر کی طرح خالی ہاتھ نہیں مرے گا۔ آخری دم تک اس کے پاس اس کی محبت رہے گی۔

فادر جوزف ماضی میں جھانک رہے تھے۔ جانی کے گذشتہ حالات کو پڑھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔ آج جانی وہی سوال اٹھا رہا ہے جو آسکر کی محبت بھری زندگی میں ابھرا تھا اور اسے لے ڈوبا تھا اور وہ سوال تھا۔ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ میرا باپ کون ہے؟ میں کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور میرا شجرہ کیا ہے؟

جانی گیراج کی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ ابھی ابھی لیلیٰ اس سفید رنگ کی ویگن میں بیٹھ کر اپنی بہت سی سہیلیوں اور ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے گئی تھی اور اپنی یاد دلاتے رہنے کے لیے اپنا مختصر سا نظارہ اس کے تصور میں چھوڑ گئی تھی۔

"فادر! میں گمراہی سے لوٹ آیا۔ آپ کی ہدایات کے مطابق ایک نارمل انسان کی زندگی گزار رہا ہوں۔ محنت کر رہا ہوں۔ اس معاشرے میں اپنے لیے مقام بنانا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے مقام حاصل ہو جائے گا؟"

"ضرور ہو گا۔"

"اگر آسکر تنہا اس معاشرے میں مقام حاصل کرنا چاہتا تو اسے بھی ہو جاتا۔ کوئی اس سے ماضی کے متعلق' اس کے والدین کے متعلق سوالات نہ کرتا۔ کوئی اس کی توہین نہ کرتا لیکن آسکر کی طرح میں بھی محبت کر رہا ہوں حالانکہ یہ یکطرفہ محبت ہے۔ اگر دونوں طرف سے محبت ہو گی تو کیا وہ محبت مجھ سے میرا شجرہ پوچھے گی؟"

فادر جوزف نے ایک گہری سانس لی پھر سر جھکا کر کہا۔ "محبت کرنے والی ایک ہوتی ہے۔ وہ محبت کی زبان سمجھ لیتی ہے پھر شجرہ نہیں پوچھتی۔ ہم اور تم اس اکیلی محبت کرنے والی کو تو سمجھالیں گے' باقی دنیا کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

جانی نے خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی ساری دنیا کو فتح نہیں کر سکتا۔ میں صرف ایک ہی محبت کو جیت لوں تو میرے لیے یہی کافی ہے مجھے محبت کا سہارا چاہیے۔ یادوں کا سرمایہ' تاکہ میں خالی نہ رہوں۔"

پھر اس نے ایک سرد آہ بھری۔ اس کے بعد دل ہی دل میں کہا۔ "لیلیٰ! میں خالی ہاتھ نہیں رہوں گا۔"

☆------------☆------------☆

لیلیٰ اپنی سہیلیوں اور ساتھیوں کے ساتھ انڈسٹریل اسٹریٹ پہنچ گئی۔ وہاں اورس کے سوئمنگ پول میں لڑکے' لڑکیاں تیرنے آتی تھیں۔ بڑا ہی رومانٹک ماحول ہوتا تھا۔ زمین کی سطح پر آنکھ مچولی کھیلنے کے لیے آنکھوں پر پٹی باندھنا پڑتی ہے۔ حوض کے شفاف پانی میں پٹی باندھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چھپنے والے غوطہ لگاتے ہیں۔ ڈھونڈنے والے بھی بار بار غوطے لگاتے ہیں اور گیلے صابن کی طرح بار بار پھسل جانے والی محبت کو کنارے لانے کی دلچسپ کوششیں کرتے رہتے ہیں۔

مقبول ترین ماہناموں' ہفت روزوں اور روزناموں کے فوٹوگرافر مووی اور اسٹل کیمرے لیے گھومتے تھے۔ پانی میں آگ لگانے والی حسیناؤں کی تصویریں مختلف زاویوں سے اتارتے تھے۔ اس کے لیے انہیں حسیناؤں اور ان کے بوائے فرینڈز سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ بعض لڑکیاں اس پر اعتراض کرتی تھیں۔ پیشہ ور فوٹوگرافرز ان کی تصویریں انگلینڈ کے کسی رسالے میں شائع نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اپنی آمدنی کھری کرنے کے لیے

ان کی تصویریں چپکے سے اتار لیتے تھے۔ ایسی حسین تصویریں بیرونی ممالک کے رسالوں کے منتظمین اچھے داموں خرید لیتے تھے۔

لیلیٰ کے تمام فرینڈز نے دھمکی دی تھی کہ وہ ان کے ساتھ تیراکی میں شامل نہیں ہوگی تو سوسائٹی اس کا بائیکاٹ کر دے گی۔ اسے تیرنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ تیرنا تو اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی سہیلیاں لباس تبدیل کرنے گرین روم میں جا رہی تھیں اور تیراکی کے مختصر سے لباس میں باہر آ کر اپنے دوستوں سے ہنس بول رہی تھیں۔ ان کے ساتھ سوئمنگ پول میں چھلانگیں لگا رہی تھیں۔

ریٹا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے پوچھا۔ "یہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہو۔ جاؤ ڈریس چینج کرو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "یہاں کتنے ہی فوٹوگرافر گھوم رہے ہیں۔ اس لیے میں اپنے گھر کے پول ہی میں تیراکی کا شوق پورا کر لیتی ہوں۔ یہاں کسی نے میری تصویر.........."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کلک کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ہی ایک ادھیڑ عمر کا فوٹوگرافر مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ "تھینکس۔ اے لاٹ آف تھینکس۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "تم نے اجازت کے بغیر میری تصویر کیوں اتاری؟"

ریٹا نے کہا۔ "اس میں ہرج کیا ہے۔ میں سوئمنگ ڈریس میں ہوں۔ مجھے اعتراض کرنا چاہیے مگر آئی لو اٹ۔"

فوٹوگرافر نے کہا۔ "ویری نائس آف یو۔ یہ فیکٹ ہے کہ گزرتی ہوئی آنکھوں کے سامنے حسن جگنو کی طرح جل کر بجھ جاتا ہے لیکن کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔" اس نے لیلیٰ سے کہا۔ "تمہیں اس دلیل سے اتفاق کرنا چاہیے۔"

لیلیٰ نے آگے بڑھ کر کیمرے کو چھین لیا۔ پھر اس کے اسنیپنگ بٹن کو دو چار بار دبا کر اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "آئندہ ایسی دلیل پیش کرنے سے پہلے یہ ضرور یاد رکھنا کہ ہر لڑکی پبلسٹی آئٹم نہیں ہوتی۔"

پھر وہ ریٹا کے پاس سے گزرتی ہوئی بولی۔ "میں نے وہ نیگیٹو ضائع کر دیا ہے۔ تم چاہو تو تنہا ماڈل بن سکتی ہو۔"

فوٹوگرافر نے نیگیٹو کا نمبر بدلتے ہوئے ریٹا کی جانب دیکھا۔ لیلیٰ کیمرے کی زد سے نکل چکی تھی۔ ریٹا نے تیراکی کے مختصر سے لباس میں نصف انگڑائی لی۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ ہی کیمرے میں ریکارڈ ہو گئی۔

ایک نوجوان سوئمنگ پول کے قریب ہی ریفریشمنٹ ہال سے اچھلتا کودتا آیا۔ پھر بلند آواز میں بولا۔ "کم آن یو بے بی اینڈ بوائز۔ ایک بہت ہی فنٹاسٹک نیوز ہے۔ آؤ' جلدی آؤ۔ ورنہ نیوز کاسٹ کرنے سے پہلے ہی وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کون پہنچ جائیں گے؟"

"آخر وہ دلچسپ خبر کیا ہے؟"

سبھی تجسس کے مارے پوچھنے لگے۔ کنول رانی اپنے بوائے فرینڈ مارٹن کے ساتھ سوئمنگ پول کی بلندی پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ "جلدی خبر سنا دو ہم غوطہ لگانے والے ہیں۔"

نوجوان نے خبر سنائی۔ "پاکستان سے ایک منگیتر صاحب تشریف لائے ہیں۔"

ایک لڑکی نے پوچھا۔ "منگیتر؟"

دوسری نے کہا۔ "کس کا منگیتر؟"

"سلطانہ کا اور کس کا؟ میں ابھی اسے دیکھ کر آ رہا ہوں۔ بس دیکھنے کی چیز ہے۔ ہمارے لیے خوب تماشا رہے گا۔ جب تک رہے گا' ہم انجوائے کریں گے۔"

ایک نے پوچھا۔ "مگر یہ کیسے ہو گیا؟ سلطانہ کا مزاج تو آسمانی ہے اور وہ زمینی ہو گا۔ بھلا آسمان اور زمین کبھی ایک ہوتے ہیں؟"

اتنے میں سلطانہ اپنے منگیتر کے ساتھ پہنچ گئی۔ سب اس نوجوان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ سلطانہ نے کہا۔ "ہیلو ایوری باڈی۔ یہ مسٹر حشمت ہیں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر منگنی کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔ "میرے والدین نے مجھے اچانک ہی ان سے انگیج کر دیا ہے۔"

لڑکے، لڑکیوں نے کہا۔ "یعنی کہ ارینجڈ میرج؟ تم نے کیسے تسلیم کرلیا؟"

"میں والدین کی نصیحتوں کے مطابق خود کو حشمت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ویسے آخری فیصلہ میرا ہی ہوگا۔ جبریہ شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں حشمت؟"

"جی، جی ہاں۔" حشمت نے اٹکتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا دل جیتنے کی کوشش کروں گا۔"

سلطانہ نے کہا۔ "تمہاری زبان کوئی خاک نہیں سمجھے گا۔ یہی بات انگریزی میں بولو۔"

وہ نئے اور اجنبی ماحول میں بدحواس سا ہو گیا تھا۔ کچھ احمق سا لگ رہا تھا۔ ایک لڑکی نے پوچھا۔ "مسٹر کا نام کیا بتایا؟"

ایک لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "حشمت۔"

دوسری نے کہا۔ "ہش مت۔"

سوئمنگ پول کی بلندی سے کنول رانی نے مارٹن کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "ہائے سلطانہ! تمہارا انتخاب دیکھ کر ہم ڈوبنے جا رہے ہیں۔"

یہ کہتے ہی اس نے مارٹن کے ساتھ چھلانگ لگائی۔ پھر حوض کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔

سلطانہ نے حشمت کو یوں دیکھا جیسے ایک کمتر چیز اٹھا لائی ہو۔ پھر اس نے اپنی کہنی سے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی تم میرا دل جیتنے کی بات کہہ رہے تھے۔ سب کے سامنے انگریزی میں بولو۔"

اس نے جھجکتے ہوئے سب کو دیکھا پھر سلطانہ سے کہا۔ "آ.......... آئی.......... میرا مطلب ہے۔ آئی ول ٹرائی ٹو ون یور ہارٹ۔"

سب ہنسنے لگے۔ سلطانہ نے سبکی محسوس کرتے ہوئے غصے سے پوچھا۔ "یہ کوئی لینگویج ہے۔ بچوں کی طرح انگریزی بول کر جوان لڑکی کا دل جیتنا چاہتے ہو۔"

پھر اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "جو مجھے جیتنے والی بات خوبصورت انداز میں کہے

گا۔ میں سومنگ پول میں اس کی پارٹنر بن جاؤں گی۔"

ایک انگریز جوان نے آگے بڑھ کر اپنے سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر عاشقانہ انداز میں کہا۔ "اوہ مائی لیڈی' آئی شیل کنکر دی۔"

سب تالیاں بجانے لگے۔ "واہ' انداز بیان میں کیا شعریت ہے۔" سلطانہ اس جوان کا ہاتھ تھام کر ہنستے ہوئے' دوڑتے ہوئے گرین روم کی طرف جانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد ہی پیراکی کے مختصر سے لباس میں آئی۔ حشمت کا چہرہ یوں زرد پڑ گیا جیسے اس کا تمام خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ سلطانہ اپنے ساتھی کے ساتھ دوڑتے ہوئے کنارے تک گئی پھر اس نے پول میں چھلانگ لگا دی۔ حشمت نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ دوسری طرف لیلیٰ نظر آئی۔ لیلیٰ نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں یہاں کے طور طریقے عجیب لگ رہے ہوں گے اور قابل اعتراض بھی۔"

حشمت نے پوچھا۔ "کیا یہ قابل اعتراض نہیں ہے کہ میری منگیتر دوسرے کے ساتھ............"

اس نے کہنے کے دوران سومنگ پول کی جانب دیکھا پھر فوراً ہی منہ پھیر لیا۔ بے بسی سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "پاکستان سے آنے والے ہم پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ نہیں سوچتے کہ ہم یہاں کی پیداوار ہیں۔"

حشمت نے پوچھا۔ "کیا تمہیں زکام ہو گیا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر ان کے ساتھ تیرنے سے پرہیز کیوں کر رہی ہو؟"

"میں تماشا بننا نہیں چاہتی۔"

"یعنی یہاں کے ماحول اور طور طریقوں کو پسند بھی کرتی ہو اور محتاط بھی رہتی ہو۔"

"محتاط صرف اس لیے ہوں کہ والدین کا دل دکھانا نہیں چاہتی۔"

"تم بہت اچھی ہو' کیا میں تمہیں بہن کہہ سکتا ہوں؟"

لیلیٰ نے حیرانی سے کہا۔ "تم مجھے بہن، کیوں کہو گے؟"

"تعجب ہے، تم سوال کر رہی ہو۔ یہ کوئی اعتراض کی بات تو نہیں ہے۔ اس طرح ہمارے درمیان ایک مقدس رشتہ قائم ہو گا۔"

"کیا دوستی میں تقدس قائم نہیں رہتا؟ مسٹر حشمت! تمہارے یہاں بہت سی بارڈر لائن کھینچ دی جاتی ہیں۔ تم لوگوں کو بچپن سے سمجھا دیا جاتا ہے کہ کسی لڑکی کو بہن بنائے بغیر اس لائن کو پار کر کے اس سے باتیں کرو گے یا کچھ وقت گزارو گے تو تقدس باقی نہیں رہے گا۔"

حشمت نے کہا۔ "مختلف رشتے مختلف جذبوں سے قائم رہتے ہیں۔"

"لیکن ہر رشتے میں دوستی لازمی ہے۔ دوستی کے بغیر محبت ہو نہیں سکتی۔ ہمارے ہاں باپ بیٹے کا دوست ہوتا ہے، ماں بیٹی کی سہیلی بن کر اس کی پرابلم کو سمجھتی ہے مگر تمہارے یہاں کے والدین اپنی اولاد پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کیا تم بھروسہ کرتے ہو؟"

"کس پر؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"مجھ پر۔ میں پوچھتی ہوں، اگر تم میرے ساتھ کسی پارک یا گارڈن میں جاؤ گے تو کیا انسان سے شیطان بن جاؤ گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"کیا میں تمہیں بہکاؤں گی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کہہ دو کہ بہکاؤں گی۔ کیا تم بہک جاؤ گے؟"

"کبھی نہیں۔"

"جب تمہیں خود پر اعتماد ہے تو مجھے بہن کیوں کہتے ہو۔ دوست کہو۔ دوست اسے کہتے ہیں جو عورت کی عزت و آبرو کو بھی دوست رکھتا ہے۔ اس پر آنچ نہیں آنے دیتا۔"

سلطانہ پانی سے نکل آئی۔ سر کے بال پلاسٹک کیپ میں چھپے ہوئے تھے۔ باقی جسم اور لباس تربتر تھا۔ وہ بھیگے پاؤں سے نقش قدم بناتی آئی پھر حشمت کے ایک بازو میں اپنا بازو پروتے ہوئے بولی۔ "سوری لیلیٰ! مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ ہماری سوسائٹی تمہارا

بائیکاٹ کر رہی ہے۔"

حشمت نے حیرانی سے پوچھا۔ "ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟"

لیلیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاکستان میں کسی کا حقہ پانی اس لیے بند کیا جاتا ہے کہ وہ تمہارے ہاں کے دستور پر نہیں چلتا۔ میں ان کے دستور کے مطابق ایسا لباس پہن کر تماشا نہیں بننا چاہتی' اس لیے میرا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے۔"

جارج نے سوئمنگ پول کے پانی سے ابھر کر تیرتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ! یہ میری فور کاسٹ ہے۔ لندن کی کوئی سوسائٹی تمہیں قبول نہیں کرے گی۔"

وہ تیرتا جا رہا تھا۔ لیلیٰ پول کے کنارے اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "سوسائٹی ہمیں نہیں بناتی' ہم سوسائٹی کو بناتے ہیں۔ میں یہاں سے جاؤں گی تو ایک نئی دنیا آباد کر لوں گی۔"

کنول رانی پانی سے ابھری۔ اس کے ساتھی مارٹن نے کہا۔ "سنا تم نے' کولمبس کی بیٹی نئی دنیا دریافت کرے گی۔"

کنول پانی میں ڈوب گئی پھر ابھر کر بولی۔ "اسے نئی دنیا میں کوئی پاکستانی یا ہندوستانی مل سکتا ہے۔ یہاں کوئی لائف پارٹنر نہیں ملے گا۔"

لیلیٰ کنارے کنارے چل کر بولی۔ "میرا لائف پارٹنر مجھے اسی شہر میں ملے گا۔ میں سلطانہ اور پدمنی کی طرح بزدل نہیں ہوں کہ ماں باپ نے لڑکا پسند کیا اور سر جھکا کر شادی کر لی۔"

ریٹا پول کے کنارے سن باتھ کے لیے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے کہا۔ "قینچی کی طرح زبان چلا رہی ہو۔ بزدل تو تم ہو۔ ماں باپ کے سامنے ان کی مرضی کا لباس پہنتی ہو۔ ان کی مرضی سے شادی بھی کرو گی۔ ہمارا دعوی ہے' تم کسی پاکستانی لڑکے کے پلے باندھی جاؤ گی۔"

لیلیٰ نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "ہرگز نہیں' میں نے پاکستان نہ تو دیکھا ہے' نہ اپنا ملک چھوڑ کر وہاں جانا چاہتی ہوں۔ میری شادی اسی سے ہوگی جو مجھے پسند ہو اور اسی ملک میں پیدا ہوا ہو۔"

حشمت نے اس کے پاس آ کر کہا۔ "تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اپنے پاکستان کو چھوڑ کر یہاں کسی سے شادی کرنا فخر کی بات نہیں ہے۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "کیا تم اپنے یہاں کی لڑکی چھوڑ کر یہاں کسی انگریز لڑکی سے شادی کرنا پسند کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر میں اپنے ہاں کے لڑکے کو چھوڑ کر کسی پاکستانی سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟"

سلطانہ نے حشمت کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھے طعنے دے رہی ہے۔ میں بھی دیکھوں گی' ایسا کون ہیرو ہے جو اس کی زندگی میں مائیکل جیکسن بن کر آئے گا۔"

"آئے گا' ضرور آئے گا۔ میں تمہارے چیلنج کا جواب ضرور دوں گی۔"

لیلیٰ چیلنج کے جواب میں چیلنج کر کے وہاں سے چلی آئی مگر دل ڈوب رہا تھا۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ وہ ماں باپ کو بھی خوش رکھنا چاہتی ہے۔ اپنے ماحول اور مزاج کے مطابق بھی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ ایسے دوہرے متضاد عمل سے نہ تو پاکستانی سوسائٹی میں قدم رکھ سکے گی اور نہ ہی لندن کی سوسائٹی میں اپنا مقام بنا سکے گی۔

کیا اس کا من چاہا نوجوان اسے یہاں مل سکے گا؟

تمام لڑکے اور لڑکیاں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو جارج نے کہا۔ "ایک بات یاد رکھو۔ یہ چیلنج کا جواب ضرور دے گی کیونکہ خوبصورت ہے' اسمارٹ ہے۔ ہمارے جیسے برٹش نوجوان اسے پہلی نظر میں ہی اس لیے پسند کریں گے کہ اس کا حسن مشرقی ہے' انداز مغربی۔"

مارٹن نے اپنی محبوبہ کو محبت سے دیکھا پھر کہا۔ "ہاں جیسے میری کنول رانی ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیلیٰ کنول رانی کی طرح براڈ مائنڈڈ ہے یا نہیں۔ اس کا تو کوئی ہاتھ پکڑنا چاہے تو وہ دور بھاگتی ہے۔ ایسے میں کون اس سے دوستی کرے گا؟"

کنول رانی نے کہا۔ "ایک بات بھول رہے ہو۔ اگر یہ ضد میں آ کر کسی برٹش نوجوان سے شادی کر لے گی تو یہ ہمارے چیلنج کا منہ توڑ جواب ہو گا۔"

ریٹا نے کہا۔ "ہم اسے موقع ہی نہیں دیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اس کے

ماں باپ ہم سے خوش رہیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں لیلیٰ کا بائیکاٹ کرنے کے بعد اس کے ماں باپ سے دوستی کرنی چاہیے اور اس کے خلاف محاذ بنانا چاہیے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "بے شک' اور محاذ آرائی اسی وقت سے شروع ہو گی۔ اس سے پہلے کہ لیلیٰ اپنے گھر پہنچے' ہم ابھی اس کے ماں باپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

ایک لڑکے نے کہا۔ "کم آن' میں کار ڈرائیو کرتا ہوا راکٹ کی طرح لے جاؤں گا۔"

سلطانہ نے انکار میں انگلی ہلا کر کہا۔ "نو نو نو' ہم کار سے بھی پہلے پہنچیں گے۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی کامن سینس استعمال کرو۔ ٹیلی فون کے ذریعے۔"

سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ "ہپ ہپ ہرے۔"

لیلیٰ گھر پہنچی تو رات کی تاریکی پھیل رہی تھی۔ اسے والدین کی طرف سے گھومنے پھرنے' باہر تنہا جانے کی آزادی تھی۔ مغربی ماحول میں مشرقی نوجوان لڑکے اور لڑکیوں پر بہت زیادہ پابندیاں عائد نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ وقت کی پابند تھی۔ اندھیرا ہونے سے پہلے گھر آجاتی تھی تاکہ ماں باپ کی کوئی شکایت نہ رہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا پھر وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگی۔ اسی وقت ماں نے ایک کمرے سے نکلتے ہوئے آواز دی۔

"لیلیٰ! تم کچھ لیٹ ہو گئی ہو۔"

"اوہ امی' میں ٹیکسی میں آئی ہوں۔ راستے میں دوسری ٹیکسی بدلنا پڑی۔ پہلی میں کچھ خرابی ہو گئی تھی۔"

"ذرا ادھر آؤ۔"

وہ زینے سے اتر کر ماں کے قریب آنے لگی۔ ماں نے کہا۔ "تمہارے آنے سے پہلے کوئی ٹیلی فون پر تمہارے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔"

"کون تھا' کیا کہہ رہا تھا؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔ "کوئی پوچھ رہا تھا' ہم مسلمان عورتیں برقع کیوں اوڑھتی ہیں؟ میں نے جواب دیا ہمارے مذہب میں عورتوں کی نمائش ممنوع ہے۔ ویسے تم کون ہو اور یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟ اس سوال کرنے والے نے کہا' میری باتوں کا تعلق آپ کی بیٹی سے ہے۔ میں نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ اس نے جواب دیا۔ آج آپ کی بیٹی نے ملٹی کلر کی میکسی پہنی ہے۔ میکسی تقریباً برقعے کی طرح جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ صرف چہرہ بے نقاب رہتا ہے۔ لیکن آپ بیٹی کو برقع پہنا بھی دیں گی تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ برقعے کے اندر بھی چھپی ہوئی ہوگی۔ جو لباس آپ پسند نہیں کرتی ہیں' ہو سکتا ہے برقع یا میکسی یا شلوار سوٹ اسے چھپالیتا ہو۔ بیٹی! میں اس کی یہ باتیں سن کر پریشان ہو گئی۔ پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے وضاحت طلب کی تو اس نے کہا۔ اگر آپ مسلمانوں کو اس بات پر فخر ہے کہ برقع سب کچھ چھپالیتا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ محض خود فریبی ہے۔ آج کی نسل اپنے بزرگوں کو اور زیادہ خود فریبی میں مبتلا رکھتی ہے۔ یقین نہ ہو تو بیٹی کی میکسی میں جھانک کر دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر اس کی امی چپ ہو گئیں۔ گھور کر اس کی میکسی دیکھنے لگیں۔ وہ ذرا گڑبڑا گئی۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "پھر اس نے کیا کہا؟"

"اور کہنے کے لیے کیا رہ گیا تھا؟ اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ میں اسے مخاطب کرتی رہی مگر پتہ نہیں چلا' وہ کون تھا؟ اتنا تو سمجھ میں آگیا کہ وہ تمہارے جاننے والوں میں سے تھا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "ایسی شرارت کرنے والا اور غلط باتیں کرنے والا مجھ سے چھپا نہیں رہے گا۔ میں اس سے سمجھ لوں گی۔"

"لیلیٰ! تمہیں غصہ کس بات پر آرہا ہے۔ اس کے جھوٹ پر یا سچ پر؟"

"اگر میں کہوں کہ اس کے جھوٹ پر؟"

ماں نے اس کی میکسی کو بدستور گھورتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میں سچ جاننا چاہوں گی۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی۔ "آپ لوگ اولاد پیدا کر کے اس کے جسم کے بھی

مالک بن جاتے ہیں' جان کے مالک بن جاتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ اولاد سوچے تو آپ کی طرح سوچے' کھائے تو آپ کی طرح کھائے' پہنے تو آپ کی طرح پہنے' بولے تو آپ کی طرح بولے۔ حتیٰ کہ موت آئے تو آپ لوگوں کی پرانی تہذیب کے سینی ٹوریم میں سسک سسک کر جان دے دے۔"

وہ غصے سے زینے کی طرف جانے لگی۔ ماں نے پوچھا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

وہ زینے پر چڑھتی ہوئی بولی۔ "اگر آپ کو شبہ ہے کہ بیٹی میکسی کے اندر نمائشی لباس پہنتی ہے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ میکسی ہو' شلوار سوٹ ہو یا برقع ہو' یہ سب کچھ چھپانے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ مجھے سمجھنا چاہتی ہیں تو مجھے کھلی کتاب کی طرح پڑھیے۔ کتاب کو بند رکھیں گی تو اولاد کو کبھی نہیں سمجھ سکیں گی۔"

وہ تیزی سے زینے پر چڑھتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ ماں اسے دیکھتی اور سوچتی ہی رہ گئی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ڈرائنگ روم کے ایک جانب کمرے کا دروازہ کھلا اور حیات مرزا سامنے آئے۔ انہوں نے زینے کے اوپری حصے کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکی گول مٹول جواب دے گی۔ ٹیلی فون پر وہ درست کہہ رہا تھا۔ ہماری اولاد ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔"

"ہم اس لیے بن رہے ہیں کہ شاید اسے بے وقوف بنانے کا موقع دے رہے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"اس کی یہ بات میرے دل کو لگ رہی ہے کہ ہم نے اپنی اولاد کو شاید کھلی کتاب کی طرح نہیں پڑھا ہے۔ میں مانتی ہوں' آپ اولاد سے بہت زیادہ سمجھ دار ہیں لیکن ایک سمجھ دار کے سامنے بھی سمجھنے کو بہت کچھ رہ جاتا ہے۔"

"کیا بیٹی کو سمجھنے کے لیے بھی کچھ رہ گیا ہے؟"

"میں نے کہا نا' بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ میں سوچتی ہوں' جب میں اپنے میکے میں تھی تو وہاں کا دستور کچھ اور تھا۔ بیاہ کر یہاں آئی تو سسرال کا دستور کچھ اور تھا۔ میکے سے

چھوٹنے والی کو سسرال کے دستور کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ لیلیٰ یہاں پیدا ہوئی' یہاں پلی بڑھی۔ یہاں کا ماحول' یہاں کی سوسائٹی اور یہ ملک لیلیٰ کا میکہ ہے۔ اگر یہ بیاہ کر پاکستان چلی جائے گی تو مجھے یقین ہے' ایک عورت کی طرح سمجھوتا کرے گی اور وہاں کے دستور کے مطابق زندگی گزارے گی۔"

"تم درست کہتی ہو۔ یہی ایک راستہ رہ گیا ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا' اسے کچھ عرصے کے لیے پاکستان بھیج دوں گا لیکن مناسب یہ ہے کہ اپنے دوست کے بیٹے کو یہاں بلاؤں۔ شادی یہاں ہوگی۔ یہ یہاں سے رخصت ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ دونوں ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگے۔ ادھر کا ٹیلی فون اوپری منزل میں لیلیٰ کے بیڈروم والے ٹیلی فون سے منسلک تھا۔ ادھر وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ نیچے ٹیلی فون کے ذریعے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کسی کو فون کر رہی تھی۔ اس کے ابو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ جب ڈائلنگ کی آواز ختم ہو گئی تو وہ دبے قدموں قریب آئے پھر آہستگی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ لیلیٰ اپنے بیڈروم سے کہہ رہی تھی۔ "ہیلو' میں جارج سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "جارج نہیں ہے۔ میں اس کا باپ بول رہا ہوں۔"

"انکل! میں لیلیٰ بول رہی ہوں۔ کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"

"اوہ مائی سویٹ بے بی' تم اتنی پیاری بچی ہو کہ تمہیں ایک بار دیکھ کر بھولا نہیں جا سکتا۔ کیا بات ہے' بیٹے؟"

"انکل! میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں' ایشیائی والدین کے بچے' جو یہاں پیدا ہوتے ہیں' یہاں جوان ہوتے ہیں' انہیں کون سی تہذیب کو اپنانا چاہیے؟"

"یہ کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔ بچے ہمیشہ اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کا ماحول گھریلو بھی ہوتا ہے اور سماجی بھی۔ اگر وہ ایشیائی بچے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اپنے والدین کی اچھی نصیحتوں پر عمل کریں۔ بعض اوقات ان کی اچھی نصیحتیں ہماری تہذیب

اور ہمارے یہاں کے طور طریقوں سے مختلف ہوتی ہیں لیکن اچھی بات ہمیشہ اچھی ہوتی ہے لہٰذا یہاں کی تہذیب اور طور طریقوں کو نظرانداز کر کے انہیں اپنا لینا چاہیے تاکہ والدین بھی خوش رہیں اور تمہیں بھی سکون و خوشی ملے۔"

"لیکن انکل! یہاں کی تہذیب اور طور طریقوں میں کیا خامیاں ہیں؟"

"میں سمجھتا ہوں کوئی خامی نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ ایشیائی نقطہ نظر سے ہے۔ لہٰذا ایسی باتوں پر عمل کرو جو دونوں کے لیے بہتر ہوں اور قابل قبول ہوں۔ جہاں اختلافات ہوتے ہیں، وہاں یہ دیکھو کہ مذہبی، اخلاقی اور قانونی حدود کیا ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرو۔ دو طرفہ تہذیبوں کے جھمیلے میں پڑو گی تو ہمیشہ انتشار میں مبتلا رہو گی۔"

"انکل، آپ یقین کریں، میں وہی کرتی آ رہی ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں۔ میں یہاں کی سوسائٹی کے مطابق زندگی گزارتی ہوں۔ جارج اچھی طرح جانتا ہے کہ لیکن ان کے کچھ پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن پر میں عمل نہیں کر سکتی۔ میں ایسے کوئی طور طریقے اختیار نہیں کرنا چاہتی جن کے ذریعے میرے والدین کے دلوں کو ٹھیس پہنچے۔ میں اپنے حقوق کے لیے اپنے ماں باپ سے لڑتی ضرور ہوں مگر ڈرتی بھی ہوں۔ اتنی سمجھ ہے کہ جہاں ڈر نکل جاتا ہے، وہاں آزادی بے لگام ہو جاتی ہے۔"

"بے بی! تم بہت میچور ہو۔"

"مگر انکل! آج آپ کے بیٹے جارج نے اپنے تمام دوستوں کے ساتھ میرا بائیکاٹ کیا ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ دوستی کرنے والوں کے لیے دوستوں کی کمی نہیں ہوتی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جارج یا اس کے کسی ساتھی نے میرے والدین سے فون پر شکایت کی ہے۔ شکایت درست ہے یا غلط لیکن ان کا مقصد میرے والدین کو میرے خلاف بھڑکانا ہے۔"

"اگر جارج نے یا کسی نے بھی ایسا کیا ہے تو یہ انتہائی غلط بات ہے۔ میں جارج کو سمجھاؤں گا۔"

حیات مرزا نے چپکے سے ریسیور فون پر رکھ دیا۔ پھر خوش ہو کر کہنے لگے۔ "ہماری بیٹی بہت لائق ہے۔ بہت ذہین ہے۔ واقعی ہم اسے سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔"

بیگم حیات مرزا نے پوچھا۔ "آخر فون پر کیا بات ہو رہی تھی؟"

"بات کچھ بھی ہو' اصل بات یہ ہے کہ ہماری بیٹی ہمارا دل نہیں دکھانا چاہتی۔ کسی طریقے پر نہیں چلتی جس سے ہماری بدنامی ہو یا ہمیں اس سے کوئی شکایت پیدا ہو۔"

"لیلیٰ کس سے باتیں کر رہی تھی؟"

"کوئی جارج نامی لڑکا ہے۔ اس کے باپ سے باتیں ہو رہی تھیں۔"

زینے کے اوپری حصے سے لیلیٰ کی آواز سنائی دی۔ "اور آپ لوگ یہ گفتگو سن رہے تھے۔"

اس کے والدین نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ وہ کہنے لگی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' آپ میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کیوں کرتے ہیں؟"

حیات مرزا نے اپنی بیگم سے کہا۔ "دیکھو دیکھو' ابھی ہم اس کی تعریفیں کر رہے تھے اور یہ ہے کہ سوال جواب کرنے آگئی ہے۔"

"کیوں' مجھے کوئی سوال نہیں کرنا چاہیے؟ صرف آپ لوگوں کے سوالوں کا جواب دینا چاہیے۔ میں پوچھتی ہوں' آپ کو اپنی اولاد پر بھروسا کیوں نہیں ہے؟ کبھی میں اپنے روم سے باہر جاتی ہوں اور واپس آکر دیکھتی ہوں تو کتابیں الٹ پلٹ ہوتی ہیں۔ آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں میں نے اپنی کتاب میں کسی کا لو لیٹر چھپا کر تو نہیں رکھا ہے۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔ حد سے بڑھ رہی ہو۔"

"اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو یہ میری حد سے بڑھی ہوئی گستاخی ہو گی لیکن ابو! حد صرف اولاد کے لیے نہیں ہوتی' والدین کے لیے بھی ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے بڑھ کر والدین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ چھپ کر ٹیلی فون پر کسی کی گفتگو سنیں یا ہماری لاعلمی میں ہمارے پرسنل معاملات کی چھان بین کریں۔ میں آپ سے درخواست کروں گی کہ بزرگ انصاف کریں اور اپنی اور میری حدیں مقرر کر لیں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ اس کے باپ نے غصے سے دیکھا۔ پھر بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ حد مقرر کرنے کو کہہ رہی ہے۔ اب تو اس کا ہونے والا خدا ہی حد مقرر کرے گا۔ میں آج ہی پاکستان خط لکھتا ہوں۔"

وہ بھی غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ بیگم بڑے
ڈرائنگ روم میں تنہا کھڑی رہ گئی تھیں۔ کبھی اپنے شوہر کو جاتے دیکھ رہی تھیں اور کبھی
زینے کی بلندی کی طرف دیکھتی تھیں جہاں بیٹی نظر نہیں آ رہی تھی مگر اس کے تیور
میں آ رہے تھے۔

☆-------------☆-------------☆
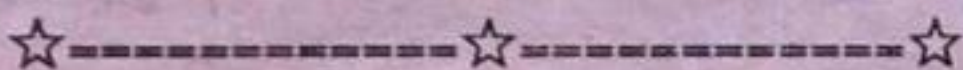
چوہدری مشرف علی اپنی بیگم کے ساتھ شادی کی سالگرہ منا رہے تھے۔ نہایت
پرتکلف پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس پارٹی میں پاکستانی' ہندوستانی' بنگلہ دیشی کے علا
مقامی انگریز معززین بھی تھے لیکن اس پارٹی کی اصل رونق ان کے نوجوان لڑکے ا
لڑکیوں سے تھی۔

لیلیٰ پارٹی میں کبھی نہ آتی۔ وہ جانتی تھی' سلطانہ' ریٹا اور کنول رانی وغیرہ ضر
آئیں گی اور ان کے بوائے فرینڈز بھی آئیں گے۔ گویا ان کا پورا گروپ وہاں مو
ہوگا۔ چوہدری مشرف علی کے دوستانہ تعلقات حیات مرزا سے تھے' وہاں سلطانہ' ریٹا ا
کنول رانی وغیرہ کے والدین بھی تھے اور تو اور جارج بھی اپنے والدین کے ساتھ آیا
تھا۔ لیلیٰ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے والدین کے اصرار پر چلی آئی تھی۔

ہم عمر خواتین اور حضرات نے دو دو' چار چار کی الگ الگ ٹولیاں بنا لی تھیں
آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کبھی ایک ٹولی سے ایک جوڑا نکل کر دوسری ٹولی میں ش
ہو جاتا تھا۔ یوں ایک دوسرے سے کاروباری امور پر یا حالات حاضرہ پر گفتگو کی جا
تھی۔ اسی طرح نوجوانوں نے اپنی اپنی ٹولیاں بنا لی تھیں۔ کوئی لڑکا فارغ نہیں تھا' کسی
کسی لڑکی سے ہنسنے بولنے میں مصروف تھا۔ لیلیٰ اپنی پرانی سوسائٹی سے کترا رہی تھ
جارج' مارٹن' سلطانہ' ریٹا اور کنول رانی وغیرہ کی طرف جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ ا
پیاری سی لڑکی کے پاس آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میرا نام لیلیٰ ہے۔ میں نے پہلی
انکل مشرف کی پارٹی میں تمہیں دیکھا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

لڑکی نے جھجکتے ہوئے اپنی ساری کے آنچل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آمی ت
کورے! انگریجی بولتے پاری نا۔ (میں اچھی طرح انگریزی بول نہیں سکتی۔)

لیلیٰ کو سلطانہ کی ہنسی سنائی دی۔ وہ حشمت کے ساتھ اس کے قریب سے گزرتی
ں کہہ رہی تھی۔ "کسی کے نصیب میں صرف گرل فرینڈ ہوتی ہے' بوائے فرینڈ نہیں
ا۔"

قریب ہی مارٹن' کنول رانی کے جام سے جام ٹکرا کر کہہ رہا تھا۔ "ایک ہفتہ گزر
ہے' چیلنج ابھی تک پورا نہیں ہوا۔"

کنول رانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اخبارات میں
ہارات دیئے جائیں کہ بوائے فرینڈ کی ضرورت ہے۔"

وہ دونوں بھی ہنستے ہوئے اس کے قریب سے گزر گئے۔ دوسری طرف سے ریٹا
نے بوائے فرینڈ سے کہتی ہوئی جا رہی تھی۔ "اگر ایک بیس برس کی لڑکی کسی بچے کو گود
لے لے تو بیس برس کے بعد وہ بچہ جوان ہو کر اس کا بوائے فرینڈ بن سکتا ہے' کیوں
نا فنٹاسٹک آئیڈیا؟"

لیلیٰ ان کے طعنے سن رہی تھی اور ضبط کر رہی تھی۔ اتنے میں موسیقی کی آواز
نے لگی۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ "لیٹ اَس ڈانس اینڈ
ہو از ہوز پارٹنر۔" (ہمیں اب ڈانس کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کون کس کا پارٹنر
؟)

دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی جوڑے ایک دوسرے کے ساتھ رقص کرنے لگے۔ ایک
ر عمر کے شخص نے لیلیٰ کے پاس آ کر کہا۔ "ہیلو لیلیٰ بیٹی! کیسی ہو؟ تمہیں یہاں دیکھ کر
ں ہوئی۔"

لیلیٰ نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی آپ سے مل کر بڑی
ہوئی۔"

"بیٹی! کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ میں بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں' تم دوسروں سے الگ
تمہارا کوئی پارٹنر نہیں ہے اور تم یہ سب کچھ اپنے والدین کی خوشنودی حاصل کرنے
لیے کر رہی ہو۔ کیا ہوا اگر کوئی نوجوان پارٹنر نہیں ہے۔ یہ بوڑھا انکل تو ہے' لیٹ
ڈانس۔"

اس نے لیلیٰ کا ہاتھ تھام لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے ساتھ ڈانس کر رہی تھی۔ جتنے بزرگ قسم کے حضرات تھے' وہ سب موسیقی کی تال سے تال ملا کر تالی بجانے لگے۔

حیات مرزا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اپنی بیٹی کو ایک بوڑھے کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے دیکھا اور وہ ہچکچانے لگے۔ کبھی اپنے میزبان کی طرف اور کبھی مہمانوں کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک لڑکی جوان یا بوڑھے کسی کے ساتھ بھی رقص کر سکتی ہے۔ وہاں کی سوسائٹی کا مزاج تھا۔ وہ بیٹی کو ٹوک نہیں سکتے تھے' آگے بڑھ کر روک نہیں سکتے تھے۔ وہاں کے ہنستے' مہکتے اور گنگناتے ہوئے پروگراموں پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ جب اس ماحول میں آئے تھے تو وہاں کے آداب کا خیال رکھنا بھی لازمی تھا۔

کسی گورے نوجوان کو دوست بنانا لیلیٰ کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ وہ ایک نہیں کئی دوست بنا سکتی تھی۔ اپنی ایک الگ سوسائٹی قائم کر سکتی تھی لیکن وہ جس سے بھی دوستی کرتی وہ اسے کسی تفریح گاہ میں چلنے کے لیے کہتا۔ کسی ریستوران یا ہوٹل میں ضرور لے جاتا۔ پھر کم از کم اس کا ہاتھ ضرور پکڑتا۔ وہاں کی سوسائٹی میں ہاتھ پکڑنا یا ایک دوسرے کے قریب آنا' کچھ برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیلیٰ بھی نہیں سمجھتی تھی لیکن کچھ مشرقی روایات غیر شعوری طور پر اس کے دماغ میں رچ بس گئی تھیں۔ اس لیے وہ چاہتی تھی کہ صرف وہی اس کا ہاتھ پکڑے جو آخری سانس تک اس کا لائف پارٹنر بن کر رہے۔

اس کی تمنا تھی' کوئی ایسا ساتھی ملے جو شادی کے بعد بے شک اپنی ہر ضد منواتا رہے لیکن شادی سے پہلے اپنی کوئی بات نہ منوائے۔ اس کی مانتا رہے۔ ایسا تو وہی ہو سکتا تھا جو اس کا محتاج ہو یا کسی حیثیت میں اس سے کمتر ہو۔ اس کا اتنا طلبگار ہو کہ اس کے ایک ایک اشارے کو سمجھتا رہے اور اس پر عمل کرتا رہے۔

ایک شام وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ٹی وی کا ایک پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اس پروگرام میں بتایا جا رہا تھا کہ فلموں میں ہیرو کی جگہ کس طرح ڈمی کردار استعمال کیے جاتے ہیں۔ اگر ہیرو کسی وجہ سے غیر حاضر ہو' شوٹنگ پر نہ آئے اور شوٹنگ جاری رکھنا ضروری ہو تو کس طرح دوسرے شخص کو ہیرو کی جگہ لا کر کچھ اس طرح شاٹس لیے جاتے ہیں

لم دیکھنے والے اسے ہیرو ہی سمجھتے ہیں۔

وہ ٹی وی اسکرین پر ایسے ڈمی کردار کو دیکھتے دیکھتے چونک گئی۔ اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ کسی خوبرو ڈمی نوجوان کو حاصل کر سکتی ہے۔ آج کی دنیا میں کیا نہیں ملتا۔ پیسہ پھینکو تو ہر چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ دلہن کو بیٹھنے کے لیے کار کرائے پر مل جاتی ہے اور اپنی کار میں بٹھانے کے لیے ایک دولہا بھی کرائے پر مل جاتا ہے۔ اسے اسکورٹ ایجنسی کا خیال آیا۔ وہ فوراً ہی ٹی وی کو آف کر کے بیڈ روم سے باہر آئی۔ اس کے امی اور ابو کہیں گئے ہوئے تھے' وہ آزادی سے فون کے ذریعے کسی سے بھی رابطہ قائم کر سکتی تھی۔ وہ زینے سے اترتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی حالاں کہ بیڈ روم سے فون کر سکتی تھی لیکن ڈرائنگ روم سے اس لیے کرنے جارہی تھی کہ فون پر ہونے والی گفتگو کے دوران اس کے والدین وہاں پہنچ سکتے تھے' اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کھولی' اسکورٹ ایجنسی کا نمبر معلوم کیا پھر نمبر گھمایا' فوراً ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا یہ اسکورٹ ایجنسی ہے؟"

"جی ہاں' حکم دیجیے۔"

"میں آج شام ایک شریف اور معقول نوجوان کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔"

"ہماری ایجنسی میں ہمیشہ شریف اور معقول نوجوان ہی مل سکتے ہیں۔ ہم خوب جانچنے اور پرکھنے کے بعد نوجوانوں کا انتخاب کرتے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے آپ کے ہاں صرف فلم کے ایکسٹرا اور ماڈل مین پائے جاتے ہیں۔"

"اگر آپ کسی غیر معروف نوجوان کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہیں تو اس کا بھی انتظام ہے۔ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ البم میں ان کی تصویریں دیکھیں۔ آپ جسے پسند کریں گی' ہم اس کی ہسٹری شیٹ پیش کر دیں گے' ہر طرح کی ضمانت دیں گے' آپ نہایت اطمینان سے بحفاظت اس کے ساتھ وقت گزار سکتی ہیں۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم ایسے جوانوں کا کرایہ بھی معقول لیتے ہیں تاکہ آپ آئندہ بھی

ہماری خدمات حاصل کر سکیں۔"

"میں ابھی آؤں گی۔ شکریہ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ یہی موقع تھا۔ گیراج میں اس کی سرخ رنگ کی اسپورٹس کار موجود تھی۔ والدین نہیں تھے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئی۔ وہاں اپنے لیے ایک عمدہ سے سوٹ کا انتخاب کیا۔ حسن خداداد میک اپ کا محتاج نہیں ہوتا۔ تاہم اس نے لائٹ میک اپ کیا۔ پھر پرس اٹھا کر کمرے سے باہر جانا چاہتی تھی کہ نیچے گاڑی کی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ فوراً ہی پلٹ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ وہاں سے جھانک کر دیکھا۔ اس کی امی اور ابو کار سے اتر کر کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے۔

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی۔ پھر یک بہ یک اٹھ کر اپنی کتابوں کے پاس گئی۔ وہاں سے لائبریری کی دو کتابیں نکالیں پھر کمرے سے باہر آئی۔ زینے کی بلندی پر پہنچتے ہی اس کے والدین نے اسے دیکھا۔ وہ اطمینان سے اترتے ہوئے ان کی طرف جانے لگی۔ اس کے ابو نے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے کتابوں کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لائبریری۔"

"بعد میں بھی جا سکتی ہو، ہم ایک خوشخبری سنانا چاہتے ہیں۔"

"ابو! خوشخبری ہمیشہ مختصر سی ہوتی ہے، کوئی داستان تو نہیں ہوتی۔ آپ سنائیں میں سنوں گی۔ خوش ہو جاؤں گی پھر لائبریری چلی جاؤں گی۔"

"نہیں بیٹی! خوشخبری ایسی ہے کہ ہم اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔"

"پہلے آپ بتایئے تو سہی کہ بات کیا ہے؟"

اس کے ابو نے اپنی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم بتا دو۔"

"اے واہ! میں کیا بتاؤں۔ اس معاملے میں آپ ہی پیش پیش ہیں۔ آپ بتائیں۔"

حیات مرزا نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر نکٹائی کی گرہ کو درست کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بیٹی بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارے پاس عدنان کی تصویر آگئی ہے۔"

بیٹی نے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "عدنان کی تصویر کا مطلب کیا ہوا؟ کیا یہ کسی مصور کا شاہکار ہے؟"

"اوہ نہیں بیٹی! عدنان میرے دوست کا لڑکا ہے' پاکستان میں رہتا ہے۔ یہ دیکھو اس کی تصویر' ابھی ہم نے پوسٹ بکس کھولا تھا اس میں سے یہ لفافہ برآمد ہوا۔"

انہوں نے جیب سے ایک لفافہ نکالا پھر لفافے میں سے ایک تصویر نکال کر لیلیٰ کی طرف بڑھا دی۔ لیلیٰ نے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "اچھا تو یہ آپ کے دوست کے بیٹے مسٹر عدنان ہیں۔"

"ہاں' تم نے ٹھیک سمجھا۔ اب بتاؤ کیسا لڑکا ہے؟"

"یعنی آپ مجھ سے اس لڑکے کا کیریکٹر پوچھ رہے ہیں جب کہ میں اسے جانتی بھی نہیں۔"

"اوہ تو............ میں پوچھ رہا ہوں' یہ صورت شکل میں' دیکھنے میں کیسا لگ رہا ہے؟"

لیلیٰ اس تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ والدین کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک صاف طور سے پوچھا نہیں ہے مگر پوچھنے ہی والے ہیں۔ اگر وہ ان سے اس معاملے میں الجھے گی اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہوئے ارینجڈ میرج یعنی والدین کی پسند کے مطابق شادی کرنے پر اعتراض کرے گی تو بات بڑھ جائے گی اور وہ یہاں سے نکل نہیں سکے گی۔

اس نے تصویر واپس کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بلیک اینڈ وہائٹ ہے۔ کلرڈ ہوتی تو کچھ سمجھ میں آتا اور میں کچھ کہہ سکتی۔"

اس کے ابو نے کہا۔ "میرے دوست نے خط میں لکھا ہے' سردست یہی تصویر تھی اس لیے بھیج دی۔ جلد ہی اس کی رنگین تصویریں ہمارے پاس پہنچ جائیں گی۔"

"تو پھر اس وقت بات کرلیں گے' ابھی جلدی کیا ہے۔"

اس کی امی نے پوچھا۔ "یعنی کہ ہماری پسند تمہارے لیے قابل اعتراض نہیں ہو گی؟"

"آپ وقت سے پہلے یہ سوال کر رہی ہیں' پلیز مجھے لائبریری جانے دیں۔"

اس کے ابو نے کہا۔ "آج تمہیں ہر جگہ جانے کی اجازت ہے۔ گاڑی بھی لے جاؤ لیکن ہمیں ہماری مرضی کے مطابق جواب دے دو' ہمیں خوش کر دو۔"

اس کی امی نے کہا۔ "جب یہ کہہ رہی ہے کہ اطمینان سے باتیں ہو جائیں گی تو اسے جانے دیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

اس کے ابو نے کار کی چابی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے' گاڑی لے جاؤ۔"

لیلیٰ نے دوسری چابی دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں اسپورٹس کار لے جا رہی ہوں' تھینک یو ابو۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئی۔ گیراج سے سرخ رنگ کی کار نکالی پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے لائبریری تک پہنچ گئی۔ وہ کار سے اتر کر تیزی سے چلتے ہوئے عمارت کے اندر گئی۔ ایک سہیلی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "رجنی! پلیز میرا ایک کام کر دو۔ یہ لائبریری کی کتابیں واپس کر کے ان کے بدلے ایک شیکسپیئر اور دوسری برنارڈ شا کی کتاب لے لو۔ یہ میرا لائبریری کارڈ ہے۔"

اس نے پرس میں سے لائبریری کارڈ نکال کر دیا۔ رجنی نے پوچھا۔ "بات کیا ہے۔ تم بڑی جلدی میں ہو' کیا ڈیٹ پر جا رہی ہو؟"

لیلیٰ نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایسی ہی بات ہے' اپنے ایک بوائے فرینڈ سے ملنے جا رہی ہوں لیکن یہ کتابیں حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔ تم لائبریری میں کب تک بیٹھو گی؟"

"شام تک ضرور ہوں گی' مجھے ضروری اسٹڈی کرنی ہے۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آؤں گی تم بھی اسے دیکھ لینا۔ تم سے کتابیں لے جاؤں گی۔ اور کے جلد ہی آنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ لائبریری ہال سے باہر آئی۔ پھر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ تقریباً چالیس منٹ بعد وہ ایک اسکورٹ ایجنسی کے دفتر میں بیٹھی ایک البم کھول کر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ کسی اچھے' خوبرو' معقول اور شریف نوجوان کا انتخاب کرنا چاہتی تھی۔ ایسے ہی

وقت یاد آیا' ابھی کچھ دیر پہلے اس کے ابو نے اسے ایک تصویر دی تھی تاکہ وہ انتخاب کرے۔ وہ تصویر والا بھی خوبرو تھا' دیکھنے میں بہت اچھا لگ رہا تھا لیکن وہ پاکستانی تھا اور وہ کسی برٹش نوجوان کو اپنا ساتھی بنانے آئی تھی۔

اس نے ایک تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اسکورٹ ایجنٹ سے کہا۔ "میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ایجنٹ نے تصویر کا نمبر پڑھا۔ اس کے مطابق ایک کارڈ نکالا پھر اسے پڑھتے ہوئے کہا۔ "اس کا نام جیری تھامسن ہے' اس کا قد پانچ فٹ چار انچ............"

لیلیٰ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اوہ' نونو۔ میں اس سے ایک انچ زیادہ ہوں۔ یہ مجھ سے میچ نہیں کرے گا۔"

وہ البم لے کر دوسری تصویریں دیکھنے لگی۔ چند اوراق پلٹنے کے بعد اسے پھر ایک تصویر پسند آئی۔ اس نے انگلی رکھ کر کہا۔ "اس کے متعلق معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کے نمبر کے مطابق اسکورٹ ایجنٹ نے ایک کارڈ نکال کر کہا۔ "اس کا نام ایس ہیری سن ہے۔ اس کا قد چھ فٹ ہے۔ انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان بھی جانتا ہے۔ اچھا تعلیم یافتہ ہے اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنے فاضل اخراجات پورے کرنے کے لیے یہاں آ جاتا ہے۔ ہم ہیری سن کے سلسلے میں ہر طرح کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ آپ اس کے ساتھ دو گھنٹے گزار سکتی ہیں۔"

"میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اسکورٹ ایجنٹ نے انٹر کام کا ایک بٹن دبایا اور پھر کہا۔ "نمبر تھرٹی ٹو کو بھیج دو۔"

وہ انتظار کرنے لگی۔ پانچ منٹ بعد دفتری کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نہایت ہی قد آور اور خوبرو نوجوان داخل ہوا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ سفید شرٹ پر بلو اسٹرائپ کی ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ لیلیٰ اسے دیکھتے ہی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ آنے والا بھی اسے یوں حیرانی سے دیکھ رہا تھا جیسے برسوں سے اسے جانتا ہو اور اسکورٹ ایجنسی میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا ہو۔

لیلیٰ نے پرس کھول کر اسکورٹ ایجنٹ کے سامنے دس پونڈ رکھے اور کہا۔ "میں

واپس آ کر حساب کروں گی' آپ کا بہت بہت شکریہ! میں اس نوجوان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔"

اکسورٹ ایجنٹ حیرانی سے کبھی لیلیٰ کو اور کبھی اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا' اس سے پہلے ہی لیلیٰ نے نوجوان کے پاس آ کر کہا۔ "کم آن۔ ہم راستے میں ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں گے۔"

نوجوان سحرزدہ سا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ جانے لگا۔ ایجنٹ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "مس' یہ تھرٹی ٹو نہیں ہے۔"

لیلیٰ نے اپنی جگہ سے پلٹ کر کہا۔ "اگر یہ تھرٹی ٹو نہیں ہے تو وہ نمبر کینسل کر دیں۔ نمبر سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسے میرے نام انگیج کر دیں۔ تھینک یو ویری مچ۔"

وہ اس کے ساتھ باہر آ گئی پھر اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔ "دیکھو مسٹر سب سے پہلے میں یہ سمجھا دوں کہ میں فاصلہ رکھنے کی عادی ہوں' زیادہ فری ہونا پسند نہیں کرتی۔"

وہ ذرا فاصلہ رکھ کر چلتے ہوئے بولا۔ "ایز یو لائک' تمہاری خوشی میری خوشی ہے لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں تمہیں تلاش کر رہا تھا؟"

لیلیٰ چلتے چلتے رک گئی پھر تعجب سے بولی۔ "کیا مطلب؟ کیا تم مجھے تلاش کر رہے تھے؟"

"ہاں۔ تمہارا نام لیلیٰ ہے نا؟"

وہ چونک گئی پھر بولی۔ "تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"میں اب سے پہلے دو بار تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ آج تقدیر تیسری بار تمہارے پاس لے آئی ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"میرا نام جانی پار کر ہے۔ میں موٹر مکینک ہوں۔"

"یعنی تمہارا تعلق اسکورٹ ایجنسی سے نہیں ہے؟"

اس نے کچھ سوچا۔ پھر اسکورٹ ایجنسی کے دفتر کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "پہلے تو

نہیں تھا' اب ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے اور میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔"

"کیا تم جارج کو جانتے ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

"ریٹا کو؟ سلطانہ کو' مارٹن کو؟ کنول رانی کو' کسی کو تو جانتے ہو گے؟"

"میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔"

"پھر میں تمہارے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں' کیا اسکورٹ ایجنسی والے تمہاری ضمانت دے سکتے ہیں؟"

"یہ ایجنسی والے کیا بیچتے ہیں؟ میں فادر جوزف کی ضمانت دلا سکتا ہوں۔ وہ میرے کیریکٹر کو خوب سمجھتے ہیں۔ آج تک میری ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔"

لیلیٰ نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے فادر جوزف کے پاس نہیں جا سکتی۔ نیشنل لائبریری کی طرف جانا بہت ضروری ہے۔ چلو میں تم پر اعتماد کرتی ہوں۔"

وہ کار کی طرف بڑھی پھر چونک کر بولی۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ موٹر مکینک ہو' کیا ڈرائیو کر سکتے ہو؟"

"ضرور کر سکتا ہوں۔"

"اب تک کتنے حادثے کر چکے ہو؟"

"میں محبت سے کار چلاتا ہوں اور محبت سے حادثے نہیں ہوتے' ڈراما ہیں جنم لیتی ہیں۔"

وہ کار کی چابی اسے دیتے ہوئے بولی۔ "باتیں بہت اچھی کرتے ہو۔ میں ایسے ہی ساتھی کی تلاش میں آئی تھی۔"

وہ اسٹیئرنگ سیٹ کی طرف گیا۔ لیلیٰ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جانی نے کار اسٹارٹ کی' اسے آگے بڑھانے لگا۔ لیلیٰ نے پوچھا۔ "تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ اور آج سے پہلے دو بار کہاں دیکھ چکے ہو' مجھے کس طرح جانتے ہو؟"

جانی نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ "دسمبر کی آخری رات تھی۔ تم نیو ایئرز پارٹی میں گئی تھیں۔ تم نے ایک بہت ہی خوبصورت سفید اونی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس لباس میں کوئی آسمانی پری لگ رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے آسمان سے اتر کر سیدھی میری نظروں کے سامنے آئی ہو۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "ہاں' مجھے یاد ہے۔ مائی گڈنس' اس بات کو سات ماہ گزر چکے ہیں۔ کیا تم اس پارٹی میں موجود تھے؟"

"میری اتنی اوقات کہاں ہے۔ میں تو اس کوٹھی کے باہر ایک سائے میں کھڑا تمہیں دیکھ رہا تھا۔ بہت مختصر دیدار ہوا تھا۔ آنکھیں پیاسی رہ گئی تھیں۔ میں اکثر مایوس ہو کر سوچتا تھا' صرف ایک جھلک دیکھی ہے شاید پھر کبھی نہ دیکھ سکوں۔"

"تعجب' ہے تم نے ایک جھلک دیکھی اور مجھے ابھی تک یاد رکھا۔"

"جگنو بار بار چمکتا ہے اور بجھ کر رہ جاتا ہے۔ بجلی ایک بار چمکتی ہے تو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ دل میں ایک لکیر سی چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔"

لیلیٰ نے اسے میٹھی ناراضگی سے دیکھا پھر کہا۔ "آگے بولو۔"

"پہلے میں سوچتا تھا' لڑکیاں تو بس لڑکیاں ہوتی ہیں۔ لوگ کسی ایک کے کیسے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی ایک کو چاہتے رہتے ہیں۔ میرا ایک دوست آسکر تھا۔ میرے بچپن کا ساتھی۔ وہ عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں اس کا مذاق اڑاتا تھا اور اسے محبت سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن آدمی کا اپنے ہی دل پر اختیار نہیں رہتا۔ آخر اس محبت نے اسے مار ڈالا۔"

لیلیٰ نے تجسس سے پوچھا۔ "کیسے مار ڈالا؟ کیا ہوا تھا؟"

وہ آسکر اور بوبی کی داستان سنانے لگا۔ لیلیٰ بڑے انہماک سے سن رہی تھی اور متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ تاثر کا یہ عالم تھا کہ بوبی کی داستان سنتے سنتے وہ خود بوبی کی جگہ پہنچ گئی تھی۔ اب وہ ایک فلاحی ادارے سے نکل کر اپنے کھوئے ہوئے والدین کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس کے والدین کہہ رہے تھے۔ "تم ماں باپ والی ہو اور جانی کے والدین کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں وہ جائز اولاد ہے بھی یا نہیں۔"

وہ جانی کی خاطر اپنے والدین سے لڑ رہی تھی پھر اس نے دیکھا جانی اس سے اچانک

بھڑ گیا ہے' وہ اپنی کوٹھی کی بالکونی میں آہنی جالی سے لگی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ رات
ت سرد ہے' اس نے دو دن سے کچھ کھایا نہیں ہے۔ بھوکی بھی ہے۔ سردی سے ٹھٹھر
ہی ہے لیکن اس کے انتظار میں کمرے کے اندر جانا نہیں چاہتی' نہ ہی ہیٹر کے ذریعے
رارت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اسے ضد ہو گئی ہے کہ وہ جئے گی تو اپنے جانی کے ساتھ'
رے گی تو جانی کے ساتھ۔ پھر صبح ہوتے ہوتے وہ اسی آہنی جالی سے لگی بالکونی کے فرش
بیٹھے بیٹھے مر چکی ہے۔

اور تب اس کے والدین اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئے ہیں۔ اسے
آوازیں دے رہے ہیں۔ پولیس والے بھی آئے ہیں۔ جانی بھی آ گیا ہے لیکن اب وہ
جانی کی بانہوں میں نہیں جا سکتی' کیونکہ وہ مر چکی ہے۔ جانی نے اپنے سلیپنگ بیگ کو
اپنے شانے پر ڈال لیا ہے اور اسے یوں تھپکتے ہوئے لے جا رہا ہے جیسے اپنی محبت کی لاش
اٹھائے جا رہا ہو۔

"لیلیٰ یکبارگی تصور سے چونک گئی۔ ایک دم سے جانی کو یوں دیکھنے لگی جیسے ابھی
محبت کے ایسے مرحلے سے گزر چکی ہو جہاں قربانی دینا لازمی ہو جاتا ہے۔

جانی کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اور اس دن سے میں نے آسکر کو اپنی
بوبی کی لاش اٹھائے ہوئے دیکھا۔ دن ہو یا رات' سوتا ہو یا جاگتا ہو۔ بوبی اس کے حواس
پر' اس کے اعصاب پر چھا گئی تھی۔ وہ سردی میں ٹھٹھرتا ہوا بھوکا رہتا تھا۔ میں کبھی کبھی
جبراً اسے پلا دیتا تھا۔ اگر وہ کھانے سے انکار کرتا تو میں اسے شراب دینے سے انکار کرتا
تھا۔ وہ پینے کی خاطر دو چار لقمے کھا لیا کرتا تھا۔ اس طرح میں نے اسے چند روز زندہ رکھا
لیکن بوبی اسے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ آخر وہ اس کے پاس پہنچ گیا لیکن پہنچنے سے پہلے
میرے دل میں محبت کی آگ بھڑکا دی۔ اس کا ایک فقرہ آج بھی مجھے یاد ہے۔ وہ کہتا تھا۔
'جانی! کسی سے محبت کرو۔ جب تم دم توڑ رہے ہو گے تو اس وقت تمہیں اطمینان ہو گا
کہ تم خالی ہاتھ نہیں ہو۔ تمہارے پاس یادوں کا سرمایہ ہے۔"

لیلیٰ نے ایک سرد آہ بھری۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر ونڈ اسکرین کے پار
دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔ "پھر تم نے کسی سے محبت کی؟"

"ہاں' جب میں نے آسکر کی لاش دیکھی تو مجھے بے اختیار اس کی باتیں یاد آنے لگیں۔ جیسے جیسے وہ باتیں یاد آ رہی تھیں' تمہارا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے روشن ہوتا جا رہا تھا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "کچھ لوگ روشنی کا فریب کھاتے ہیں اور اندھیرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم بہت زیادہ فریب میں مبتلا ہو جاؤ' میں بتا دوں کہ ہمارے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں ایک بہت بڑے باپ کی بیٹی ہوں۔ میرے والدین مشرقی روایات کے حامل ہیں۔"

"تم آسمان ہو لیکن ابھی اسکورٹ ایجنسی کے دفتر میں جھک کر زمین سے مل گئیں۔ اس میں کوئی تو بات ہو گی؟"

"ہاں۔ میری ایک مجبوری ہے کیا تم ایک ڈمی فرینڈ کا رول ادا کر سکتے ہو؟"

"میں تمہیں پا کر کھونا نہیں چاہتا۔ تمہارے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"تم جو رول ادا کرو گے میں اس کا معقول معاوضہ ادا کروں گی۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میرا اسکورٹ ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر وہاں کیوں آئے تھے؟"

"بات اصل میں یہ ہے کہ آج سے ٹھیک ایک ماہ سترہ دن پہلے تمہیں اس گیراج کے سامنے دیکھا' جہاں میں کام کرتا ہوں۔ تم ایک سفید ویگن میں اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ تمہارے تمام ساتھی مختلف گاڑیوں میں تھے' ہنس بول رہے تھے لیکن تم کچھ پریشان نظر آ رہی تھیں۔"

"یہ تم کتنے دن پہلے کی باتیں کر رہی ہو؟"

"ایک ماہ سترہ دن۔"

"تعجب ہے۔ تم نے مجھے جب بھی دیکھا تو دن مہینے اور تاریخ کا بھی حساب رکھا ہے۔"

"فادر جوزف کہتے ہیں' محبت گرتے کو سنبھالنے کا نام ہے۔ میں بہت گرا ہوا تھا' تمہاری محبت میں سنبھلنے لگا۔ انہوں نے نصیحت کی' محبت کو کبھی نہ مارو' نہ محبت میں کبھی

حرام موت مرو۔ یہ جدوجہد کا حوصلہ دیتی ہے' اپنے حقوق کے لیے ہمیشہ لڑتے رہو۔"

میں نے فادر سے پوچھا۔ "میں محبت کیسے کروں؟ میں لیلیٰ کا صرف نام جانتا ہوں' اس کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتا اور کبھی وہ مل جائے گی تو میں اس سے کیا کہوں گا؟ کس طرح باتیں کروں گا؟"

انہوں نے کہا۔ "تم نے کبھی کسی لڑکی سے تنہائی میں گفتگو نہیں کی۔ کسی لڑکی سے وقتی طور پر دوستی کر لو' اس سے باتیں کرو۔ اسے کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔ تم میں حوصلہ پیدا ہو گا تو لیلیٰ سے بھی دو باتیں کر سکو گے۔"

میں ان کے مشورے کے مطابق اسکورٹ ایجنسی کے دفتر میں آیا تھا تاکہ کسی اچھی سی لڑکی کی تصویر دیکھوں اور اسے دو گھنٹے کے لیے دوست بنا لوں۔ ایسے ہی وقت خدا اور تقدیر پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی سے عارضی دوستی کے لیے آؤں گا اور تم مل جاؤ گی۔ صرف ملو گی نہیں بلکہ دوستی بھی کرنا چاہو خواہ دو گھنٹے کے لیے سہی۔"

"میں ہمیشہ تم سے ملتی رہوں گی لیکن ہمارے درمیان ایک فاصلہ قائم رہے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ اب اپنی مجبوری بتاؤ۔"

"میری سہیلیوں اور ساتھیوں نے چیلنج کیا ہے کہ کوئی بھی اچھا' تعلیم یافتہ یا اچھی حیثیت کا برٹش نوجوان کبھی مجھ سے دوستی نہیں کرے گا۔"

جانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ چیلنج کرنے والے انتہائی احمق ہیں۔ بھلا تم سے کوئی دوستی نہ کرے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں اگر تم مسکراتی چلو تو تمہارے پیچھے قافلے بنتے جائیں گے۔"

"اگر میں کسی کو منہ نہ لگاؤں' کسی کو اپنا ہاتھ پکڑنے کا موقع نہ دوں تو؟"

"تم کسی پسماندہ ملک کی دقیانوسی لڑکی سمجھی جاؤ گی۔ یہ بات سمجھ میں آنی چاہیے کہ کسی کا ہاتھ پکڑ لینے سے تقدس پر حرف نہیں آتا۔ اگر کچھ لڑکیاں اور کچھ لڑکے بہک جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری پوری کی پوری تہذیب' ہمارا پورا کا پورا معاشرہ کمزور اور گناہ گار ہے۔ انسان سنبھلنا جانتا ہے' برائیوں سے لڑنا جانتا ہے۔ اسی لیے

تو انسان کی عظمت سامنے آتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے کے افراد سبھی گناہگار نہیں ہیں۔"

"یہی تو میں اپنے والدین سے کہتی ہوں جہاں مشرقی روایات ہیں' تہذیب ہے اور جہاں شرم وحیا کا زیادہ سے زیادہ چرچا ہوتا ہے کیا وہاں بے شرمی نہیں ہوتی؟ کیا وہاں کا معاشرہ گھناؤنا نہیں ہے؟ کیا وہاں کے لوگ اپنے لوگوں کے کرتوتوں اور ان کی بداعمالیوں پر شرمندہ نہیں ہوتے ہیں؟ ان کا محاسبہ نہیں کرتے؟ ایسا تو ہر ملک میں ہوتا ہے' ہر تہذیب میں ہوتا ہے۔ اگر ہر قوم میں' ہر ملک میں کچھ بدکار لوگ ہیں تو کچھ نیکوکار لوگ بھی ہیں اور انہی سے دنیا کی نیک نامی قائم ہے اور یہ نیک نامی صرف ایشیا والوں کی جاگیر نہیں ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے چونک گئی' بولی۔ "اوہ گاڈ! ہم نیشنل لائبریری کے پاس پہنچ رہے ہیں' کار روکو اور میری بات غور سے سنو۔"

اس نے گاڑی روک دی۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میں اپنی ایک سہیلی رجنی سے ملاؤں گی' ہو سکتا ہے' کچھ اور ساتھیوں اور سہیلیوں سے سامنا ہو جائے۔ تم یہی پوز کرنا کہ تم بہت بڑی پوزیشن والے ہو۔ تمہارے والد بڑے کاروباری ہیں۔ تم اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔"

"میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا لیکن تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ تمہارے کام آنے کے لیے ایسا کہہ دوں گا۔"

"اور یہ ظاہر کرنا جیسے مجھ پر بری طرح مر مٹے ہو اور مجھ سے شادی کرنے کی حد تک سنجیدگی سے فیصلہ کر چکے ہو۔"

"اس میں پوز کرنے کی کیا بات ہے' میں تو مرتا ہوں' تم سے شادی کرنے کے لیے مرتا رہوں گا۔ نہ کر سکا تو مٹ جاؤں گا۔"

"میرے لیے مرنا یا جینا تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' میں صرف اپنی ضرورت کی حد تک تم سے دوستی رکھوں گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لائبریری میں پہنچ گئے۔ جانی نے جہاں کار پارک کی' وہاں سامنے

ہی کنول رانی اور مارٹن نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف جارج اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ لیلیٰ نے ایک اور سمت دیکھا' سلطانہ حشمت کے بازو میں اس طرح بازو ڈالے ہوئے تھی' جیسے اس کی لگام پکڑے ہوئے ہو۔ ریٹا بھی اپنے ایک بوائے فرینڈ کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ اسی وقت رجنی تیزی سے چلتی ہوئی آئی' پھر کہنے لگی۔ "اوہ لیلیٰ! بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے صرف کنول رانی کو تمہارے بوائے فرینڈ کے متعلق اطلاع دی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تصدیق کرنے کے لیے پہنچ جائیں گے۔ میں بہت شرمندہ ہوں' مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

لیلیٰ نے اس کے ہاتھوں سے لائبریری کی کتابیں لیتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں' تم نے ایک طرح سے میری مشکل آسان کر دی ہے۔ اب یہ گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں کہ ان کا چیلنج میں کس طرح پورا کر رہی ہوں۔"

جانی نے کار سے نکل کر دروازہ بند کرتے ہوئے چاروں طرف دیکھا' پھر لیلیٰ سے کہا۔ "بھئی تم کہہ رہی تھیں کہ کوئی تم سے دوستی نہیں کر سکتا............ اور میں نے دعویٰ کیا تھا کہ ایک بار مسکراؤ۔ تمہارے پیچھے قافلے بنتے جائیں گے۔ دیکھ لو' یہاں چاروں طرف لڑکے لڑکیاں تمہیں دیکھ رہے ہیں۔"

وہ کار کے ایک طرف گھومتا ہوا اس دروازے کے پاس آیا جہاں لیلیٰ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ درست ہے کہ دیر آید درست آید۔ تم نے دیر سے فیصلہ کیا لیکن میرے حق میں بہتر فیصلہ کیا۔ مجھ سے بہتر نہ تو کوئی دوست ملے گا اور نہ ہی لائف پارٹنر۔"

لیلیٰ اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی۔ "جانی! میں ان چھچھوری لڑکیوں میں سے نہیں ہوں تو ایک آدھ ملاقات میں ہی اپنے بوائے فرینڈ سے فری ہو جاتی ہیں۔"

جانی نے ہنستے ہوئے چاروں طرف دیکھا' پھر کہا۔ "ایسی چھچھوری لڑکیاں راہ چلتے مت مل جاتی ہیں۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "اگر میں شادی کا فیصلہ دیر سے کروں اور شادی سے پہلے تمہیں ریب نہ آنے دوں' تمہارے ساتھ ڈانس کرنے سے انکار کروں تو کیا مجھے بیک ورڈ سمجھ

کر ساتھ چھوڑ دو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔ میری محبت جس طرح آزمائے گی۔ آزمائش میں پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

"جانی! آئی لو یور مینرز۔ کم آن لیٹ اَس گو آن لانگ ڈرائیو۔ رجنی کا بہت بہت شکریہ۔ اس نے میری کتابیں تبدیل کرا دیں۔ اب ہمارا یہاں کیا کام۔ چلو۔"

وہ پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ لیلیٰ نے رجنی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر فخریہ انداز میں تمام پرانی سہیلیوں اور پرانے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی۔ اتنے میں گاڑی اسٹارٹ ہو کر ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ پھر ایک ٹرن لے کر راستے پر لگ گئی۔ نیشنل لائبریری سے ذرا دور جانے کے بعد لیلیٰ نے کہا۔ "وہ سب تلملا رہے ہوں گے۔"

جانی نے کہا۔ "ان کے چہروں سے پتہ چل رہا تھا' انہیں تمہارے اس بوائے فرینڈ کی توقع نہیں تھی۔"

"یہ تو ہو گیا لیکن اب وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے' تمہارے متعلق چھان بین کریں گے۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم نے فادر جوزف اور ایک فلاحی ادارے کے رحم وکرم پر زندگی گزاری ہے تو.........؟"

"میں ثابت کر دوں گا کہ میں فادر جوزف کا اپنا بیٹا ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ فادر جوزف تو راہبانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی' پھر بیٹا کہاں سے پیدا ہو گا؟"

"فادر نے راہبانہ زندگی گزارنے سے پہلے ایک شادی کی تھی۔ ان کا ایک بیٹا بھی تھا مگر بیوی اور بچے پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ اس کے بعد ہی انہوں نے چرچ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔"

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"ایک ہاسٹل میں۔"

"میرے دشمن مذاق اڑائیں گے۔ تمہیں کسی شاندار بنگلے میں رہنا چاہیے۔ تمہاری اپنی ایک کار ہونی چاہیے اور کوئی اچھا سا کاروبار کیونکہ ہم کاروباری لوگ ہیں۔

لندن اور اس کے مضافات میں میرے ابو کے نو ہوٹل ہیں۔"

"میں تمہاری خاطر نو سو ہوٹلوں کا مالک بننے کی کوشش کروں گا۔ میں دن رات محنت کروں گا۔ تمہاری سطح تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس میں تو کافی عرصہ لگ جائے گا اور یہ جو پرانی سہیلیاں اور ساتھی ہیں یہ تمہارے بارے میں چھان بین کرنے کے بعد مجھے طعنوں سے چھلنی کرتے رہیں گے۔"

"میں اتنی جلدی دولت مند کیسے بن سکتا ہوں۔ ایسا تو شاید جادو سے بھی نہ ہو۔"

"عقل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ فی الحال کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ تمہاری رئیسانہ زندگی کا بھرم قائم رہے۔ ماروِل اسٹریٹ میں دو بیڈ روم اور ایک ڈرائنگ روم پر مشتمل کاٹج کرائے پر خالی ہے' یہ ہماری ملکیت ہے۔ اسے تم میرے ابو سے کرائے پر حاصل کر سکتے ہو۔"

"وہ تو مہنگا کاٹج ہو گا۔"

"فکر نہ کرو۔ کرایہ میں ادا کیا کروں گی۔"

"تمہارے قریب رہنے کے لیے دن رات محنت کرنے کا عزم کرتا ہوں تو کیا کاٹج کا کرایہ ادا نہیں کر سکتا۔ میں فادر کے ذریعے وہ کاٹج حاصل کر لوں گا۔ کرائے پر ایک کار بھی مل جائے گی۔"

لیلیٰ نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں' کار قسطوں میں خریدی جا سکتی ہے۔ میرے اکاؤنٹ میں چالیس ہزار پاؤنڈ ہیں۔ میں تمہیں دس ہزار پاؤنڈ قرض دے سکتی ہوں۔ تم اس رقم سے کوئی سا بھی کاروبار شروع کر سکتے ہو۔"

"لیلیٰ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ تم مجھے اچھی طرح نہیں جانتیں' میں اتنی بڑی رقم قرض نہیں لوں گا۔"

"تم میرے کام آ رہے ہو۔ میں بھی اپنی ضرورت کی خاطر تمہارے کام آ سکتی ہوں۔ میرے ابو کتنے دولت مند ہیں' یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دس ہزار پاؤنڈ میرے لیے دس پاؤنڈ کے برابر ہیں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ مجھ سے رقم لو اور فوراً ہی کوئی سا کاروبار شروع کرنے کی پلاننگ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھی میرا مذاق

اڑائیں۔"

"میں جان کی بازی لگا دوں گا مگر کسی کو تمہارا مذاق اڑانے کا موقع نہیں دوں گا۔ یہ بتاؤ وہ میرے متعلق کس طرح چھان بین کریں گے؟"

"میں اتنی دیر سے عقب نما آئینے میں دیکھتی جا رہی ہوں، کہیں ان میں سے کسی کی گاڑی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہی ہے لیکن ان کی ایک بھی گاڑی نظر نہیں آ رہی ہے، نہ ہی کوئی جانا پہچانا چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔ شاید وہ مطمئن ہیں کہ تمہارے متعلق اطمینان سے معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

"یہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔ میں دو چار روز میں تمہاری سوسائٹی کے مطابق خود کو ایڈجسٹ کر لوں گا۔"

دوسرے ہی دن اس نے فادر جوزف کے ذریعے وہ کاٹج حاصل کر لیا۔ اس شام لیلیٰ اس کے ساتھ کاٹج میں آئی۔ وہاں کے لیے ضروری سامان خریدا گیا۔ اس کاٹج کو کسی حد تک سجایا گیا پھر تیسرے دن ایک کار قسطوں پر خرید لی گئی۔ فادر جوزف نے لیلیٰ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم پر خدا کی رحمت ہو۔ میں دل کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے دور تک تمہارا اور جانی کا مستقبل نظر آ رہا ہے اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے کامیابی کی طرف جا رہے ہو جہاں میری دعائیں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔"

لیلیٰ جب پہلی بار جانی سے مل کر گھر گئی تو اسے عجیب طرح کی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کیوں خوش تھی؟ خود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس اتنا ہی سمجھ لیا تھا کہ ایک ڈمی فرینڈ مل گیا ہے، کام چل گیا ہے۔ وہ اپنی پرانی سہیلیوں اور ساتھیوں کو بے وقوف بنا رہی ہے اور آئندہ بھی احمق بناتی رہے گی۔

لیکن بات کچھ اور تھی۔ وہ جب کھانے کے لیے بیٹھی تو جانے کیسے کھانے کے دوران وہ یاد آگیا۔ اس کے ساتھ ہی یاد آیا کہ اسنیک بار میں سینڈوچ کھانے کے دوران وہ کس طرح ہنسا رہا تھا، کیسی پُرلطف گفتگو کر رہا تھا۔

اس کی امی نے پوچھا۔ "یہ تم ہاتھ میں لقمہ لے کر کہاں گم گئی ہو؟"

وہ ایک دم سے چونک کر جلدی سے لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے چور نظروں سے

کبھی اپنے ابو کو، کبھی اپنی امی کو دیکھنے لگی۔

رات کو سوتے وقت ایک کروٹ سے دوسری کروٹ بدلتی رہی اور پلاننگ کرتی رہی کہ کس طرح جانی کو اونچی سوسائٹی کے مطابق ایک خاص مقام دلانا چاہیے؟ خواہ وہ مقام جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ رات کے ایک بجے ہوش آیا کہ وہ پلاننگ کرتے کرتے جانی کے متعلق زیادہ سوچتی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' رات کیسے گزری' وہ اس کا حساب نہیں کر سکتی تھی۔

دوسرے دن جب اس نے اکاؤنٹ سے دس ہزار پاؤنڈ جانی کے لیے نکالے تو پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ محض جانی کو ڈمی فرینڈ نہیں سمجھ رہی ہے اور نہ ہی اپنی ضرورت کی خاطر یہ دس ہزار پاؤنڈ داؤ پر لگا رہی ہے بلکہ اسے انجانے پن میں جانی پر اعتماد آ رہا ہے۔

اور جب فادر جوزف نے دعائیں دیں تو وہ دعائیں اس کے دل میں بیٹھ گئیں۔ وہ دعائیں کچھ آرزوؤں میں ڈھل گئیں اور کچھ محبت بھری پریشانیوں میں بدل گئیں۔

وہ جانی سے کچھ فاصلہ رکھتی تھی لیکن زیادہ سے زیادہ بالشت بھر کا فاصلہ ہوتا تھا۔ وہ اگلی سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھتی تھی۔ اگر وہ کار سے اتر کر سڑکوں پر چلتے یا کسی پارک میں چہل قدمی کرتے تو شانہ بشانہ ہوتے۔ کہیں کسی بنچ پر یا گھاس وغیرہ پر بیٹھتے تب بھی ایک دوسرے کے قریب ہی ہوتے۔ ایک رات وہ بستر پر چاروں شانے چت لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی۔ سرہانے رکھے ہوئے گلدان کے پھول مہک رہے تھے' اچانک وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ہوا کے جھونکے سے پھولوں کی خوشبو نہیں آئی' جانی کے وجود کی مہک آئی تھی۔

وہ سوچنے لگی۔ "یہ کیسی مہک ہے' میں تو فاصلہ رکھتی ہوں۔ پھر اس کا پسینہ میرے احساس میں کیسے مہک رہا ہے؟"

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں' چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ گھبرا کر پلنگ سے اتر گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے بیڈ روم کے باہر آئی۔ فریج کے پاس آکر اسے کھولا۔ ایک پلیٹ اور چمچ لے کر آئس کریم نکالی' پھر اسے کھانے لگی۔ اب اس کا تن تر ہو رہا تھا اور سینے میں ٹھنڈک پہنچ رہی تھی۔

ایک بار یوں ہوا کہ جانی کے ساتھ چلتے چلتے ذرا ڈگمگا گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی، جانی نے سنبھال لیا۔ اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ چند لمحوں تک نظریں جھکائے رہی۔ پھر چور نظروں سے اس نے اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں دیکھا۔ نظریں اٹھا کر اسے بھی دیکھا۔ وہ اچھا لگا۔ اس کا ہاتھ تھام لینا بھی اچھا لگا۔ یوں بھی کسی نہ کسی کو یہ ہاتھ دینا ہی تھا۔ شاید اسے ہی دیتی۔

دل کا آئینہ پہلے دھندلا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس آئینے میں اس کا آئیڈیل وہی ہے لیکن یقین نہیں تھا۔ اس روز آئینہ صاف ہو گیا۔ دھند چھٹ گئی۔ اس کا آئیڈیل جانی کے روپ میں بالکل واضح ہو چکا تھا۔

اس رات بھی وہ سونے کے لیے گئی تو جانتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح نیند نہیں آئے گی۔ حالانکہ بات صاف ہو گئی تھی۔ جانی دل میں اتر گیا لیکن معاملہ اور پیچیدہ ہو گیا تھا، اب تو وہ رات رات بھر اسے خیالوں میں ستانے والا تھا۔ وہ معمول کے مطابق فریج کے پاس گئی، آئس کریم نکالی، اسے کھایا۔ کلیجے کو ٹھنڈا کیا پھر نیند کی ایک گولی کھا کر سو گئی۔

دوسرے دن وہ بن سنور کر اپنے کمرے سے نکلی۔ زینے سے اترتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچی پھر آگے بڑھنے سے پہلے ہی ٹھٹک گئی۔ ڈرائنگ روم کی دو طرفہ دیواروں پر بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ کسی نوجوان کی رنگین تصویریں تھیں۔ اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "بیٹی! یہ عدنان ہے۔"

"اگر عدنان ہے تو یہ اتنی بڑی بڑی تصویریں کیوں لگائی گئی ہیں؟"

اس بار اس کے ابو کی آواز سنائی دی۔ وہ بھی کمرے سے نکل کر اس کی طرف آتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "تم نے شکایت کی تھی کہ تصویر بلیک اینڈ وہائٹ ہے۔ رنگین ہوتی تو اپنے خیالات پیش کر سکتیں۔ اب تمہارے چاروں طرف رنگین اور بڑی بڑی تصویریں ہیں۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، ایک نظر میں اپنا فیصلہ سنا سکتی ہو۔"

"میں دیکھے بغیر بھی فیصلہ سنا سکتی ہوں اور سنا رہی ہوں۔ میں نے اپنے لیے ایک

جیون ساتھی تلاش کرلیا ہے۔"

ماں نے گھبرا کر پوچھا۔ "جیون ساتھی؟"

"ہاں' ابھی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی میں نے شادی نہیں کی۔ پہلے میں آپ کا اور ابو کا تعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔"

اس کے ابو نے غصے سے کہا۔ "تم ہم پر کیچڑ اچھال رہی ہو اور توقع یہ کرتی ہو کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ آج کتنے دنوں سے تمہارے خلاف فون پر فون آرہے ہیں۔ ہم اب تک اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ جو گمنام لڑکے اور لڑکیاں تمہارے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ وہ محض ہمیں پریشان کرنے کے لیے ہے ورنہ ہم نے چپکے سے تمہارا جو فون سنا تھا' اس سے ہمارا اعتماد بحال ہو گیا تھا کہ تم ہمیں دھوکا نہیں دو گی' ہمارا دل نہیں دکھاؤ گی.......... اور آج دل دکھانے کی بات کر رہی ہو۔ کیا یہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق فون پر ہمیں بار بار کہا جا رہا ہے۔"

"وہ جانی پار کر ہے۔"

"ٹو ہیل ود یو۔ تم ایک غیر مسلم سے شادی کرنا چاہتی ہو' اسے جیون ساتھی بنانا چاہتی ہو.......... اور سمجھتی ہو کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"ابو! میں اس ملک میں پیدا ہوئی ہوں۔ یہاں کا قانون میری عمر کے مطابق مجھے آزادی دیتا ہے اور آپ لوگوں کو پابندیوں میں رکھتا ہے۔ میں جب چاہوں' جانی پار کر سے شادی کر سکتی ہوں۔ آپ میرا راستہ نہیں روک سکیں گے لیکن ابھی میں نے شادی نہیں کی ہے۔ میں کہہ چکی ہوں' آپ لوگوں سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہمارے سوچنے سمجھنے کے لیے بہت وقت ہے' آپ کے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ ہو سکتا ہے' میں غلطی پر ہوں یا ہو سکتا ہے کہ آپ دونوں غلطی پر ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ اپنی کار کے پاس آئی' اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی پھر اسے اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کوٹھی کے احاطے سے نکل گئی۔ راستے میں اس نے سوچا۔ "میں نے یہ بات غلط کہہ دی کہ ہم میں سے کوئی غلطی پر ہے۔ میں بھلا غلطی پر کیسے ہو سکتی ہوں؟"

پھر اس کے دماغ میں دوسری بات پیدا ہوئی' کیوں غلطی نہیں کر سکتی' بہت کم لوگ جان بوجھ کر غلطیاں کرتے ہیں' لیکن اکثر غلطیاں انجانے میں سرزد ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے بھی سرزد ہو رہی ہوں۔

"میں یہ کیا سوچ رہی ہوں۔ جانی میرا پیار ہے' میرا سب کچھ ہے۔ وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے' آخر اس میں کس بات کی کمی ہے' خوبرو ہے' اسمارٹ ہے' گفتگو کا انداز انتہائی دلکش ہے۔ میرے لیے دن رات محنت کر رہا ہے۔ میں نے اسے دس ہزار پاؤنڈ دیے تھے اور وہ ایک کامیاب بزنس مین کی طرح اس شہر کی کتنی ہی دکانوں میں موٹر پارٹس سپلائی کرتا ہے اور اچھا منافع حاصل کرتا ہے آخر اس میں کس بات کی کمی ہے۔"

لیلیٰ کے اندر کوئی بات کھٹک رہی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جلد ہی جانی سے شادی کرنے والی ہے۔ اس نے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا تھا کہ والدین کا تعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرتی رہے گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جانی کا پیار فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچا تھا۔

اس نے گیراج کے سامنے گاڑی روکی۔ جانی نے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا پھر گیراج کے مالک یار کر سے کچھ کہہ کر دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "چلو' میری سیٹ خالی کرو۔"

وہ اسٹیئرنگ کے پاس سے کھسک کر دوسری سیٹ پر چلی آئی۔ جانی نے وہ سیٹ سنبھالی' کار اسٹارٹ کی' اسے کن انکھیوں سے دیکھا پھر کار کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟"

لیلیٰ نے جواب نہیں دیا' چہرے پر آنے والی زلفوں کو پیچھے کرتے ہوئے' گزرتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگی۔ جانی نے پوچھا۔ "کہیں تمہاری پرانی سہیلیاں اور ساتھی پریشان تو نہیں کر رہے' میں سمجھتا ہوں وہ بلائیں ٹل چکی ہیں۔"

"خاک ٹل چکی ہیں.......... ہم اپنی دھن میں لگے رہتے ہیں اور وہ ٹیلی فون کے ذریعے میری امی اور ابو کو پریشان کرتے رہتے ہیں' تمہارے خلاف بولتے رہتے ہیں' آج یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ تم صرف فرینڈ ہی نہیں ہو' لائف پارٹنر بھی بن سکتے

ہو۔"

وہ خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا واقعی؟"

"دانت مت نکالو۔ میں پریشان ہوں۔ میری امی پریشان ہیں' میرے ابو پریشان ہیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بھئی ہم نے محبت کی ہے۔"

"تمہارے لیے کوئی بات نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں وہی پرانے دستور آڑے آتے ہیں یعنی خاندان سے باہر شادی نہیں ہو سکتی لہٰذا تم سے شادی نہیں ہو سکتی۔ تم زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

وہ کچھ مایوس ہو گیا۔ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک پارک میں پہنچ گئے۔ گاڑی سے اتر کر شانہ بشانہ ایک روش پر سے گزرنے لگے۔ وہاں بہت سے رومانٹک جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے' خوش خوش گھوم رہے تھے یا سرگوشیوں میں کچھ کہہ رہے تھے۔ کیا کہہ رہے تھے' کوئی سن نہیں سکتا تھا مگر وہ پُراسرار سرگوشیاں بڑی ہی رومان پرور تھیں۔

وہ دونوں خراماں چلتے ہوئے ایک روش سے دوسری روش پر آ گئے' اچانک ہی جانی نے کہا۔ "وہ دیکھو سلطانہ۔"

لیلیٰ فوراً ہی ادھر دیکھنے لگی' دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "کہاں ہے؟"

جانی نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا پھر دوسرے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو' وہ دور سرخ گلابوں والی کیاری کے پاس ایک لڑکی شلوار سوٹ میں نظر آ رہی ہے۔ اس کا کوئی بوائے فرینڈ بھی ساتھ ہے۔"

اتنی دیر میں وہ شلوار سوٹ والی دوسری طرف گھوم گئی تھی۔ چہرے سے پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔ لیلیٰ نے اپنا سر اُس کے بازو پر ٹیک دیا' پھر کہا۔ "ہم دوسری طرف چلیں گے۔"

وہ دوسری طرف گھوم گئے۔ وہاں دوسرے رومانی جوڑوں کی طرح دو جان ایک

قالب ہو کر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد لیلیٰ نے محبت بھری سرگوشی میں اسے مخاطب کیا۔ "جانی!"

"ہاں۔"

"کیا وہ سچ مچ سلطانہ تھی؟"

وہ چند لمحوں تک چپ رہا پھر اس نے ہولے سے پوچھا۔ "سچ کہوں یا جھوٹ؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "کچھ نہ کہو۔"

پھر وہ دل ہی دل میں بولی۔ "ہاں............ کچھ نہ کہو۔ اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ لمحے سچ ہیں، انہیں محبت کی سچائی سے گزرتے رہنے دو............ اور اگر یہ سچ ہے کہ وہاں سلطانہ موجود تھی تو یہ بھی سچ ہے کہ دشمن جتنا گھیرتے ہیں، محبت کی بانہیں اپنا حلقہ اتنا ہی تنگ کر دیتی ہیں۔ اس حد تک چھپا لیتی ہیں کہ گھیرنے والوں کی نظر نہیں پڑتی۔"

جانی نے محبت کے سحر سے ذرا ابھر کر کہا۔ "کیا تم مجھے اپنا لائف پارٹنر نہیں بناؤ گی؟"

"میں بڑی کشمکش میں ہوں۔ اپنے ابو کا اور اپنی امی کا دل نہیں دکھانا چاہتی۔"

"اور میرا دل؟"

"تمہارا دل بھی نہیں توڑوں گی۔"

"پھر بات کیسے بنے گی؟"

"ابھی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ لیکن میں وعدہ کرتی ہوں، تمہیں جیون ساتھی نہ بنا سکی تو کسی اور کو بھی نہیں بناؤں گی۔"

"اس سے فائدہ کیا ہو گا؟ تمہارے والدین کی بھی ضد پوری نہیں ہو گی۔ تم ان کی مرضی کے مطابق کسی سے شادی نہیں کر سکو گی پھر ہم محبت کرنے والے خالی ہاتھ رہیں گے۔ میرے دوست آسکر نے کہا تھا، آخری وقت محبت کرنے والے کبھی خالی ہاتھ نہیں مرتے۔"

"اس نے درست کہا تھا۔ وہ بوبی کے بغیر جب دم توڑ رہا تھا تو اس کے پاس یادوں کا سرمایہ تھا۔ ہمارے پاس بھی ہو گا۔"

"لیکن اس ضد سے کیا حاصل ہو گا؟"

"کچھ نہیں۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں دو تہذیبوں کے درمیان جکڑی ہوئی ہوں۔ یہاں کا ماحول' یہاں کی تہذیب' ہمیں آزادی سے اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کی اجازت دیتی ہے لیکن میرا بچپن ماں کی گود میں گزرا ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی آواز اپنے ماں باپ کی سنی اور آج تک سنتی آ رہی ہوں۔ شعوری طور پر' یا غیر شعوری طور پر ان سے متاثر ہوں یعنی ان کی تہذیب اور اخلاق کا وہ حصہ متاثر کرتا ہے جہاں بزرگوں کا ادب واحترام نہایت لازمی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے والدین سے لڑتے ہوئے بھی نہیں لڑ سکتی۔ یا پھر اس حد تک اپنے حقوق کے لیے لڑتی ہوں کہ ان کا دل نہ دُکھے۔"

اس نے سر اٹھا کر جانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا حق ہے کہ میں تم سے محبت کروں۔ میرا حق ہے کہ تمہارے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک رہوں۔ یہ میرا حق ہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک نئی دنیا آباد کروں۔ اس سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن میں ایسا کرنے کے لیے اپنے ماں باپ کے ٹوٹے ہوئے دل پر سے نہیں گزروں گی۔"

جانی نے اسے بڑی محبت سے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بہت اچھی ہو۔ آج میرے ماں باپ ہوتے تو میں ان کا بھی اسی طرح احترام کرتا۔ چونکہ والدین سے محروم ہوں۔ اس لیے تمہارے جذبوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ہم ان ہی کے دم قدم سے دنیا میں آئے لہٰذا ہمیں ان کا دل نہیں دُکھانا چاہیے۔"

"اخلاقی حدوں میں رہ کر ان سے ضد کرنا' اپنے حقوق کے لیے لڑنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ جب ہم پیدا ہوتے ہیں' تب ہی سے روتے ہیں' ضد کرتے ہیں۔ تب ماں دودھ پلاتی ہے۔ اب ہم جوان ہیں۔ اب تو ہم اپنی محبت کے لیے لڑ سکتے ہیں۔ یہ لڑائی بڑی محبت سے ہوگی اور ہم بڑی محبت سے انہیں اپنی محبت کا احساس دلائیں گے۔" پھر اس نے اپنا ہاتھ جانی کے ہاتھ میں معاہدے کے طور پر دیتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں' اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہوئے تمہارا دل کبھی نہیں دُکھاؤں گی۔ میں تمہاری

ہوں، تمہاری رہوں گی۔"

اُس روز وہ رات کے نو بجے تک جانی کے ساتھ گھومتی رہی، ہنستی بولتی رہی۔ اب اسے ڈر نہیں تھا پہلے وہ جانی سے ملتی تھی تو اندیشوں میں گھری رہتی تھی۔ کہیں اس کے والدین نہ دیکھ لیں یا اس کے دوست احباب میں سے کوئی یہ بات گھر تک نہ پہنچا دے۔ اب تو بات صاف ہو گئی تھی۔ اس کی سابقہ سہیلیوں اور ساتھیوں نے بار بار فون کے ذریعے شکایتیں کر کے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ ڈر اسی وقت تک رہتا ہے جب تک چوری نہیں کھلتی۔ اب ڈر نہیں رہا تھا۔ وہ رات کے نو بجے جانی سے رخصت ہوئی۔ گھر پہنچتے پہنچتے دس بج گئے۔ اس نے اپنی کار کو گیراج میں چھوڑا پھر کوٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم میں اس کی امی اور ابو بیٹھے تھے۔ ان کے بیٹھنے اور اس کی طرف دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اسی کے منتظر ہوں اور بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہوں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفوں کے درمیان آئی پھر ایک صوفے پر ماں کے قریب سر جھکا کے بیٹھ گئی۔ اس کے ابو نے پوچھا۔ "کیا شرمندگی سے سر جھکا ہوا ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر حیرانی سے دیکھا۔ "کس بات کی شرمندگی؟"

اس کے ابو نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں، شرمندگی بھلا کس بات پر ہو گی۔ یہاں کا ماحول تو یہی سکھاتا ہے کہ رات کو دیر سے گھر آنا چاہیے۔"

"یہاں کا ماحول تو بہت کچھ سکھاتا ہے۔ اگر آپ کو یہ پسند نہیں ہے تو آپ نے اس ماحول میں میری پرورش کیوں کی؟ کیا میں نے کہا تھا؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے پھر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہی مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے پاکستان چھوڑ کر یہاں آ گیا۔ جب تم پیدا ہوئیں، تو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ جوان بھی ہو گی اور یہاں کے رنگ میں رنگ جاؤ گی۔ ہم تو تمہیں بچی سمجھتے تھے، آج تمہارا قد ہم سے اونچا ہو گیا۔ تمہاری آواز ہم سے زیادہ گونجتی ہے اور اس ملک کے قانون تک پہنچتی ہے۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم جوان ہو چکی ہو اور یہاں کے قانون کے مطابق اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتی ہو۔"

انہوں نے بیٹی کی طرف پلٹ کر کہا۔ "جب سے تم یہ کہہ کر گئی ہو، ہماری بھوک

مر گئی ہے۔ شاید ہم راتوں کو سو بھی نہ سکیں۔ یاد رکھو' ہم تمہاری محبت میں بھوکے رہ سکتے ہیں' راتوں کو جاگ سکتے ہیں لیکن یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ تم اپنی قوم اور اپنے مذہب سے باہر کسی سے شادی کرو۔"

"آپ برداشت نہیں کریں گے کیونکہ آپ دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ برطانیہ کے شہری ہیں' اس حکومت کے وفادار ہیں۔ یہاں کے ہر متعلقہ قانون پر عمل کرتے ہیں لیکن جو قانون بیٹی کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے' اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر نہیں کریں گے تو کیا قانون سے لڑنا چاہیں گے؟"

"میں قانون سے نہیں لڑ سکتا۔ میں تم سے بھی نہیں لڑ سکتا۔"

انہوں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اچانک ہی ایک ریوالور نکال لیا۔ لیلیٰ اور اس کی امی سہم کر صوفے سے اٹھ گئیں۔ انہوں نے ریوالور کا رخ لیلیٰ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اور جب آدمی ہارنے لگتا ہے تو اس کے سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ اپنی جان دے دے لیکن جان دینے سے پہلے اس اولاد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے جو ایک مذہب کو میکہ اور دوسرے مذہب کو سسرال بنانا چاہے۔ لیلیٰ! میں بے غیرت نہیں ہوں۔ میں مرنے سے پہلے تمہیں گولی مار دوں گا تاکہ یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔"

اس کی ماں لیلیٰ کے سامنے ڈھال بنتے ہوئے گڑگڑانے لگیں۔ "یہ آپ کو آخر کیا ہو گیا ہے۔ کیا اپنی بیٹی کی جان لیں گے' کیا آپ کا ہاتھ نہیں کانپے گا؟"

"تم ہاتھ کی بات کہہ رہی ہو' ہمارا سارا وجود' ساری زندگی کانپ رہی ہے۔ پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی ہے۔"

"خدا کے لیے اسے جیب میں رکھ لیجئے۔ ہماری بیٹی نادان نہیں ہے۔ ہم اسے سمجھائیں گے' یہ سمجھ جائے گی۔"

حیات مرزا نے ریوالور کا چیمبر دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی خالی ہے............ لیکن............"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر تین گولیاں نکالیں۔ ایک ایک گولی چیمبر کے ایک ایک خانے میں رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "یہ ایک لیلیٰ کے

لیے ہے' دوسری تمہارے لیے اور تیسری میرے لیے۔ آج سے یہ تین گولیاں اس چیمبر میں رہیں گی۔ جس دن مجھے پتہ چلا کہ اس نے اپنے ملک' اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کے خلاف کسی کو جیون ساتھی بنایا ہے تو یہ تینوں گولیاں ہم تینوں کا مقدر بن جائیں گی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ریوالور کو جیب میں رکھ لیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "آپ کو یہ ریوالور استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اب میں بھی اپنا فیصلہ سنا دوں۔ آج کی نسل کو چیلنج کریں گے تو میں مر جاؤں گی۔ یہ کوئی ہٹ دھرمی والی بات نہیں ہے بلکہ میرا جائز حق ہے اور اپنے حق کے لیے کوئی جیتا ہے کوئی مرتا ہے۔"

ماں نے پوچھا۔ "کیا تم جانی سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں' لیکن آپ لوگوں کی رضامندی بھی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کے ابو نے ریوالور والی جیب پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں۔"

"آپ بھی میرا فیصلہ سن لیجیے۔ میں شادی کروں گی تو جانی سے ورنہ یونہی زندگی گزار دوں گی۔ آپ لوگوں کا دل نہیں دکھاؤں گی۔ جانی سے دور رہوں گی مگر اسی کے لیے جیتی رہوں گی' اسی کے لیے مرتی رہوں گی۔"

اس کی امی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا۔ "لیلیٰ کے فیصلے سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ابھی شادی کرنے نہیں جا رہی ہے۔ آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیے۔ ابھی وقت ہے۔ کیوں نہ لیلیٰ' عدنان کے سلسلے میں ہماری تجویز پر بھی غور کرے اور ہم سوچیں کہ کس طرح جانی کو داماد کی حیثیت سے قبول کیا جا سکتا ہے۔"

حیات مرزا نے گرج کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ ہم اسے قبول نہیں کر سکتے۔"

اس کی امی نے کہا۔ "کیوں نہیں کر سکتے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو؟"

اس کے ابو نے چونک کر اپنی بیوی کو پھر اپنی بیٹی کو دیکھا بیٹی نے کہا۔ "محبت اسلام میں بھی ہوتی ہے' عیسائیت میں بھی ہوتی ہے۔"

"جب تم محبت کے مارے جانی کی طرف جا سکتی ہوں تو کیا جانی محبت میں تمہاری طرف نہیں آ سکتا؟"

"میں اس کی طرف جا سکتی ہوں اور وہ میری طرف آ سکتا ہے۔ ہمارے لیے یہ
ئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"جب یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ محبت کسی بھی
ہب میں اپنے لیے جگہ بنا لیتی ہے تو جانی سے کہو وہ ہمارے مذہب میں اپنے لیے جگہ بنا
لے پھر ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ابو! میں کہہ چکی ہوں' یہ ہمارے لیے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ جانی میرے لیے
ن دے سکتا ہے۔ مجھے اپنا بنانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں ابھی اس سے فون پر
ت کر کے ابھی آپ کو فیصلہ سناتی ہوں۔"

وہ ٹیلی فون کی طرف آئی۔ پھر رک کر ماں باپ کو دیکھنے لگی۔ اس کے ابو نے کہا۔
ہم اپنے کمرے کی طرف جا رہے ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں' فون پر ہونے والی گفتگو نہیں
یں گے۔"

وہ وہاں سے چلے گئے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ ذرا دیر بعد ہی رابطہ
ئم ہو گیا۔ دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے کہا۔ "میں جانی پار کر سے بات کرنا چاہتی
ں۔ میرا نام لیلیٰ ہے۔"

اس سے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے خلا میں تکتی رہی۔
نی کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "لیلیٰ! کیا یہ تم ہو.......... مجھے یقین نہیں
رہا ہے۔ ابھی میرے پاس سے گئی ہو۔ ابھی فون کر رہی ہو۔ خیریت تو ہے؟"

"کچھ سنو گے نہیں۔ بولتے ہی جاؤ گے۔"

"اچھا بولو' میں سن رہا ہوں۔"

"ابھی میں اپنے والدین سے بات کر رہی تھی۔ محبت ہمارے لیے پرابلم نہیں ہے
ر ہمارے والدین کے لیے بن گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں جب میں محبت میں جانی کی طرف جا
تی ہوں تو کیا جانی میری طرف نہیں آ سکتا۔"

"کیوں نہیں آ سکتا۔ کہو تو ابھی چلا آؤں۔"

"ہاں' چلے آؤ۔ تم میرے والدین کی ایک شرط مان کر ابھی ان سے میرا ہاتھ مانگ

سکتے ہو۔"

"کون سی شرط؟ ذرا پہلے سے بتا دو تا کہ میں تیار ہو کر آؤں۔"

"میرے والدین نے محبت میں مذہب کا سوال اٹھایا ہے۔ میں نے ان سے کہا' محبت ہر مذہب میں ہوتی ہے اور ایک مذہب کی سرحد کو پار کر کے دوسرے مذہب میں بھی داخل ہو جاتی ہے۔"

"ویری گڈ' تم نے بالکل درست کہا۔"

"میرے ابو کہتے ہیں' اگر ہمیں اپنی محبت پر اتنا یقین ہے اور ہم ایک دوسرے کے لیے قربانیاں دے سکتے ہیں تو کیا جانی ہمارے مذہب میں داخل ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا' یہ ہمارے لیے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ جانی ابھی اپنا فیصلہ سنا دے گا۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ لیلیٰ نے پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ کہتے کیوں نہیں؟ محبت کے حق میں فیصلہ سناؤ گے نا؟"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔ انتظار کرو۔"

لیلیٰ نے ریسیور رکھ کر گھڑی دیکھی۔ دس بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ پھر گیارہ بج کر بیس منٹ ہو گئے۔ باہر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ جانی اپنی کار کو لاک کرنے کے بعد کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس کے پاس دوڑتی ہوئی گئی۔ وہ بھی دوڑتا ہوا آیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھام لیا۔ وہ آہستگی سے بولی۔ "شاید امی اور ابو دیکھ رہے ہیں۔ آؤ اندر چلیں۔"

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ جانی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والدین کہاں ہے؟"

"پہلے ہم کسی نتیجے پر پہنچیں گے پھر انہیں بلائیں گے۔"

"وہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں اپنا مذہب چھوڑ کر تمہارے مذہب میں آ جاؤں؟"

"اس لیے کہ ہمارے مذہب کی لڑکیاں پرائے مذہب میں نہیں بیاہی جاتیں۔"

"لڑکیاں کہیں بھی بیاہی جائیں' وہ شادی کے بعد ماں باپ کو چھوڑ دیتی ہیں حتیٰ کہ

کے دستور کو اور وہاں کے رسم ورواج کو بھی چھوڑ دیتی ہیں اور سسرال کی ہو جاتی
- لڑکے اپنا گھر نہیں چھوڑتے۔ اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑتے۔ اپنے گھر کے دستور
ں چھوڑتے۔ جب سے مہذب انسان نے شادی کرنے اور عورت کو اپنی ملکیت بنانے
انون بنایا ہے تب سے لڑکیاں ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر شوہر کے گھر آتی رہی ہیں۔ پھر
قانون اور تہذیب کے برعکس مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے کہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر
ری طرف چلا آؤں؟"

"کیا تم میری خاطر ایسا بھی نہیں کر سکتے؟"

"میں تمہاری خاطر جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"بعض اوقات جان دینا بہت آسان ہوتا ہے اور ایک چھوٹی سی شرط پوری کرنا ہو
ان نکلنے لگتی ہے۔"

"تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ آج ہی تم نے مجھ سے کہا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کا دل
ں دکھانا چاہتیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں' بزرگوں کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ فادر
ف نے مجھے بچپن میں پالا پوسا اور جوان کیا۔ میں ایک عام عیسائی ہوں۔ اپنے مذہب
متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ اسی طرح تم ایک عام سی مسلمان لڑکی ہو۔ تم بھی اپنے
ب کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی ہوگی۔ مذہب ہم دونوں کے لیے پرابلم نہیں ہے۔
عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر سکتا ہوں لیکن فادر جوزف کا دل ٹوٹ جائے گا اور دل
کر ایمان قبول کرنے سے آدمی ایمان والا نہیں ہو جاتا بلکہ کافر سے بدتر ہو جاتا ہے۔"

حیات مرزا کی آواز سنائی دی۔ "برخوردار! بڑی پتے دار باتیں کر رہے ہو۔"
اس نے گھوم کر ان کی طرف دیکھا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "یہ میری امی ہیں اور یہ میرے
"

جانی نے پہلے اس کے ابو سے مصافحہ کیا۔ پھر اس کی امی سے مصافحہ کرنا چاہتا تھا' وہ
اٹھا کر بولیں۔ "بیٹے خوش رہو۔" اس کے ابو نے کہا۔ "بات اتنی سی ہے کہ ہم اپنی
کی شادی ایک مسلمان شریف زادے سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہم نے ایک
بھی تلاش کر لیا ہے۔ لیکن یہاں کے قانون کے مطابق لڑکیاں اپنی پسند سے شادی کرتی

ہیں۔ ماں باپ ان کی پسند کے آگے دیوار نہیں بن سکتے۔ للذا لیلیٰ کسی شریف خاندان کے مسلمان لڑکے کو پسند کرے گی تو ہم اعتراض نہیں کریں گے۔ بائی دی وے تم کہاں رہتے ہو' کیا کرتے ہو' کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

لیلیٰ نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "ابو! یہ اسپئیر پارٹس کا کاروبار کرتے ہیں۔ جو مارول اسٹریٹ میں آپ کا کاٹج ہے' وہ انہوں نے ہی کرائے پر لیا ہے۔"

اس کے ابو نے چونک کر جانی کی طرف دیکھا' پھر کہا۔ "اوہ' یاد آیا۔ کسی فادر جوزف نے وہ کاٹج کرائے پر حاصل کیا تھا۔ گویا یہ سلسلہ بہت پہلے سے چل رہا تھا۔ بہرحال، کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

لیلیٰ نے جانی کو دیکھا' جانی اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "جب میں چار ماہ کا تھا تو ایک ایسے علاقے میں فساد برپا ہو گیا جہاں ایشیائی زیادہ رہتے تھے۔ اس فساد میں، میرے والدین مارے گئے۔ ایک پولیس آفیسر نے مجھے اس مکان کے سامنے سے اٹھایا جہاں مسلمان فیملی رہا کرتی تھی۔ اس نے مجھے فادر جوزف کے حوالے کر دیا۔"

"تم اپنی روداد سنا کر یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم کسی مسلمان فیملی سے تعلق رکھتے ہو؟"

"ہندو' سکھ' عیسائی اور مسلمان کسی بھی فیملی سے میرا تعلق ہو سکتا ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ والدین کے حوالے سے میری شناخت نہیں ہو سکتی لہٰذا میں اپنے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

حیات مرزا نے پھر اپنی بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ان صاحبزادے کے ماں باپ کا پتا نہیں' خاندان کا پتہ نہیں اور ہماری صاحبزادی ان سے عشق فرما رہی ہیں۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا بچے ماں باپ سے بچھڑتے نہیں ہیں؟ وہ پولیس آفسر آج بھی زندہ ہے جو چار ماہ کے جانی کو اٹھا کر فادر جوزف کے پاس لایا تھا۔ جو بچے قابل اعتراض ہوتے ہیں یہاں انہیں پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا جاتا ہے یا پیدا ہونے کے بعد انہیں کسی فلاحی ادارے میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جانی کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

جانی نے درد میں ڈوب کر کہا۔ "میرا آسکر بھی ایسا نہیں تھا لیکن اسے ناجائز ا

وارث سمجھا گیا۔ اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دیا گیا۔"

حیات مرزا نے سخت لہجے میں لیلیٰ سے کہا۔ "لیلیٰ! میں بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ آخری بات وہی ہے کہ اگر جانی ہمارے مذہب میں آجائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ جانی نے کہا۔ "پلیز، ایک منٹ۔ آپ نے فیصلہ سنا دیا۔ میرا فیصلہ بھی سنتے جایئے۔"

وہ رک گئے۔ سوالیہ نظروں سے جانی کو دیکھنے لگے۔ لیلیٰ بھی خوش ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ جانی نے ایک نظر سب پر ڈالی۔ پھر کہا۔ "آپ کہتے ہیں تو میں اسلام قبول کر لیتا ہوں لیکن یہاں کے قانون، یہاں کے ماحول اور یہاں کے مزاج کے مطابق کوئی کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں آپ لوگوں کی پسند کے مطابق مسلمان رہوں گا۔ آپ کہیں گے تو آپ کے طور طریقوں کے مطابق عبادت بھی کروں گا لیکن میری اپنی بھی ایک ذاتی زندگی ہوگی اور ہر شخص کی ایک ذاتی زندگی ہوتی ہے۔ میں مسلمان بننے کے باوجود جب تک زندہ رہوں گا، صلیب کے سائے میں ضرور جاؤں گا۔"

وہ ان کی طرف سے پلٹ کر لیلیٰ کی طرف آیا۔ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا، اس سے پہلے ہی حیات مرزا نے کہا۔ "ہم نے بتوں کو توڑ کر خدا کا گھر بنایا اور تم کہتے ہو، ہمارے مذہب میں آنے کے بعد صنم خانے میں جاؤ گے، تو نہ خدا ہی ملے گا نہ وصال صنم ہوگا۔ نہ ادھر کے رہو گے نہ ادھر کے۔ بہتر ہے، ایک طرف ہو کر فیصلہ سناؤ۔"

اس نے لیلیٰ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کہا۔ "ہم دونوں ایک ایسے دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں میں ایک مذہب کے حق میں فیصلہ نہیں سنا سکتا اور لیلیٰ ایک تہذیب کے حق میں کسی دوسری تہذیب سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ آپ انصاف سے سوچیں۔ لیلیٰ کس ملک میں، کس ماحول میں جنم دیا گیا اور کس طرح اس کی پرورش کی گئی۔ کیا یہ اپنی مشرقی تہذیب کو چھوڑ سکتی ہے؟ آپ کا جواب ہوگا، نہیں۔ کیا یہ ہماری مغربی تہذیب سے منہ موڑ سکتی ہے؟ تب بھی جواب ہوگا نہیں۔ اسی طرح میں کن حالات میں فادر جوزف کے ہاتھوں تک پہنچا، میرا مذہب کیا تھا؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن مجھے فادر کے

مذہب سے پیار ہے کیونکہ فادر کے شفیق ہاتھوں نے میری پرورش کی ہے لیکن میں اسلام کی دہلیز پر بھی دن رات سجدے کرتا رہوں گا کیونکہ میری لیلیٰ مسلمان ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "ابو! جانی نے کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں کی جو سمجھ میں نہ آئے آپ کی سمجھ میں آجانا چاہیے........... میں جانی کو باہر تک چھوڑ کر آرہی ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جانے لگی۔ حیات مرزا نے کہا "جانی! تم نے فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ فیصلے کو بہت زیادہ الجھا کر جا رہے ہو۔"

وہ دونوں دروازے پر رک گئے۔ جانی نے پلٹ کر کہا۔ "ہر شخص کو صرف اپنا مذہب سمجھ میں آتا ہے۔ میرا اور لیلیٰ کا مذہب کیا ہے' یہ نہ پوچھیں۔ بس اتنا سمجھ لیں ہم ایمان والے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ بزرگوں کا دل نہ توڑا جائے۔ لیلیٰ بھی آپ کا دل نہیں توڑے گی اور میں بھی فادر جوزف کو دکھ نہیں پہنچاؤں گا۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔ حیات مرزا نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا "اب عدنان کو جلد ہی بلانا ہو گا۔"

بیگم نے پوچھا۔ "آخر وہاں سے دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"وہی خط میں تو لکھا ہوا ہے' جائیداد کا کچھ جھگڑا ہے' مقدمہ چل رہا ہے۔ وہاں عدنان کی موجودگی لازمی ہے۔ میرے دوست نے لکھا ہے جیسے ہی مقدمہ ختم ہو گا' وہ اپنے بیٹے کو ہمارے پاس بھیج دے گا۔ اب میں کل ہی لکھتا ہوں' مقدمہ گیا جہنم میں' جائیداد ایسی کی تیسی۔ ہمارے ہاں کس بات کی کمی ہے۔ عدنان یہاں آئے گا۔ میرا سارا کاروبار سنبھال لے گا۔"

بیگم نے ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی عدنان کی تصویروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لڑکا اچھا ہے لیکن چال چلن کیسا ہے' اس کی طبیعت' اس کے مزاج اور اس کے طور طریقے کچھ تو ہمیں معلوم ہونے چاہئیں۔"

"سب معلوم ہو جائے گا۔ اسی لیے بلا رہا ہوں۔ ہم بھی اسے اچھی طرح جانچ لیں گے۔ لیلیٰ بھی اسے قریب سے دیکھتی رہے گی تو یقیناً متاثر ہوتی رہے گی۔"

اسی وقت لیلیٰ واپس آگئی۔ حیات مرزا نے اپنی بیگم سے کہا۔ "جاؤ وہ کیسٹ

۔"

وہ اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئی۔ حیات مرزا نے بیٹی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
ہے جانی بہت اچھا لگا۔ اس کی باتیں بھی اچھی لگیں لیکن بیٹی، ہماری مجبوریوں کو سمجھو۔
ں اپنی ذات برادری، اپنے ملک، اپنی قوم اور اپنے مذہب کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔
تم ان باتوں کو سمجھ لوگی، تو میرا خیال ہے جانی کو بھی سمجھا سکوگی۔ اسے کسی ایک
ہونا چاہیے۔ اُدھر یا ادھر۔"

بیگم ایک ویڈیو کیسٹ لے کر آگئیں۔ حیات مرزا نے اس کیسٹ کو لے کر بیٹی کی
بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ پاکستان سے آیا ہے۔ اس میں عدنان نے تمہیں مخاطب کیا
۔"

لیلیٰ نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "ہم نے عدنان کو خط
تھا کہ وہ خط کے ذریعے تم سے تعارف حاصل کرے۔ تمہیں اپنے بارے میں بتائے
تمہارے متعلق خود معلومات حاصل کرے۔"

"اس نے ہمیں لکھ بھیجا ہے کہ خط سے آدھی ملاقات ہوتی ہے اور ویڈیو کے
یے مکمل آمنا سامنا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تمہارے لیے بھیجا ہے۔"

لیلیٰ نے اس کیسٹ کو لے لیا۔ پھر زینے کی طرف جانے لگی، حیات مرزا نے کہا۔
ی بھی فیصلے تک پہنچنے کے لیے فراخدلی بھی لازمی ہوتی ہے۔ ہم نے فراخدلی سے تسلیم
ا کہ جانی بہت اچھا لڑکا ہے۔ اس طرح عدنان ہر اعتبار سے اچھا ہو تو تمہیں بھی
لی کا ثبوت دینا چاہیے۔"

وہ زینے پر چڑھتے چڑھتے رک گئی پھر سر گھما کر بولی۔ "آپ مجھ سے کس فراخدلی
قع کر رہے ہیں؟"

"جانی اگر ہمارا مذہب قبول کر لے تو وہ ہمارا ہے ورنہ عدنان ہمارا ہوگا۔"

لیلیٰ نے سر کو جھکا لیا۔ وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی، کچھ جواب نہ دے سکی۔ پھر
پر چڑھتے ہوئے اپنے بیڈروم میں آگئی۔ اس نے ویڈیو کیسٹ کو دیکھا پھر اسے ایک
پر پھینک دیا، بستر پر آ کر گر پڑی۔ کمرے میں ٹی وی اور وی سی آر سب کچھ موجود

تھا۔ اسے عدنان کو دیکھنا چاہیے تھا لیکن وہ کسی کو نہ تو دیکھنا چاہتی تھی نہ کسی کے متعلق سوچنا چاہتی تھی' نہ کسی کی آواز سننا چاہتی تھی۔

دوسری صبح تک وہ دیر تک سوتی رہی۔ جب آنکھ کھلی تو اس نے ایک انگڑائی لی انگڑائی کے ساتھ جانی یاد آیا۔ وہ ہنستے ہوئے' کروٹ بدلتے ہوئے بستر کے ایک سرے تک گئی۔ ادھر کھڑکی کے شیشوں سے پرے نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ گلدان میں تازہ پھول مہک رہے تھے۔ جانی ایک پھول توڑ کر اس کی طرف آ رہا تھا اور اس کے بالوں میں سجا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بستر پر لوٹتے ہوئے اور کروٹیں بدلتے ہوئے دوسرے سرے پر پہنچی وہاں پہنچتے ہی ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ صوفے پر پڑے ہوئے ویڈیو کیسٹ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ عدنان کی وہ بڑی سی تصویر تصور میں آئی جو ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی تھی وہ مسکرا رہا تھا.......... اور ہاتھ ہلا کر کہہ رہا تھا۔ "ہیلو' ہیئر آئی ویٹنگ فار یو۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تصویر غائب ہو گئی تھی۔ صرف کیسٹ نظر آ رہا تھا اس نے بستر سے اتر کر صوفے کے پاس پہنچ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اٹھایا۔ اسے لے کر بیڈروم سے باہر جانے لگی جیسے عدنان کو اپنے کمرے سے باہر نکال رہی ہو دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ کچھ سوچنے لگی۔ اس کے بعد پلٹ کر پھر کمرے میں آئی۔ اسٹور روم کے دروازے کو کھولا پھر اس کیسٹ کو اندر پھینک دیا۔ وہ کیسٹ فضا میں پرواز کرتا ہوا گیا۔ پھر ایک پرانے سے گدے پر جا کر ٹھہر گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے لباس پر پرفیوم اسپرے کرنے لگی۔ اس نے ذرا پیچھے ہٹ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا گنگناتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ اسی وقت اسے امی کی آواز سنائی دی۔ وہ زینہ چڑھتی ہوئی پوچھ رہی تھیں۔ "بیٹی! کیا تم نے عدنان کو دیکھا؟"

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ پیچھے ہٹ کر ایک بار کمرے کی طرف دیکھا پھر زینے کی طرف دیکھنے لگی۔ ابھی اس کی امی زینے کے نصف حصے میں تھیں۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر دوڑتی ہوئی کمرے کے اندر آئی۔ اس نے اسٹور روم کا دروازہ کھولا پھر اندر پہنچ کر

اُدھر دیکھا۔ پرانے سے گدے پر وہ کیسٹ پڑا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اسے اٹھایا' ایک کپڑے سے صاف کیا۔ پھر اسٹور روم سے باہر آگئی۔ کمرے کے باہر اس کی امی آواز سنائی دی۔ "بیٹی! تم کہاں ہو؟"

"امی جان آجایئے۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ امی اندر آگئیں۔ پھر اس کے ہاتھ میں کیسٹ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔ "اچھا' تو تم نے عدنان کو دیکھ لیا۔"

"اوہ نو' امی مجھے وقت ہی نہیں ملا۔ رات کو بہت تھک گئی تھی۔ بستر پر گرتے ہی سو گئی۔"

"کوئی بات نہیں' ابھی دیکھ سکتی ہو۔"

"مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ میں پھر آ کر دیکھ لوں گی۔"

"کیا ہمیں ٹالنا چاہتی ہو؟"

"نہیں امی' مجھے کل رات آپ کی اور ابو کی باتوں نے بہت متاثر کیا ہے۔ جب ابو فراخدلی کا ثبوت دے رہے ہیں' جانی کی تعریف کر رہے ہیں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔ میں بھی ابو کی طرح فراخدلی کا ثبوت دے سکتی ہوں۔ اگر عدنان اچھا ہو گا تو میں ضرور تعریف کروں گی۔"

"تو پھر دیر کیا ہے؟"

"میں نے کہا نا' میری ایک بہت ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔"

اس نے کیسٹ کو وی سی آر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھیے' اسے میں آپ کے سامنے یہاں رکھ رہی ہوں۔ واپس آتے ہی سب سے پہلے اسے دیکھوں گی۔"

پھر وہ ماں کے پاس آئی۔ ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔ "میری پیاری امی' سچ بتایئے' بائی آپ کو کیسا لگا؟"

وہ ممتا بھری مسکراہٹ سے بولیں۔ "اچھا لڑکا ہے۔"

"صرف اچھا؟"

"بیٹی! دنیا میں خوب سے خوب تر بھی ہیں۔ پہلے عدنان کو دیکھ لو' اس کے بعد

دونوں کے متعلق میری رائے پوچھ لینا۔"

دونوں ماں بیٹی باتیں کرتے ہوئے زینے تک آئیں۔ پھر زینے سے اترتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچیں۔ لیلیٰ اپنی ماں سے رخصت ہو کر باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بیڈ روم میں آئیں۔ وہاں حیات مرزا ایک میز پر جھکے ہوئے خط لکھ رہے تھے۔ پھر سر اٹھا کر بولے۔ "میں نے خط لکھ دیا ہے' میرا یار اسے پڑھتے ہی عدنان کو فوراً ہی بھیج دے گا۔"

وہ خط کو تہہ کرنے لگے۔ پھر چونک کر بولے۔ "ہاں کیا ہوا؟ اس نے عدنان کو دیکھا۔"

وہ سر جھکا کر بولیں۔ "نہیں۔"

"کیا وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ کل رات تھکی ہوئی تھی' سو گئی۔ اس نے وعدہ کیا ہے' ابھی واپس آئے گی ضرور دیکھے گی۔ آج رات تک ہمیں اس کے خیالات معلوم ہو جائیں گے۔"

وہ مایوسی سے بولے۔ "کیا خاک معلوم ہوں گے۔ مجھے معلوم ہے' ابھی جانی کا پلڑا بھاری ہے کیوں کہ وہ لیلیٰ کے سامنے موجود رہتا ہے اور عدنان تو صرف اسکرین پر نظر آئے گا' اس طرح بات نہیں بنے گی۔"

"جس طرح بنے' بنانے کی فوراً کوشش کریں۔"

انہوں نے خط دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہی تو کر رہا ہوں۔ جب رسہ کشی ہو تو دونوں طرف کھینچنے والوں کو موجود رہنا چاہیے۔ ابھی صرف جانی موجود ہے اور ہماری بیٹی ایک ہی طرف کھنچی جا رہی ہے۔"

☆-----------☆-----------☆

دور بہت دور سمندر کے ساحل پر جانی اس کے دوپٹے کو تھام کر اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ لیلیٰ دوپٹے کے دوسرے سرے کو تھام کر اس کی جانب کھنچی جا رہی تھی۔ محبت سے غصہ بھی دکھاتی جا رہی تھی۔ "چھوڑو میرا دوپٹہ' کیوں کھینچ رہے ہو؟"

جانی نے دوپٹے کو چھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ لو۔ کھینچنا ضروری نہیں ہوتا۔ محبت آپ ہی آپ کھینچ لاتی ہے۔"

اس نے بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے جانی کو دیکھا پھر نظریں جھکائیں۔ ہولے ہولے قدم بڑھا کر اس کی طرف یوں جانے لگی جیسے کھنچی جا رہی ہو۔

سمندر کے ساحل پر بڑی رونق تھی۔ جگہ جگہ ملٹی کلر کی چھتریاں نصب تھیں۔ اس کے سائے میں کچھ بوڑھے' کچھ جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ کھا پی رہے تھے اور ہنس بول رہے تھے۔ کتنی ہی حسین عورتیں سوئمنگ ڈریس میں دوڑتی ہوئی سمندر کی طرف جاتی تھیں' لہروں سے الجھتی تھیں اور پھر کسی بڑی لہر کی زد میں آ کر گم ہو جاتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے سمندر برسوں کا بھوکا ہے' حسن کو یکے بعد دیگرے نگلتا جا رہا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز نگلی جا سکے' وہ ہضم بھی کی جا سکے۔ منہ زور لہروں میں گم ہونے والی حسینائیں چند لمحوں میں ابھر کر پھر دوڑتے ہوئے' ہنستے ہوئے ساحل کی طرف آ جاتی تھیں۔ لیلیٰ نے کہا۔ "ہمیں چلنا چاہیے۔ آج مجھے بہت دور لے آئے ہو۔"

"میرا بس چلے تو اور دور لے جاؤں۔ اتنی دور کہ ہمارے پیچھے کوئی نہ آ سکے۔"

"جب تک خیالی گھوڑے دوڑتے ہیں' کوئی پیچھے نہیں لگتا۔ آنکھ کھلتے ہی دنیا پیچھے

لگ جاتی ہے۔ اب چلو' گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو جائے گی۔"

"شام کو ساحل سمندر کا نظارہ اور حسین ہو جاتا ہے۔ دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں۔"

"مجھے ایسی دلچسپیاں نہیں چاہئیں۔ کل دیر سے گھر گئی تھی' امی اور ابو نے کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ ایک دن کی بات تھی۔ ہمیشہ یہی ہو گا تو وہ ناراض ہوں گے۔ خواہ مخواہ بات بڑھانا اچھا نہیں لگتا۔ پلیز چلو۔"

وہ جانے لگی۔ جانی نے راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا' دیکھتی ہو کتنے محبت کرنے والے یہاں نظر آ رہے ہیں اور وہ کتنی محبت سے رخصت ہوتے ہیں۔ کیا ہم یونہی رخصت ہو جائیں گے۔"

وہ ذرا پیچھے ہٹ کر بولی۔ "میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں' ہمارے درمیان ایک فاصلہ رہے گا۔"

"وہ ہماری پہلی ملاقات کی بات تھی۔ اب تو ہم پرانے ہو گئے۔ ہم میں انڈرسٹینڈنگ پیدا ہو گئی ہے۔ ہم ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں' پھر.........."

لیلیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "پھر کے بعد کچھ نہ کہو۔ ورنہ پُھر سے اڑ جاؤں گی۔"

وہ آگے بڑھ گئی' جانی نے اسے حسرت سے دیکھا۔ ایک سرد آہ بھری پھر اس کے پیچھے چلنے لگا۔

وہ شام سے پہلے گھر پہنچ گئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے آس پاس دیکھا' صرف عدنان کی مسکراتی ہوئی تصویریں نظر آئیں۔ اس نے تصویروں سے نظر چراتے ہوئے اپنی امی کو آواز دی۔ ایک آیا نے کہا۔ "صاحب اور میم صاحب ابھی گئے ہیں۔ رات کو دیر سے آئیں گے۔"

وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے' گنگناتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ تصور میں جانی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ ایسے ہی وقت ویڈیو کیسٹ پر نظر گئی۔ وہ اس سے نظریں چرانے لگی' دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ دوسرے ہی لمحے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔ "کیا تم ہمیں ٹال رہی

ہو۔"

اس نے بے اختیار انکار میں سر ہلایا۔ آس پاس دیکھا۔ اس کی امی نہیں تھی۔ وہ ویڈیو کیسٹ وی سی آر پر رکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس گئی۔ پھر اسے اٹھا کر بولی۔ "کیوں میرے لیے مصیبت بن گئے ہو؟ اسٹور میں پھینکتی ہوں تو امی پہنچ جاتی ہیں' یہاں رکھتی ہوں تو فرض یاد آتا ہے کہ امی اور ابو کو بھی خوش رکھنا چاہیے۔ چلو' تم بھی کیا یاد کرو گے' دیکھ لیتی ہوں۔"

اس نے سوئچ آن کیے۔ کیسٹ کو وی سی آر میں سیٹ کیا پھر ٹی وی اور وی سی آر دونوں کو آن کر کے اطمینان سے چلتے ہوئے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ احتیاطاً ریموٹ کنٹرول کو ہاتھ میں رکھ لیا تاکہ وہ ذرا بھی ناپسند ہو تو بیٹھے ہی بیٹھے اسے اسکرین سے ہٹا لے۔

اسکرین آن تھی۔ ابھی تصویر نہیں آئی تھی' آنے ہی والی تھی۔ اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ جانی کے سوا کسی اور کو دیکھے۔ اسی وقت ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "آداب عرض ہے۔"

لیلیٰ نے ادھر نہیں دیکھا۔ اونہہ کہہ کر سوچنے لگی۔ "وہی پرانا دقیانوسی انداز' آداب عرض ہے۔ قبلہ کعبہ اور نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے۔"

پھر وہی آواز سنائی دی۔ "اجی میں نے کہا' آداب عرض ہے۔ ویسے جواب تو سنائی نہیں دے گا۔ میں ڈبے کے اندر ہوں اور تم باہر ہو۔"

لیلیٰ نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ وہ ابھی تک منہ پھیرے بیٹھی تھی' ادھر دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ آواز سنائی دے رہی تھی۔ "چلو' کوئی بات نہیں۔ سلام کلام تو ہمارا فرض ہے' ہم نے فرض ادا کر لیا۔ اب ذرا تعارف ہو جائے۔ پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے' اس وقت میرے سامنے کون ہے۔ اگر آنٹی اور انکل ہوں گے تو بڑی مشکل ہو گی۔ دل کی بات تو کہہ نہیں سکوں گا۔ ہاں اگر تم ہو تو ایک راز کی بات سنو۔ میں ایک بہت ہی اہم چیز چھپا کر رکھتا ہوں۔ ساری دنیا سے چھپا کر رکھتا ہوں' آج تمہیں دکھا رہا ہوں۔ یہ' یہ دیکھو۔"

لیلیٰ کا سر اس کی طرف گھومتے گھومتے رہ گیا۔ اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ اسی طرح منہ پھیرے بیٹھی رہی' دوسری طرف سے آواز آرہی تھی۔ "ذرا ٹھہرو' یہ اندر والی جیب میں ہے' بھئی چیز ایسی ہے کہ بڑی احتیاط سے چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔ بعد میں شکایت کرو گی۔ کیوں جی' دنیا والوں کو کیوں دکھایا۔ یہ تو صرف میرے دیکھنے کی چیز تھی۔ ہاں بھئی' تمہارے ہی دیکھنے کی چیز ہے۔ آہا' لو یہ نکل آئی۔"

لیلیٰ کا سر بے اختیار اسکرین کی طرف گھوم گیا۔ اسکرین پر اسے اپنی تصویر نظر آرہی تھی۔ کوئی اسے اپنے ہاتھ سے تھامے ہوئے تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تصویر دکھانے والا نظر آنے لگا۔ ایسا خوبرو جوان تھا کہ وہ نظریں نہ پھیر سکی۔ ایسی بات بھی نہیں تھی کہ وہ کوئی دنیا سے نرالا تھا۔ وہ لندن میں کتنے ہی پاکستانی جوانوں کو دیکھتی تھی۔ جس طرح لاکھوں پتھروں میں ایک ہیرا جگمگاتا ہے اور لاکھوں گورے جوانوں میں ایک جانی دل کو بھایا تھا' اسی طرح بے شمار پاکستانیوں کو دیکھنے کے بعد ایک پاکستانی اس حد تک اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اسے بغور دیکھ سکتی تھی۔ بغور دیکھنے سے کچھ خامیاں تو ضرور نکل آتیں۔ اسی لیے اس نے ریموٹ کنٹرول کے اس بٹن کو دبا دیا تھا۔ جس سے اسکرین پر تصویر ساکت ہو جاتی ہے۔

عدنان اب اسکرین پر ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے بہترین تراش کا سفید سوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید قمیض پر سیاہ بو ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے میں مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بڑی سنجیدگی' بڑی گہرائی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سارے دکھوں کو سارے مسائل کو سمیٹ کر ایک نظر میں دھوئیں کی طرح اڑا دیتا ہو۔

لیلیٰ نے اس کی صورت' اس کی تصویریں اپنے ڈرائنگ روم میں بھی دیکھی تھیں لیکن وہ تصویریں خاموش تھیں۔ بولتی نہیں تھیں اور جب تک آدمی نہ بولے' دروازہ کون کھولے۔ جس طرح روح سے جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے' اسی طرح آواز اور لب و لہجے کی مردانگی سے تصویر میں جان پڑ جاتی ہے۔

لیلیٰ نے بٹن کو دبایا۔ تصویر میں پھر جان پیدا ہو گئی۔ عدنان اپنی سیاہ بو کو درست کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہیں متاثر کرنے کے لیے' تمہاری

نظروں میں سما جانے کے لیے یہ سوٹ پہنا ہے۔ میں یہاں ایک شادی کی تقریب میں آیا ہوں۔ یہ میرے پیچھے دیکھ رہی ہو نا' ایک بہت بڑی کوٹھی روشنیوں سے جگمگا رہی ہے۔ یہاں شادی ہو رہی ہے۔ میرے دوست کی بہن کی شادی ہے۔ میرے دوست کی بہن میری بہن ہے۔ میں نے کہا تھا' میری بہنا' میں تیری شادی میں ڈانس کروں گا۔ ڈسکو ڈانس۔"

اس نے چٹکی بجا کر کہا۔ "ہاں یاد آیا' تم سمجھ رہی ہو گی یہ ڈسکو مسکو صرف انگلینڈ میں ہوتا ہے۔ ارے بابا' کس دنیا میں رہتی ہو۔ کوئی ڈانس ہو' میوزک ہو یا نیا فیشن ہو' تمہارے یورپ میں ابھی اس کی بات شروع ہوتی ہے کہ وہ فیشن وہ میوزک وہ رقص یہاں آ کر پھلنے پھولنے لگتا ہے۔"

ایک ادھیڑ عمر کی عورت اس کے قریب سے گزر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "ذرا ایک منٹ۔ مادام! ذرا ادھر تشریف لائیں' دیکھیے نا کیمرہ آپ کا منتظر ہے۔ آپ نے اتنا مہنگا میک اپ کیا ہے۔ اس کیمرے کی آنکھ کو حق پہنچتا ہے کہ کچھ آپ کے حسن کو چرا کر اپنے اندر چھپا لے۔"

وہ ادھیڑ عمر کی عورت مسکراتے ہوئے کیمرے کے سامنے آ گئی۔ عدنان نے کہا۔ "مادام! ہم دونوں کو صرف یہ کیمرہ نہیں بلکہ اس کیمرے کے پیچھے بیٹھی ہوئی لیلیٰ بھی دیکھ رہی ہے' اس لیے میں آپ سے چند سوالات کروں گا۔ آپ کی یہ خوبصورت زلفیں کس نے تراشیں؟"

اس عورت نے ایک ادائے ناز سے کہا۔ "اوہ' فرانس سے سیکھی ہوئی ایک لیڈی ہیئر ڈریسر آئی تھی۔ اس نے یہ خوبصورت زلفیں تراشی ہیں۔"

"اس میک کے بعد تو آپ کی عمر پچیس برس کم ہو گئی ہے۔"

وہ شرماتے ہوئے بولی۔ "یہ میک اپ کا سامان میں لندن سے منگواتی ہوں۔ وہ کہتے ہیں' ایسے میک اپ کے بعد میری عمر پچاس برس کم ہو جاتی ہے۔"

"پچیس ہی رہنے دیں ورنہ فیڈر کی ضرورت پڑے گی۔"

مادام نے گھور کر عدنان کو دیکھا۔ پھر اونہہ کہتے ہوئے غصے سے چلی گئیں۔ عدنان

نے کہا۔ "لیلیٰ، دیکھ لیا نا، سر کے بال فرانسیسی سٹائل کے، چہرے پر لندن کا میک اپ اور بدن پر جو لباس ہے وہ بھی باہر سے امپورٹ کیا گیا ہے یعنی سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کی جوتی تک کوئی چیز پاکستانی نہیں ہے۔ اب اگر تم لندن میں پیدا ہوئی ہو اور سر سے پاؤں تک ایک برٹش لڑکی ہو تو تمہارے پاکستان آ جانے سے یہاں کا سماجی جغرافیہ نہیں بدلے گا۔"

"میں نے یہ کیسٹ خصوصی طور پر تمہارے لیے تیار کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ہمارا تعارف بھی ہو جائے اور تمہیں پتہ چل جائے کہ انگلینڈ اور پاکستان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔"

"آؤ، اب میں تمہیں شادی کی تقریب میں لے چلوں۔ تم نے اپنے ہاں بال روم ڈانس میں شرکت کی ہو گی۔ راک اینڈ رول بھی کیا ہو گا۔ ڈسکو بھی جانتی ہو گی۔ آؤ ذرا چل کر دیکھو، وہاں کے اور یہاں کے ڈسکو میں کیا فرق ہے۔"

"اے بھائی کیمرہ مین، اب ہم اندر چلیں گے۔ ذرا اچھے اچھے شاٹس لیتے رہنا۔ میں ڈبے سے باہر تو نہیں جا سکتا مگر لیلیٰ کو محمل سے نکالنا ہے۔"

اس نے مسکرا کر کیمرے کی طرف دیکھا گویا لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ پھر پلٹ کر جانے لگا لیکن رک گیا۔ کچھ سوچ کر پلٹ گیا پھر کہنے لگا۔ "لیلیٰ، ابھی میں نے کہا تھا کہ یہ نہ سمجھنا، کہ یہ سوٹ میں نے تمہاری نظروں میں سما جانے کے لیے پہنا ہے۔ میں تو شادی کی تقریب میں آیا ہوں لیکن نہیں.......... کبھی کبھی ہم اپنے دل کی بات چھپا لیتے ہیں۔"

اس نے لیلیٰ کی تصویر کو کوٹ کے اندر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو صرف اسے چھپاتا ہوں، دل کی بات نہیں چھپاؤں گا۔ یہ جو کچھ میں نے پہنا ہے، تمہارے لیے پہنا ہے۔ اے جان حیات، صرف اتنا ہی نہیں، میں جو سانسیں لے رہا ہوں، تمہارے لیے ہی لے رہا ہوں۔ آؤ چلیں۔"

اس کے ساتھ ہی ٹی وی اسکرین ایک لمحے کے لیے تاریک ہوا پھر دوسرے ہی لمحے روشن ہو گیا۔ اب ایک رنگا رنگ تقریب کا منظر تھا۔ بہت ہی بڑا خوبصورت سا ہال تھا۔ لندن کے کسی لارڈ کا محل نما سجا ہوا ہال لگ رہا تھا جہاں مہمان زرق برق لباس پہنے ہوئے

۔ عورتوں کے جسموں پر قیمتی ہیرے' جواہرات اور سونے کے زیورات نظر آ رہے
۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان میں خال خال ہی کوئی مہمان اردو بول رہا تھا۔ باقی سب
یزی بول رہے تھے اور وہ بھی لندن والوں کے سے انداز میں۔ ذرا منہ ٹیڑھا کر کے
کو بدل بدل کر کریوں گویا تھے' گویا ابھی ابھی وہ سب کے سب لندن سے امپورٹ
کیے ہوں۔

عدنان نے کیمرے کے سامنے آ کر کہا۔ "اب بتاؤ لندن کے ماحول اور یہاں کے
ں میں کوئی فرق نظر آ رہا ہے؟ ہاں' ایک ذرا سا فرق ہے۔ یہاں شلوار اور ساریاں
ہ نظر آ رہی ہیں۔ اس کی فکر نہ کرو' یہ سب دکھاوا ہے۔ یہ اپنے اپنے گھروں میں
ٹ اور بلاؤز پہنتی ہیں۔ ان کے ہاں سوئمنگ پول بھی ہیں' سوئمنگ ڈریس میں چہل
ں کرتی ہیں۔ یہ جو ان کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے گلاس دیکھ رہی ہو' یہ ٹھنڈے میٹھے
ربات ہیں۔ پابندیوں نے انہیں ٹھنڈا کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر تم اپنے ماحول اور
یب کے مطابق ساقی اور مے خانے کو لازمی سمجھتی ہو تو اس کی بھی فکر نہ کرو' یہاں کی
ی سی بڑی بڑی کوٹھیوں کے بیڈ روم میں ذاتی شراب خانے موجود ہیں۔"

پس منظر میں مغربی طرز کی موسیقی سنائی دے رہی تھی پھر اس موسیقی کی دھن تیز
نے لگی۔ عدنان نے کہا۔ "سن رہی ہو' یہ تمہارے ہاں کا میوزک ہے۔ تم سمجھتی
ں' یہاں پکے راگ الاپے جاتے ہوں گے۔ سا' رے' گا' ما' پا' دھا' نی' سا تو اب نیست
۔ پاکستان کا ہر بڑا شہر ایک منی لندن ہے۔ ایسے منی لندن میں کیا ہو رہا ہے؟ آؤ
یں۔"

پھر ایک لمحے کے لیے تاریکی چھا گئی۔ دوسری بار جب اسکرین روشن ہوا تو لیلیٰ کی
یں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کیا زور دار پوپ موسیقی تھی اور رنگا رنگ منظر تھا۔ وہ
حیرانی سے عدنان کو مختلف لڑکیوں کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ بدلتی
ں رنگا رنگ روشنیاں رقص کرنے والوں کو پُراسرار اور جاذب نظر بنا رہی تھیں۔ وہ
ں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پس ماندہ ملک کے لوگ' ان کی موسیقی' ان کی طرز
ش' ان کے میک اپ اور ان کے لباس میں ان سے بھی زیادہ پیش پیش ہوں گے۔

وہ اپنے آپ کو بھول گئی تھی۔ ایک ٹک اسکرین کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہاں ماحول میں گم ہو چکی تھی۔ گم ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی عدنان سُر اور تال کے مطابق اتنی عمدگی سے رقص پیش کر رہا تھا کہ وہ بھی موسیقی مطابق کبھی کبھی چٹکی بجانے لگتی تھی۔ کبھی اس کے شانے بے اختیار ہولے ہولے تھر لگتے تھے اور ایسا بے اختیار کیوں نہ کرتی۔ یہ تو اس کے اپنے ملک کی موسیقی تھی، یہ کے نوجوان کلبوں میں اسی طرح ڈانس کیا کرتے ہیں پھر وہ موسیقی کی تال پر کس طرح اختیار نہ ہو جاتی۔

ایک ذرا دیر کے لیے سحر ٹوٹ گیا۔ باہر گاڑی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ وہاں سے جھانک کر دیکھا تو اس کی امی اور ابو آ تھے۔ اسی وقت اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دیر سے عدنان کی دنیا میں کھو گئی تھی۔ ا نے غصے سے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنے آپ پر حیرت بھی رہی تھی۔ وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی پھر اتنی دیر سے کیسے دیکھتی چلی آ رہی اور دیکھنے کا انداز بھی یوں تھا کہ وہ اپنے آپ کو بھلا بیٹھی تھی۔

اتنی دیر تک اس نے جانی کو بھی اک ذرا تصور میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی جانی کو اس کی نگاہوں سے اور اس کے خیالوں سے دور جائے۔ وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے ٹی وی کی طرف آئی، اسے آف کرنا چاہتی تھی، لمحے یکبارگی کتنی ہی عورتوں کی چیخیں سنائی دیں۔ اس کا ہاتھ بٹن کی طرف جاتے جا رک گیا۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ کر اسکرین کی طرف دیکھنے لگی۔ موسیقی تھم گئی تھی اور د بھگدڑ مچ گئی تھی۔ کتنی ہی عورتیں بھاگ رہی تھیں۔ مرد انہیں سنبھالنے کی کوشش ان سے ٹکرا رہے تھے۔ کوئی ادھر، کوئی اُدھر ہو رہا تھا۔ کتنی ہی چیزوں کے ساتھ شیشے گلاس بھی ٹوٹ رہے تھے اور چھناکے کی آوازیں ابھرتی جا رہی تھیں۔ عدنان کی آ سنائی دی۔ ”او، بھائی کیمرہ مین! تم ادھر عورتوں کو پکچرائز کیوں کر رہے ہو؟ یہ تو سہمی ہو بھاگی جا رہی ہیں۔ ارے اس ظالم کو دکھاؤ جو انہیں وحشت زدہ کر رہا ہے اور انہیں رنگا رنگ تقریب سے نکال دینا چاہتا ہے۔“

دوسرے ہی لمحے کیمرہ ایک چوہے پر گیا۔ چوہا قالین پر۔ ادھر ادھر دوڑتا ہوا جا رہا
۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں عورتیں چیختی ہوئی، چنگھاڑتی ہوئی بھاگ رہی تھیں۔
نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا۔ "کمال ہے، ہمارے ہاں کی عورتیں بھی چوہے سے
تی ہیں۔"

عدنان نے ہاتھ اٹھا کر، ادھر اُدھر عورتوں کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
ٹھہر جاؤ۔ میں ابھی اس ظالم کو سبق سکھاتا ہوں۔ میری ماؤں، میری بہنو! ڈرنے کی
ورت نہیں ہے۔ تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں۔ چوہا مٹائے گا کیا نام
ناں ہمارا!"

یہ کہتے ہی اس نے یکبارگی چوہے پر چھلانگ لگائی۔ چوہا آگے نکل گیا۔ وہ اوندھے
زمین پر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ
ں۔" وہ چوہے کو گھور کر دیکھنے لگا جو تھوڑے سے فاصلے پر اس کی طرف گھوم کر دیکھ رہا
۔ گویا عدنان سے آنکھیں چار کر کے للکار رہا تھا.......... عدنان نے ایک انگلی سے اسے
ں طرف آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سیدھی طرح آ جاؤ۔ بھئی مانتے ہیں، اتنے
ے تو ہو مگر بڑی بڑی بیگمات کے قدم اکھاڑ دیتے ہو۔ ویسے بن بلائے کسی محفل میں چلے
کوئی شرافت نہیں ہے۔ چلو آ جاؤ۔"

وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر اس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر اس پر چھاپا
ا۔ ہاتھ ادھر گیا لیکن چوہا وہاں سے بھاگ کر پھر دور پہنچ گیا تھا اور وہاں سے پلٹ کر
ے دیکھ رہا تھا۔ عدنان نے گھٹنے کے بل اٹھ کر کہا۔ "چوہے اور انسان میں ایک فرق
ے۔ چوہے کے پاس دماغ نہیں ہوتا، میرے پاس تو ہے۔"

اس نے اپنا کوٹ اتار لیا۔ بو کو اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ قمیض کے اوپری
وں بٹن کھول دیئے پھر کوٹ کو یوں تھام لیا جیسے بل فائٹنگ کے لیے تیار ہو چکا ہو۔

عدنان جس انداز میں اٹھ کر، کوٹ کو تھام کر بل فائٹنگ کے لیے پینترا بدل رہا تھا،
ں سے لیلیٰ کی ہنسی ضبط نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے منہ کو دبا رہی تھی۔ صوفے پر
ر آرام سے بیٹھنا بھول گئی تھی۔ کبھی ادھر ہو رہی تھی، کبھی اُدھر۔ جیسے خود چوہے کو

پکڑنے والی ہو۔ اسی وقت عدنان نے اچانک چھلانگ لگائی اور کوٹ کو چوہے کے او
پھینک دیا۔ اس بار چوہا کوٹ کے سائے میں چھپ گیا۔ وہ نظر تو نہیں آ رہا تھا مگر اس
کوٹ جس انداز میں آگے سرکتا جا رہا تھا اس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ فرار کا راستہ تلاش
کر رہا ہے۔ لیلیٰ خوش ہو کر تالیاں بجانے لگی۔ عدنان نے کوٹ کو چاروں طرف سے
لیا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "اب کہاں بچ کر جاؤ گے بچو۔"

اس نے ایک ہاتھ کوٹ کے اندر ڈال دیا۔ لیلیٰ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں اپ
چہرے کو تھام کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ حیرانی سے' کچھ سہمے ہوئے انداز میں دیکھ رہ
تھی۔ وہ چوہے کو ہاتھ سے پکڑنے جا رہا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے چوہا باہر آیا۔ اس کی د
عدنان کی چٹکی میں دبی ہوئی تھی۔ خواتین کی پھر چیخیں نکل گئیں۔ وہ دور بھاگنے لگیں۔
عدنان نے چوہے کو چٹکیوں میں دبا کر سر سے بلند کر لیا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "ڈرنے اور ڈ
کر بھاگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ معزز خواتین! بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ اپ
شوہروں سے نہیں ڈرتیں' ایک چوہے سے ڈرتی جا رہی ہیں۔ ڈر کر چیخے جا رہی ہیں۔"

چوہے کی دم اس چٹکی میں تھی لیکن وہ تڑپ رہا تھا' مچل رہا تھا۔ اچانک ہی اس
دم چٹکی سے نکل گئی۔ کتنی ہی خواتین نے ایک بار پھر چیخیں ماریں۔ "نکل گیا۔ پھر نکل
مگر کہاں گیا؟ ڈھونڈو' اسے ڈھونڈو۔"

مگر اب عدنان ادھر سے اُدھر اچھل رہا تھا۔ "ارے' ارے یہ تو' یہ تو میری قمیض
کے اندر چلا گیا۔"

لیلیٰ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ عدنان چوہے سے نجات حاصل کرنے کے
اسکرین کے دائیں طرف جاتا تو وہ بھی بے اختیار دائیں طرف جانے لگتی تھی۔ اگر
اچھلتا ہوا بائیں طرف آتا تو وہ بھی بائیں طرف آ جاتی تھی۔ جیسے دیکھنا چاہتی ہو کہ
قمیض کے اندر سے نکل بھی رہا ہے یا نہیں۔

اب عدنان قمیض کے بقیہ بٹن کھول کر اسے اتار رہا تھا پھر اس نے دیکھتے ہی دیک
قمیض کو اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ چوہا نظر نہیں آیا۔ دوسرے ہی لمحے عدنان
اچھلنے لگا۔ "ارے ارے' یہ کیا بے حیائی ہے؟ یہ' یہ کیا ہو رہا ہے؟ نکلتا ہے کہ نہیں۔

لیلیٰ سے اب ہنسی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے لیا تھا۔ دوہری ہو رہی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اس میں اتنی سکت تھی کہ گھوم کر اسکرین کی طرف دیکھتی کہ اب عدنان پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ چوہا نکلا ہیں! اس کا تو ہنسی کے مارے برا حال تھا۔

وہ ہنستے ہنستے زینے کے اوپری سرے تک پہنچ گئی۔ نیچے ڈرائنگ روم میں اس کی اور ابو نے پہلے تو حیرانی سے دیکھا۔ وہ بہت عرصے کے بعد اپنی بیٹی کو کھل کر اور کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ پھر دونوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹی بات ا ہے؟"

وہ زینے کی ریلنگ کو تھام کر ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے اپنے روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اوہ امی! اوہ ابو! وہ عدنان............"

وہ آگے نہ کہہ سکی پھر بے اختیار ہنسنے لگی۔

اس کے منہ سے عدنان کا نام نکلنا ہی والدین کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ پھر وہ تو ے ہوئے، خوش ہوتے ہوئے عدنان کا نام لے رہی تھی۔ ماں بلائیں لیتے ہوئے اس کی ف آنے لگی۔

باپ نے بھی زینے پر چڑھتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا، ہمارا عدنان تمہارا جیت لے گا۔"

یک لخت لیلیٰ کی ہنسی تھم گئی۔ وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔ اس کے دیدے ں گئے تھے۔ وہ خلا میں تک رہی تھی۔ جیسے ابھی ابھی کسی کے سحر سے نکلی ہو۔ ابھی ں کوئی اسے اپنے بس میں کیے ہوئے تھا۔

اس نے یکبارگی زینے سے اٹھتے ہوئے چیخ ماری۔ "نہیں، نہیں، ایسا ہیں ہو ۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ "نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہو ۔"

وہ ادھر جاتے جاتے رک گئی۔ اس کے بیڈ روم کے باہر ہی ریموٹ کنٹرول فرش پر

گرا ہوا تھا۔ وہ اب اسکرین پر اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز
تک سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ فرش پر جھک گئی۔ اپنا ہاتھ ریموٹ کنٹرول کی طرف بڑھایا
تاکہ بیڈروم میں جانا نہ پڑے۔ وہیں سے ٹی وی کے اسکرین کو بجھا ڈالے۔

اس کی انگلی بٹن کی طرف گئی۔ اسی وقت عدنان کی آواز سنائی دی۔ "لیلیٰ! میں
رہا ہوں۔ بس آنے ہی والا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے انگلی بٹن پر پہنچ گئی۔ آواز گم ہو گئی۔ ادھر اسکرین بجھ گیا تو
ادھر دل کو قرار آ رہا تھا لیکن یہ تو ایک فطری امر ہے کہ جو آواز سنائی دیتی ہے' وہ
ہونے کے بعد بھی تھوڑی دیر تک فضا میں گونجتی رہتی ہے۔ اس کی سماعت میں وہ گو
سنائی دے رہی تھی۔

"بس آنے ہی والا ہوں۔"

☆------------☆------------☆

جھیل پُرسکون تھی۔ لیلیٰ کو سکون نہیں تھا۔ دل میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ا
نے ایک کنکر اٹھا کر جھیل میں پھینک دیا۔ آدمی بے ارادہ ہی ایسی حرکت کرتا ہے جو ا
کے دل اور دماغ سے مطابقت رکھتی ہے۔ اب اس جھیل کی سطح پر لیلیٰ کا اندرونی انتش
نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔

جانی اس کے پاس آکر گھاس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس کے سامنے ٹرے رکھتے ہو
بولا۔ "سینڈوچ کھاؤ اور کوک پیو۔ میں اپنے لیے بیئر لایا ہوں۔"

اس نے بیئر کے ٹن کو کھولا۔ پھر اسے منہ سے لگا کر دو چار گھونٹ پینے کے
ایک سینڈوچ کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا؟"

"میں نہیں کھاؤں گی۔"

"تم ناشتا کیے بغیر آئی ہو۔ مانا کہ پریشان ہو لیکن بھوکے رہ کر پریشانی دور ہو
آج دنیا میں اتنے سارے پرابلم نہ ہوتے۔ لوگ ڈائٹنگ کرتے اور مسائل حل کر
چلے جاتے۔"

"میں پرابلم حل کرنے کے لیے بھوکی نہیں ہوں۔ بس جی نہیں چاہتا۔"

"یہی تو اہم نکتہ ہے۔ جب آدمی بھوکا رہے گا تو اس کا دماغ کمزور رہے گا اور جو ہو گا' اس کے کمزور دماغ پر غالب آتا چلا جائے گا۔ پھر وہ ننھا مسئلہ سوچنے والے کے پر مکڑی کے جالے کی طرح تن جائے گا۔"

"تم مجھے بچی سمجھ کر سمجھا رہے ہو۔"

"ہر عمر کا انسان بچہ بن سکتا ہے۔ جیسے تم بن گئی ہو۔ اگر یہ غلط ہے تو سینڈوچ ر کھاؤ۔ پلیز سمائیل اینڈ بی میری۔" اس نے خود ہی سینڈوچ اٹھایا پھر اس کی طرف ے ہوئے کہا۔ "اسے جانی پیش کر رہا ہے۔"

اس نے سینڈوچ کو دیکھا پھر جانی کو' پھر اسے لیتے ہوئے بولی۔ "تمہارے خیال میں وچ میری پریشانیوں کا حل ہے۔ آئی ہیٹ اٹ۔"

اس نے اسے جھیل کی طرف غصے سے اچھال دیا۔ جانی نے کہا۔ "غصہ عدنان پر آ اور دکھا مجھے رہی ہو۔"

"میں اسے فیس نہیں کرنا چاہتی۔"

"نہ کرو۔"

"مگر وہ آ رہا ہے اور ہمارے ہاں رہے گا۔ اور تو اور ڈیڈی کہتے ہیں' مجھے اس کے کے لیے ایئرپورٹ جانا چاہیے۔ کیا وہ کسی ملک کا شہزادہ ہے؟"

"وہ مہمان ہے اور مہمان کو ویلکم کہنا چاہیے۔"

"تم بھی یہی کہہ رہے ہو۔"

"میں تو بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن خاموش ہوں۔"

"کیوں خاموش ہو؟"

"اس لیے کہ تمہیں غصہ آ رہا ہے۔"

"چلو نہیں آ رہا ہے۔ بتاؤ' تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ایسے نہیں' پہلے کچھ کھاؤ' کوک پیو' دماغ کو ذرا ٹھنڈا رکھو پھر باتیں کروں گا۔"

"پرامس کرو۔ میں کھاؤں گی' تم میرا مسئلہ حل کرو گے۔"

"پرامس۔"

وہ دوسرے سینڈوچ کو جلدی جلدی کھاتے ہوئے بولی۔ "اب بتاؤ؟"

"ابھی تو یہ حلق سے بھی نہیں اترا ہے۔"

وہ بڑا سا لقمہ بڑی مشکل سے نگلتی ہوئی بولی۔ "ہاں' اب بولو۔"

"ابھی تمہارے ہاتھ میں باقی ہے۔"

وہ باقی حصہ بھی منہ میں ڈالنا چاہتی تھی۔ جانی نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "اس طرح میں پھنس جائے گا۔ ٹھسکا لگے گا' اس کے ساتھ کوک پیتی رہو۔"

اس نے بوتل کو منہ سے لگایا۔ وہ اسے بہلا پھسلا کر کھلاتا پلاتا جا رہا تھا۔ وہ سینڈوچ کھانے اور آدھی بوتل پینے کے بعد بولی۔ "آخر بتاؤ تو سہی۔"

"لیلیٰ' موت آتی ہے اور ضرور آتی ہے۔ اسے فیس کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"کیا میں عدنان کے ساتھ مر جاؤں؟"

"پہلے میری پوری بات تو سنو۔ موت آتی ضرور ہے۔ کبھی بیماری کے بہانے حادثات کے بہانے۔ کسی نہ کسی چیلنج کی صورت میں جب بھی آتی ہے اور جب بھی جرات مندی سے اس کا سامنا کرتا ہے تو وہ ٹل جاتی ہے۔ انسان عزم و ہمت سے طبعی عمر تک زندہ رہتا ہے۔"

"یعنی مجھے عدنان کا سامنا کرنا چاہیے!"

"ضرور کرنا چاہیے۔"

وہ چند لمحوں تک پریشانی سے سوچتی رہی پھر بولی۔ "تم نہیں جانتے' وہ کیسا۔

"میں نے تمہارے ڈرائنگ روم میں اس کی بڑی بڑی تصویریں دیکھی ہیں خوبرو نوجوان ہے۔"

"تم اس کی تعریفیں کر رہے ہو؟"

"کیا میں دن کو دن نہ کہوں؟ لیلیٰ! ہم ضدی بچے نہیں ہیں۔ ہمیں اچھی تسلیم کرنا چاہیے۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں' وہ ہینڈسم ہے۔ اسمارٹ ہے مگر تم اس سے کم نہیں

"پھر پریشان کیوں ہوتی ہو؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پریشانی کو کس طرح ظاہر کرے؟ جواب میں اسے کیا کہنا چاہیے؟ وہ اس سے ذرا دور چلی گئی۔ وہاں سے پلٹ کر بولی۔ "میں بتا نہیں سکتی' وہ کیا ہے؟ پہلے تو میں وڈیو کیسٹ کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ امی اور ابو کے مجبور کرنے پر اسے کمرے میں لے گئی پھر اسی مجبوری سے اسکرین پر دیکھا مگر نہیں' میں نے پہلے نہیں دیکھا۔"

جانی نے پوچھا۔ "اس کا مطلب کیا ہوا۔ دیکھا بھی اور نہیں بھی دیکھا۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولی۔ "میں نے وی سی آر اور ٹی وی کو آن کر دیا تھا لیکن منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ میں کیا بتاؤں۔ وہ کتنا چالاک ہے۔ اس نے مجھے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ پھر کیا ہوا؟"

"پھر میں نے سوچا' دیکھ تو رہی ہوں مگر اس کی بات پر ایک ذرا نہیں مسکراؤں گی۔ میں اسے دیکھتی چلی گئی۔ اس نے اپنی باتوں سے اور اپنی حرکتوں سے ایسا تجسس پیدا کر دیا تھا کہ میں اپنی نظریں وہاں سے نہ ہٹا سکی۔ میں جو اس کی باتوں پر مسکرانا نہیں چاہتی تھی' زور زور سے قہقہے لگانے لگی۔ صرف اتنا ہی نہیں' میں ہنستے ہوئے اپنے کمرے سے نکل گئی۔ مجھ سے سنبھلا نہیں جا رہا تھا۔ ہنسی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امی اور ابو نے بھی مجھے ہنستے ہوئے دیکھ لیا۔ اب وہ سمجھ رہے ہیں کہ عدنان نے مجھے جیت لیا ہے۔ آئی ہیٹ ہِم۔ میں انہیں کیسے بتاؤں کہ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔ شدید نفرت کرتی ہوں۔ آئندہ اس کیسٹ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ کبھی اس کی صورت نہیں دیکھوں گی۔"

جانی زور زور سے ہنسنے لگا۔ لیلیٰ نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر غصہ آ گیا۔ وہ پاؤں پٹختے ہوئے بولی۔ "کیا میں لطیفہ سنا رہی ہوں؟"

"یہ لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے۔ تم نے خود وی سی آر اور ٹی وی کو آن کیا پھر منہ پھیر کر بیٹھ گئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ اسے نہ دیکھو اور اگر دیکھ لیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا' آخر اسے دیکھنا پڑا نا؟"

"مجھے اسی بات پر غصہ آ رہا ہے۔"

"اگر تم نہ دیکھنے کی ضد نہ کرتیں اور پہلے ہی اسے دیکھ لیتیں تو غصہ نہ آتا۔ دیکھو لیلیٰ، اپنی غلطی تسلیم کر لو۔ تم نے اپنے والدین سے وعدہ کیا تھا کہ کیسٹ اپنے کمرے میں لے جاؤ گی، اسے دیکھو گی پھر اپنی رائے پیش کرو گی۔ تم نے وعدہ خلافی کی، خود منہ پھیر کر بیٹھ گئیں۔ اس میں صرف تمہارا قصور ہے۔ غلطی تم نے کی اور الزام عدنان کو دے رہی ہو۔"

"تم اس کی وکالت کر رہے ہو؟"

"میں اچھی بات کی وکالت کرتا ہوں۔ تمہیں بھی کرنا چاہیے۔"

وہ اس کے پاس بیٹھ کر بولی۔ "تم کیسے آدمی ہو۔ تمہارے اندر رقابت کی آگ نہیں بھڑک رہی ہے؟"

"وہ کیا ہوتی ہے؟"

"ارے کوئی مجھے تم سے چھیننا چاہے اور تم............"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بس کرو۔ کوئی کسی کو نہیں چھینتا۔ تم ایک خوبصورت گلاب ہو لیکن چھٹانک بھر کی نہیں ہو کہ کوئی اٹھا کر لے جائے۔ وہ جب بھی لے جائے گا، تمہاری مرضی سے لے جائے گا اور جب تمہاری مرضی ہو گی تو پھر چھیننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو، میں اپنی مرضی سے جاؤں گی؟"

"میں نہیں سمجھتا، اسی لیے تو مطمئن ہوں اور اسی لیے اسے اپنا رقیب نہیں سمجھتا۔"

"یعنی تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

"تم کیسی مدد چاہتی ہو۔ کیا میں تمہیں اس سے بہت دور کہیں بھگا کر لے جاؤں؟"

"نہیں، ہم اپنے بزرگوں کو ناراض نہیں کر سکتے۔"

"کیا میں کسی فلمی ہیرو کی طرح ائیرپورٹ جاؤں اور جیسے ہی عدنان ہمارے ملک کی

زمین پر قدم رکھے، میں اسے گولی مار دوں؟"

"نہیں، ہم مجرمانہ ذہنیت نہیں رکھتے ہیں۔"

"پھر میں اسے دوستانہ انداز میں فری سٹائل کشتی کی دعوت دوں اور اس سے یہ شرط رکھوں کہ کشتی میں جو پچھاڑ دے گا، وہ تمہارا ونر ہو گا۔"

"توبہ ہے، تم کیسی بے تکی باتیں سوچ رہے ہو؟"

"پھر تمہی بتاؤ، میں تمہاری کس طرح مدد کروں؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا کیونکہ تم خواہ مخواہ پریشان ہو۔ اگر عدنان خوبرو ہے، اگر وہ تمہیں اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا ہے، اگر تمہیں مسکرانے اور ہنسنے پر بھی مجبور کر دیتا ہے تو یہ اس کی زندہ دلی ہے۔ انسان میں اگر کوئی خوبی ہو تو اس کی قدر کرنا چاہیے۔ تم خواہ مخواہ نفرت کا اظہار کر رہی ہو۔ ایسا وہ کرتے ہیں جن کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہوتا۔ کیا تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اس طرح تمہارا دل جیت لے گا؟"

"آں؟" وہ چونک کر جانی کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اس کی غزالی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیر تک دیکھتے رہے۔ وقت جیسے تھم سا گیا پھر لیلیٰ نے جانی کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس کے بعد کہا۔ "اب میری سمجھ میں آیا۔ عدنان بہت اچھا ہے، بہت زندہ دل ہے۔ اسے کوئی بھی لڑکی پسند کر سکتی ہے۔ اسے میں نے بھی پسند کیا ہے۔ اب اعتراف کرتی ہوں، مجھے غصہ اسی بات پر آ رہا تھا کہ میں اسے کیوں پسند کرنے لگی ہوں۔"

جانی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "یہ ہوئی نا دانشمندی کی بات۔ ہمیں ہر اچھے انسان کو پسند کرنا چاہیے۔"

"جانی! تم بہت اچھے ہو۔ تم نے میرا غصہ بالکل ختم کر دیا۔ مجھ میں ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا۔ میں یہ بھول گئی تھی کہ میں عدنان سے پہلے اپنے ابو کو بھی پسند کرتی رہوں ہوں۔ میں نے فادر جوزف کو بھی پسند کیا ہے۔ میرے کالج کے پرنسپل کی شخصیت بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر اچھا انسان ہمیں متاثر کرتا ہے۔ عدنان اچھا ہے، اس نے بھی مجھے

متاثر کیا ہے لیکن متاثر ہونا‘ کسی کو پسند کرنا اور بات ہے اور کسی کے آگے دل ہار جانا اور بات ہے۔"

اس نے بڑی محبت سے اپنا سر جانی کے شانے پر رکھ دیا۔

دوسرے دن وہ ٹیوب میں سفر کر رہی تھی اور بے خیالی میں اپنی ایک ایک انگلی کو گن رہی تھی۔ جانی نے پوچھا۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

وہ چونک کر بولی۔ "کچھ نہیں‘ وہ بات یہ ہے کہ چھ دن رہ گئے ہیں۔"

"کس بات کے لیے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا۔ تم بھول جاتے ہو۔ وہ سات تاریخ کو آنے والا ہے۔ آج پہلی تاریخ گزر رہی ہے۔ اب چھ ہی دن رہ گئے ہیں نا۔"

"اچھا سمجھ گیا۔ تم عدنان کی بات کر رہی ہو۔"

"ہاں‘ میں نے وہ کیسٹ امی کو واپس کیا تھا۔ وہ کہنے لگیں‘ مجھے کیوں واپس کر رہی ہو۔ یہ تمہارے لیے آیا ہے۔ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں‘ تم جانو۔ بڑی مشکل ہے۔ وہ کیسٹ میرے ہی کمرے میں رکھا ہوا ہے۔"

"تم آخر ذرا ذرا سی بات پر پریشان کیوں ہو جاتی ہو؟"

"کیا یہ پریشانی کی بات نہیں ہے‘ وہ آئے گا تو میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گی۔ اسے لندن کی سیر کرانا ہوگی۔ وہ طرح طرح کی فرمائشیں کرے گا۔ کبھی ادھر لے چلو‘ کبھی ادھر لے چلو۔ کبھی یہ جگہ دکھاؤ‘ کبھی وہ جگہ دکھاؤ۔ میں تو گائیڈ بن کر رہ جاؤں گی۔"

"محبت اعتماد چاہتی ہے اور مجھے اعتماد ہے۔ تم اس کی گائیڈ اور میری برائیڈ رہو گی۔"

وہ ہنسنے لگی۔

لندن روشنیوں کا شہر ہے۔ کارنیوال میں اس کے چاروں طرف روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ وہ جانی کے ساتھ ایک جھولے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جھولا اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "دو تاریخ گزر رہی ہے۔ اب پانچ دن

رہ گئے ہیں۔ ہماری محبت کبھی کمزور نہیں پڑے گی مگر تمہیں سوچنا چاہیے کہ عدنان اور میرے والدین تمہیں کس پہلو سے کمزور بنا سکتے ہیں۔"

جھولا اب بلندی سے پستی کی طرف آ رہا تھا۔ ایسے میں سانس رکنے لگتی ہے۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے جیسے میں پستی میں جا رہی ہوں۔"

جانی نے اسے مضبوطی سے تھام کر کہا۔ "میں آخری سانس تک تمہیں پستی میں گرنے نہیں دوں گا۔"

"مگر جانی! تمہارا ایک پہلو کمزور ہے۔"

"میں جانتا ہوں' وہ مذہب کی بات اٹھائیں گے اور میں انہیں معقول جواب دے چکا ہوں۔"

"میں برطانیہ کی شہری ہوں۔ وہ مجھے زبردستی پاکستان نہیں لے جا سکتے۔ کیوں ٹھیک ہے نا جانی؟"

"تم قانون کے مطابق یہاں کی شہری ہو اور اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتی ہو۔ کوئی تم پر جبر نہیں کر سکتا۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ جانی کی باتیں سن رہی تھی۔ جھولے میں اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتے ہوئے خلا میں تک رہی تھی۔ کبھی وقت گزارے نہیں گزرتا اور جب گزر جاتا ہے تو پتہ نہیں چلتا۔ کیسے پر لگ گئے تھے۔ ایک بڑا سا کیلنڈر دیوار پر آویزاں تھا۔ لیلیٰ اپنے بیڈروم کے وسط میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ اس پر بڑے بڑے ہندسوں میں تاریخ درج تھی۔ پہلی تاریخ' دوسری تاریخ اور تیسری تاریخ کو سرخ روشنائی سے کاٹ دیا گیا تھا۔ لیلیٰ نے قریب پہنچ کر کیلنڈر کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا مارکر تھا۔ اس نے مارکر سے چار تاریخ کو بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد تین دن اور رہ گئے۔ پانچ' چھ اور سات یعنی دو دن کے بعد وہ سات تاریخ کو پہنچنے والا تھا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پریشان ہو کر کیلنڈر کو تکنے لگی جیسے سات تاریخ کو پھانسی چڑھنے والی ہو۔ سات کا عدد خوش نصیبی کی علامت سمجھا جاتا ہے لیکن یہ خوش نصیبی کس کے

حصے میں آنے والی تھی؟

اس نے منہ پھیر لیا۔ اپنے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ رات زیادہ ہو گئی تھی اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ فریج کے پاس گئی۔ اسے کھول کر آئس کریم نکالی۔ کچھ دیر تک کھاتی رہی پھر واپس کمرے میں آ کر نیند کی دو گولیاں حلق سے اتار لیں۔ پانی پیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

اس کے بعد نیند کو آ جانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں آئی۔ ایک گھنٹا گزر گیا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ وہ کروٹیں بدلتی رہی۔ ایسی بے چینی سی تھی جیسے وہ اپنے کمرے میں تنہا نہ ہو، کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔ اس کی بے چینی اور اس کے پیچھے چھپے سے اضطراب کو سمجھ رہا ہو۔

وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سراغ مل گیا تھا کہ اسے کون دیکھ رہا ہے۔ نگاہ سیدھی ٹیلی ویژن کی طرف گئی۔ اس کے اوپر وہی کیسٹ رکھا ہوا تھا۔

یکبارگی تصور جیسے زندہ ہو گیا۔ کیسٹ کی جگہ ٹی وی پر عدنان بیٹھا ہوا تھا اور پوچھ رہا تھا۔ "اے جان عدنان! تمہیں کیا غم ہے؟"

وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہارا یقین ہوں۔ وہ یقین جو دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوتا ہے اور زبان پر نہیں آتا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟"

"یہ فریب نظر ہے۔ غور سے دیکھو، میں تمہارے کمرے میں نہیں، تمہارے دل میں ہوں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ میرے دل میں صرف جانی ہے۔"

"دل کی تختی بہت وسیع ہوتی ہے۔ اس میں صرف ایک جانی کا نہیں اور کتنے ہی ناموں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ کسی کو چاہنا اور اس کی تمام خوبیوں کے پیش نظر اس کی قدر کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"تم چالاک آدمی ہو۔ باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔ تم میرے جانی کو مجھ سے دور

کرنے آرہے ہو۔"

"میں نے اب تک کوئی ایسی بات نہیں کہی' جس سے یہ ثابت ہو کہ میں تمہارے جانی کو تم سے چھین لینا چاہتا ہوں۔ اس وڈیو کیسٹ کو ایک بار پھر شروع سے آخر تک دیکھو۔ میں نے صرف اپنا تعارف کرایا ہے۔ تمہارے ملک اور اپنے ملک کی تہذیب کا موازنہ کیا ہے۔ ہاں میں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہاری تصویر کو اپنی دھڑکنوں سے لگا کر رکھتا ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں تم سے محبت کروں تو تم مجھے روک نہیں سکتیں۔ ہاں' تمہیں مجبور کروں تو اعتراض کر سکتی ہو اور اب تک میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا ہے۔"

"اوہ گاڈ۔" وہ ایک ہاتھ سے سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔ "یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہیں ضد ہو گئی ہے۔ اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھو۔ یہ انکشاف ہو گا کہ تم تصویر کے دونوں رخ دیکھنا نہیں چاہتیں حالانکہ تعلیم یافتہ ہو' ذہین ہو۔ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنا ہو تو ہر دو پہلو کو دیکھنا لازمی ہوتا ہے' تم جانی کو دیکھنا چاہتی ہو' مجھے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ تم اپنی تہذیب کو اچھی طرح سمجھتی ہو' اپنے والدین کی تہذیب کو سمجھنا نہیں چاہتیں۔ اس طرح کبھی بات نہیں بنے گی۔ ایسے میں جب بھی فیصلہ ہو گا' یکطرفہ فیصلہ ہو گا۔"

"میں ڈرتی ہوں۔ ہر اس چیز سے ڈرتی ہوں جو میری پُرسکون زندگی کو متزلزل کرنے کا باعث بنے۔ اپنے جانی کے ساتھ الگ دنیا بسانا چاہتی ہوں۔ کوئی دوسرا آئے گا تو میں دوسرا پہلو دیکھنے کے لیے جانی سے اس کا مقابلہ نہیں کروں گی۔ ایک عورت ایک ہی بار اپنے محبوب یا جیون ساتھی کا انتخاب کرتی ہے' بار بار انتخاب کرنا چاہے تو اسے قدم قدم پر خوب سے خوب تر ملتے رہیں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "رہ گئی یہ بات کہ میں تمہاری تہذیب کی طرف مائل کیوں نہیں ہوتی۔ میں پوچھتی ہوں' کیا ہم تمہیں اپنی تہذیب کی طرف مائل کرنے تمہارے ہاں جاتے ہیں اور جب نہیں جاتے تو تم ہمیں کیوں مجبور کرتے ہو؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہر شخص کو اپنی ذات اچھی لگتی ہے' اپنی زمین اچھی لگتی ہے' تہذیب اچھی لگتی ہے۔ اس کے باوجود اس کیسٹ کو پھر ایک بار دیکھو۔ میں نے اپنی ذات کو' اپنی زمین کو اور اپنی تہذیب کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا بلکہ اپنے آپ پر طنز کیا ہے کہ ہم دوسروں کی تہذیب کے پیچھے کس طرح بھاگتے ہیں نہ میں نے اپنی تہذیب کو اور نہ ہی تمہاری تہذیب کو کمتر کہا ہے۔ میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہمیں طالب علم کی حیثیت سے مختلف تہذیبوں کا مطالعہ کرنا چاہیے' انہیں سمجھنا چاہیے' کسی بھی تہذیب اور ثقافت کو سمجھنا بری بات نہیں ہے۔"

"یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ میں تاریخ اور تہذیب کی اسٹڈی کرنے والی اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔ میرا موضوع محبت ہے اور میں صرف جانی سے محبت کرتی ہوں اور یہی چاہتی ہوں' اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی..........."

"اس کے علاوہ بھی کچھ ہے اور بہت کچھ ہے۔"

وہ ٹی وی پر سے کود کر فرش پر آگیا۔ پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ "محبت کے موضوع پر بھی بڑی اسٹڈی کرنا پڑتی ہے تاکہ کوئی فیصلہ جذباتی نہ ہو جائے' بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے والدین نے تمہیں اپنی تہذیب کا پابند بنانا چاہا اور تم ضد میں آگئیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے جانی کو اپنا آئیڈیل بنا لیا؟"

اس بات نے لیلیٰ کے دماغ کو ایک ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ شاید ماں باپ سے ضد کرنے کے لیے اس نے ان کی تہذیب کو سمجھنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیا یہ معاملہ محبت کا نہیں' صرف ضد کا ہے؟

وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "آؤ' میرے پاس آؤ۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "خبردار' مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

وہ پھر ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے جانی سے محبت نہیں کی ہے۔ اسے بھی پسند کر رہی ہو' مجھے پسند کر رہی ہو۔ اسے بے دھڑک چاہتی ہو' مجھے ڈرتے ڈرتے چاہنے لگی ہو۔ یہ عورت کی بنیادی فطرت ہے' جس مرد سے

تی ہے' اسی پر زیادہ مرتی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"عورت ایسا دانستہ نہیں کرتی۔ اس لیے اسے جھوٹ سمجھتی ہے۔ تم شعوری طور
تسلیم نہ کرو مگر مغلوب ہونا تمہاری فطرت ہے' غالب آنا ہماری فطرت ہے۔ غیر شعوری
ر پر رفتہ رفتہ حواس پر وہی چھائے گا جو دھڑکا بن کر دل میں آتا ہے اور نہ چاہنے کے
خود اندر ہی اندر دھڑکتا رہتا ہے۔"

گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سر گھما کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔
سری بار گھنٹی بجنے کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید اس کے ابو نے ڈرائنگ روم میں
یور اٹھا لیا تھا۔ اس نے ٹیلی فون سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا مگر وہ نہیں تھا۔ دور ٹیلی
ن پر رکھا ہوا وڈیو کیسٹ نظر آرہا تھا۔ اس نے گھوم گھوم کر اپنے کمرے میں دیکھا۔ وہ
بھی تنہا تھی' اب بھی خود کو تنہا پا رہی تھی۔ گھومتے گھومتے نظر کیلنڈر کے رخ پر ٹھہر
۔ سات کا ہندسہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ تاریخ کے ہندسوں کے اوپر ایک شیر کی
ر تھی اور وہ یوں منہ پھاڑے ہوئے تھا جیسے اب تب میں نگلنے ہی والا ہو۔

وہ تھوک نگل کر رہ گئی۔

پانچ اکتوبر کی شام کو وہ جانی کے ساتھ اوپن ایئر کیفے میں بیٹھی کافی کی چسکیاں لے
تھی۔ اسی وقت پرانے ساتھیوں اور سہیلیوں کا گروہ ہنستا بولتا ادھر آگیا۔ ان دونوں
یکھتے ہی سب ٹھٹک گئے پھر جارج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہیلو لیلیٰ!"

وہ سب جارج کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کی میز کے اطراف میں آ گئے۔ مارٹن
کہا۔ "مسٹر جانی پارکر! تم ہمیں نہیں جانتے لیکن ہم تمہارے متعلق بہت کچھ جانتے
۔ بھئی' ہم نے لیلیٰ کو چیلنج کیا تھا۔ اس نے چیلنج کا بڑی خوبصورتی سے جواب دیا
۔"

کنول رانی نے کہا۔ "لیلیٰ! تمہارا انتخاب لاجواب ہے' تم دونوں ایک دوسرے
خوب میچ کر رہے ہو۔"

لیلیٰ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔ ہمارا جھگڑا ختم ہو چکا ہے۔"

وہ سب دوسری طرف سے کرسیاں لا کر آس پاس بیٹھنے لگے۔ لیلیٰ نے سلطانہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ تمہارا منگیتر حشمت کہاں ہے؟"

جارج نے خیالی ہوائی جہاز کو اڑانے کے انداز میں ہاتھ کو نچاتے ہوئے کہا۔ "حشمت۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ سلطانہ نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ پاکستان سے آیا تھا مجھ سے شادی کرنے۔ بے چارہ بھاگ گیا۔"

اچانک ہی لیلیٰ کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس نے سلطانہ کے قریب جھکتے ہوئے کہا۔ "کیسے؟"

"اور کیسے، یہاں کی سوسائٹی اور میرا انداز پسند نہیں آیا۔ وہ بات بات پر مجھے ٹوکتا تھا اور میں اس سے کہتی تھی، میرے ماحول کے مطابق زندگی گزار سکتے ہو تو شادی کے لیے تیار ہوں۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "ایسی تم میں کون سی بات ہے جو اسے پسند نہیں آئی؟"

"بھئی پہلی بات تو یہ کہ میں سگریٹ پیتی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ سوئمنگ ڈریس میں تیرنے کے دوران کسی کو پارٹنر بنا لیتی ہوں۔ تیسری بات یہ کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے نکلتی ہوں تو برانڈی کے ایک دو پیگ ضرور پیتی ہوں۔"

وہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تم نے حشمت سے نفرت بھی ظاہر کی ہوگی؟"

سلطانہ نے کہا۔ "جو مٹھاس سے مر جائے، اسے زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اس سے بڑی محبت ظاہر کرتی تھی۔ اسے اپنے ساتھ لیے پھرتی تھی۔ وہ میری سوسائٹی دیکھ کر خود ہی بوکھلا گیا تھا۔"

جانی نے لیلیٰ کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کو دیکھ کر کہا۔ "پلیز، کوئی دوسری بات کرو۔"

لیلیٰ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ذرا ٹھہرو، یہ معلومات ضرور حاصل کرنی چاہئیں۔"

سلطانہ نے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"میں بھی اسی پرابلم میں پڑ گئی ہوں۔ میرے ایک ہونے والے منگیتر صاحب

سوں تشریف لا رہے ہیں۔"

"اوہ نو۔"

"اویس، میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔"

"اگر تم چاہتی ہو کہ وہ بھی حشمت کی طرح پھر سے اڑ جائے تو............"

جانی نے بات کاٹ کر کہا۔ "پلیز لیلیٰ! یہ مناسب نہیں ہے۔"

جارج نے پوچھا۔ "کیوں نہیں ہے؟"

مارٹن نے بھی اس کی تائید کی۔ "اسے یہاں سے جانا ہوگا۔ یہ ہماری انسلٹ ہے۔ ہم لیلیٰ، سلطانہ، مراد اور راما راؤ کو ایشیائی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ یہاں پیدا ہوئے، یہیں جوان ہوئے ہیں اور یہیں کے قانون کے مطابق اپنی مرضی سے شادی کر سکتے ہیں۔ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں۔ لیلیٰ کا انتخاب جانی ہے۔ اگر ایشیائی والدین نے اس انتخاب کی مخالفت کی تو ہم لیلیٰ اور جانی کی حمایت میں جنگ لڑیں گے۔"

سب اس کی حمایت کرنے لگے۔ لیلیٰ اور جانی کی حمایت میں نعرے لگانے لگے، وعدے کرنے لگے، قسمیں کھانے لگے اور اسی خوشی میں ایک ایک پیگ منگا کر پینے لگے۔ سلطانہ نے ایک پیگ لیلیٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ریہرسل شروع ہو جائے۔ یہ لو۔"

لیلیٰ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "نن... نہیں۔ میں سچ مچ نہیں پیوں گی۔ مگر اس کے سامنے یہی ظاہر کروں گی۔"

"جب اس کے سامنے اسے منہ نہیں لگاؤ گی تو اسے کیسے یقین آئے گا؟"

"میں کوئی راستہ نکال لوں گی۔"

"تم یہاں پیدا ہوئی ہو۔ یہاں یہ چیز حرام نہیں ہے۔"

"حرام اور حلال کی بات نہیں ہے۔ میں بہت پہلے اسے پینے کی کوشش کر چکی ہوں لیکن میرے حلق سے نہیں اترتی۔ ایک بار زبردستی کوشش کی تو قے ہو گئی۔ دو دن تک بیمار پڑی رہی۔"

جارج نے اس کی طرف سگریٹ کا پیکٹ بڑھایا۔ "لو، ایک کش لگاؤ۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے جانی کی طرف دیکھا۔ محبوب کی نظریں بتا رہی تھیں' اسے یہ ماحول پسند نہیں ہے۔ وہ بولی۔ "ایک سگریٹ پی لینے میں کیا ہرج ہے؟"

اس نے ایک سگریٹ لے کر ہونٹوں میں دبایا۔ جارج نے اسے لائٹر سے سلگا دیا۔ اس نے پہلا کش لیا۔ اس کے ساتھ ہی بے اختیار کھانستی چلی گئی۔ ہونٹوں سے سگریٹ گر پڑا۔ وہ میز پر جھک گئی تھی۔ اس کی سہیلیاں اور ساتھی قہقہے لگا رہے تھے۔ للی نے کہا۔ "کوشش کرو۔ ورنہ وہ تمہیں اڑا کر لے جائے گا۔"

سگریٹ میز پر گر پڑا تھا۔ سلطانہ اسے اٹھا کر دینے لگی۔ وہ اپنی کھانسی پر قابو پا رہی تھی پھر حلق پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "نہیں' ابھی میں نہیں پی سکوں گی۔"

"وہ پرسوں آ رہا ہے۔ تم ابھی سے مشق نہیں کرو گی تو وہ سمجھ لے گا' تم مشرق کی بوا ہو اور ہنس کی چال چل رہی ہو۔"

کنول رانی نے سمجھایا۔ "تم پورا سینڈوچ ایک ساتھ حلق سے نہیں اتار سکتیں۔ اس طرح پورا کا پورا دھواں حلق سے اتارنے کی کوشش نہ کرو۔ ہلکا سا کش لو۔ دیکھو' اس طرح۔"

اس نے ایک ہلکا سا کش لے کر دکھایا۔ پھر بڑی ادا سے دھواں چھوڑا۔ لیلیٰ نے سلطانہ سے سگریٹ لے لیا۔ اسے ہونٹوں سے لگا کر ہلکا سا کش لیا۔ اس بار کھانسی نہیں آئی۔ جانی اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کہنے لگا۔ "مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ کیا تم چلنا پسند کرو گی؟"

وہ اٹھ گئی۔ اپنے ساتھیوں سے معذرت چاہتے ہوئے بولی۔ "ہم پھر ملیں گے۔"

پھر ان سے رخصت ہو کر جانی کے ساتھ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں' تمہیں کوئی کام نہیں ہے۔ تم ناراض ہو۔"

"کیا مجھے ناراض ہونے کا حق نہیں ہے؟"

"ضرور ہے مگر اس وقت ناراضگی کیسی؟"

"اپنے ذاتی معاملے میں دوسروں کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اور تم نے انہیں شریک کیا ہے۔"

"وہ مجھے جائز حقوق دلانا چاہتے ہیں' ہمارے لیے لڑنا چاہتے ہیں۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"کیا لڑنے کا یہی انداز ہے کہ تمہیں سگریٹ پینا اور شراب پینا سکھایا جائے' وہ تمہیں ایسی بنانا چاہتے ہیں جیسی تم نہیں ہو۔ ہر شخص کو اپنی ذات سے اور اپنی شخصیت سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا اور تم محض عدنان کے خلاف اپنی شخصیت میں' اپنے کردار میں تبدیلی لانا چاہتی ہو۔"

"میں ہمیشہ کے لیے تبدیل ہونا نہیں چاہتی' یہ تو عارضی سی بات ہے۔"

"لیکن ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جیسی ہو' ویسا ہی تمہیں نظر آنا چاہیے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کر سکتی۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ جس طرح سلطانہ سے گھبرا کر حشمت بھاگ گیا' اسی طرح وہ بھی چلا جائے۔"

"تم سلطانہ نہیں ہو۔ اگر ہوتیں تو تمہاری زندگی میں کوئی جانی نہ آتا۔ جارج اور جان جیسے دل پھینک جوان آتے جاتے رہتے۔ لیلیٰ! پلیز' اپنی خوبیوں پر عارضی خرابیوں کا پردہ نہ پڑنے دو۔"

وہ خاموش رہی۔ جانی کو معقول جواب نہ دے سکی۔ رات کو تنہائی میں سوچنے لگی۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟ کن راستوں پر چلنا چاہیے۔ جانی میں رقابت کا جذبہ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اب تک عدنان کے خلاف بہت سے منصوبے بنائے جا سکتے تھے۔ فادر جوزف نے اسے ایمانداری اور شرافت کا جو درس دیا تھا' وہ اس پر عمل کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ اس طرح بات نہیں بن سکتی۔ یہ شرافت کا زمانہ نہیں ہے۔ سیدھا سادا آدمی منہ تکتا رہ جاتا ہے اور کوئی مکاری سے بازی جیت لیتا ہے۔ اگر میں سلطانہ کے طور طریقے اختیار کروں گی تو عدنان مجھ سے بدظن ہو جائے گا۔ مایوس ہو کر واپس چلا جائے گا۔ پھر عارضی طور پر ایسے طور طریقے اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں بگڑ جاؤں گی اور سچ مچ سگریٹ اور شراب کی طرف مائل ہو جاؤں گی۔"

دوسرے دن اس نے جانی سے کہا۔ "کل سات تاریخ ہے' تم بھی میرے ساتھ

ائیرپورٹ چلو گے۔"

"یہ مناسب نہیں ہے۔ وہ تمہاری خاطر پاکستان سے آرہا ہے' تمہارا مہمان ہے۔
پہلے تمہیں جا کر ریسیو کرنا چاہیے۔ میں کل شام کو نارتھ اسٹار میں تمہارا انتظار کروں گا۔
تم عدنان کے ساتھ وہیں آنا۔ وہیں ہم ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں گے۔"

اس روز جانی سے مختصر سی ملاقات رہی۔ وہ خود بھی زیادہ سے زیادہ تنہائی میں
وقت گزارنا چاہتی تھی تاکہ سگریٹ پینے کی مشق اچھی طرح ہو جائے۔

اس نے ایک دکان سے وہسکی کی چھوٹی سی بوتل خرید لی تھی۔ اسے چھپا کر اپنے
کمرے میں لے آئی تھی۔ پھر اس نے پرفیوم کی ایک بوتل کو خالی کیا' اس میں وہسکی
انڈیل لی' پھر اسے بند کر دیا۔ اب اسے اسپرے کرنے کے بعد لباس میں پرفیوم کی جگہ
وہسکی اسپرے ہوتی اور اس کی بُو آتی رہتی جیسے پینے کی عادی ہو۔ اس طرح وہ پینے کی
لعنت سے نجات حاصل کر سکتی تھی۔

آخر سات تاریخ کی صبح طلوع ہو گئی۔ یوں تو آنے والے مہمان کے لیے اس کے
والدین نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ اوپری منزل میں ٹھیک لیلیٰ کے کمرے کے سامنے ایک کمرہ
اس کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ گویا وہ دن رات اٹھتے بیٹھتے اس کی نگاہوں کے سامنے
رہنے والا تھا۔

اس کے والدین صبح جلدی بیدار ہو گئے تھے۔ اسے بھی بار بار آ کر جگایا تھا۔ وہ بار
بار کروٹ بدلتی رہی تھی اور امی سے کہتی رہی تھی۔ "بس ابھی اٹھ رہی ہوں۔"

حالانکہ وہ سوئی نہیں تھی۔ رات کو پتا نہیں' جاگتی رہی تھی یا خیالوں میں اس طرح
کھو گئی تھی کہ نیند میں کھو جانے کا گمان ہوا تھا۔ بہرحال وہ جاگ گئی تھی۔ آخر اسے اٹھنا
ہی تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئی۔ "پتہ نہیں امی ابو کو کیا ہو گیا ہے۔ جیسے عید آ گئی ہو۔
ہمارے ہاں عید میں بھی کون سا اہتمام ہوتا ہے۔ ہم کبھی اتنی صبح بیدار نہیں ہوتے۔
اونہہ۔"

وہ اونہہ' آں کرتی رہی مگر تیار بھی ہوتی رہی۔ اس نے ایک قیمتی سا شلوار سوٹ
پہنا۔ اس کے پاس ایسا کوئی سوٹ نہیں تھا جسے کمتر کہا جا سکتا۔ ورنہ وہ اسے ہی پہن

ں۔ چہرے پر عام دنوں جیسا میک اپ کر رکھا تھا۔ سر سے پاؤں تک ایسی کوئی سجاوٹ
ں تھی جسے عدنان کے نام سے منسوب کیا جاتا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ اس کے والدین بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ امی نے
۔ "یہ تم نے اچھا کیا جو بہت زیادہ میک اپ نہیں کیا۔"

لیلیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بھول گئی تھی کہ ایشیائی لوگ بیک ورڈ ہوتے
۔ وہ بہت زیادہ میک اپ اور فیشن کو پسند نہیں کرتے۔ اسے یاد ہوتا تو وہ بھرپور انداز
فلمی میک اپ کر کے گھر سے نکلتی۔ اس کے ابو نے کہا۔ "ڈرائیور، تمہارے ساتھ جا
ہے۔"

"نہیں ابو، میں تنہا جاؤں گی۔ ڈرائیور کی کیا ضرورت ہے؟"

اس کے والدین نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں۔ ہاں،
اپنے ہونے والے منگیتر سے پہلی بار تنہائی میں ملنا چاہتی ہے۔ آج اس کی کسی بات پر
اض نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے ابو نے کار کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ "تم خود ہی ڈرائیو کرو۔ تمہاری خوشی
ہماری خوشی ہے۔"

اس نے چابی لی۔ باہر آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دروازے کو زور دار آواز کے
بند کیا۔ وہ سارا غصہ اس دروازے پر اتار رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
کس طرح مہمان سے ناگواری ظاہر کرے۔ وہ جو کچھ کرتی آ رہی تھی، جو کہتی آ رہی
ساری باتیں عدنان کی حمایت میں سمجھی جا رہی تھیں۔

وہ ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں پہنچ گئی۔ جہاز آ چکا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر
تھی۔ یہ تاثر نہیں دینا چاہتی تھی کہ اسے خوش آمدید کہنے کے لیے وہ بہت پہلے
موجود ہے۔

اس نے اطمینان سے کار کو لاک کیا پھر اسی اطمینان سے ٹہلنے کے انداز میں چلتے
ایئرپورٹ کے اس حصے میں آئی جہاں مسافر اپنا اپنا اسباب ٹرالی میں رکھ کر باہر آ
تھے۔ وہ بھی ایک ٹرالی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک جگہ رک گئی۔ اسے دیکھنے

لگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بہت ہی عمدہ قسم کا سوٹ اور نکٹائی پہن کر آئے گا تاکہ ا
پرسنالٹی کا رعب جما سکے لیکن وہ محض پتلون اور شرٹ میں تھا۔ اوپر سے ایک سویٹر پہ
رکھا تھا۔

آدمی صحت مند ہو' سر سے پاؤں تک مردانہ وجاہت رکھتا ہو تو عمدہ لباس کا محتا
نہیں ہوتا۔ کیچڑ میں کنول اور گدڑی میں لعل کی طرح معمولی سے لباس میں بھی خو
نمایاں ہوتا ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہی مسکرانے لگا۔ اس نے اب تک اس کی تصویر دیکھی تھی' اب
سے پاؤں سے تک یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہچان لینے کے بعد یقین کرنا چاہتا ہو کہ منزل
لیے دو گام چلا اور سامنے منزل آ ہی گئی۔

لیلیٰ نے بھی اسے چھوٹی اسکرین پر دیکھا تھا۔ تصویر میں یا اسکرین پر پہاڑ کو دیکھو
وہ آنکھ کی پتلی سے بھی چھوٹا نظر آتا ہے' سامنے پہنچو تو معلوم ہوتا ہے' پہاڑ اسے کہتے
جس سر اٹھا کر دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچاننے کا یقین کرتے ہوئے قریب آ
گئے۔ پھر دو قدم کے فاصلے پر رک گئے۔

وہ اپنا ہاتھ اپنے سینے کی طرف لے گیا۔ وہاں جیب میں ہاتھ ڈال کر دھڑکتی ہو
جگہ سے ایک تصویر نکالی۔ اسے دیکھا پھر لیلیٰ پر نظر ڈالی۔ اس کے بعد مسکراتے ہو
اس تصویر کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "دراصل تصویر میں وہ بات نہیں ہوتی' جو سراپا حُ
وجمال میں ہوتی ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا ہوں' تمہارے حسن کو کہاں سے دیکھنا شرو
کروں..."

"یہ تو مجھے کیسٹ سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ باتیں بنانا خوب جانتے ہیں۔"

"انکل نے تمہیں بتایا ہو گا' میں ایڈووکیٹ ہوں۔ ایک ایڈووکیٹ مقدمہ جیتنے
لیے صرف باتیں نہیں بناتا بلکہ دلائل بھی پیش کرتا ہے۔ میں نے تمہارے حُسن
متعلق جو کچھ کہا ہے' اسے درست ثابت کر سکتا ہوں۔ تمہارے پرس میں آئینہ تو ضرو
ہو گا۔"

"ہمیں چلنا چاہیے۔"

عدنان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وڈیو کیسٹ کے ذریعے تعارف ادھورا رہ گیا تھا۔ مجھے یہاں کی یہ بات پسند ہے کہ پہلی ملاقات پر اپنی پسند کی لڑکی سے ہاتھ ملایا جا سکتا ہے۔"

لیلیٰ نے ہچکچاتے ہوئے چور نظروں سے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ کیسا مضبوط اور شکنجہ نما ہاتھ تھا۔ پتہ نہیں' کیسے اچانک ہی اسے امی کی باتیں یاد آگئیں۔ دوپٹہ شانے پر سے ڈھلکا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی اسے درست کیا' آنچل کو سر پر رکھا۔ پھر کہا۔ "جی وہ... اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

وہ سامان کی ٹرالی پش کرنے کے لیے دوسری طرف چلی آئی تاکہ اس کے سامنے نہ رہے۔ وہ بھی اسی طرف آگیا۔ دونوں ٹرالی کو آگے بڑھانے لگے۔ اس نے کہا۔ "لندن کے اس ماحول میں تمہارا یہ مشرقی انداز بہت پسند آیا۔ وڈیو کیمرہ ہوتا تو اسے ریکارڈ کر لیتا۔"

وہ پھر پریشان ہو گئی۔ اس سے جو حرکتیں سرزد ہو رہی تھیں' وہ عدنان کے لیے خوش آئند تھیں اور اس کے اپنے لیے مصیبت بنتی جا رہی تھیں۔

انہوں نے سامان کو ڈکی میں رکھ دیا۔ پھر اس نے اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ عدنان نے چابی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں ڈرائیو کروں گا۔"

اس نے تعجب سے دیکھا پھر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ لندن ہے۔"

وہ جواباً مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہاں' یہ پاسپورٹ میں بھی لکھا ہوا ہے۔"

"دیکھیے مسٹر' آپ زیادہ سمارٹ بننے کی کوشش کریں گے تو حادثہ پیش آ سکتا ہے۔"

"کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تقدیر جو حادثہ تمہارے نام لکھ رہی ہے' تم اس سے بچ سکو گی؟"

لیلیٰ نے اس پر ایک نظر ڈالی' چابی اس کے ہاتھ پر رکھی پھر اس حادثے سے کترا کر کار کے دوسری طرف سے گھومتے ہوئے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عدنان نے اسٹیئرنگ سیٹ

سنبھال لی تھی، کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔ پھر اسے سہولت سے ڈرائیو کرتا ہوا پارکنگ ایریا سے نکال رہا تھا۔ وہ توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے اعتماد کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے، آپ پہلے بھی لندن آ چکے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے، انکل نے میرے متعلق کچھ نہیں بتایا ہے۔"

"میں نے پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔" لیلیٰ نے اپنی دانست میں اس کی انسلٹ کی۔ یہ تاثر دیا کہ وہ اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ اس کے متعلق کچھ پوچھا جا سکے۔

عدنان نے اس کی توقع کے خلاف کہا۔ "یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ ایک ہی بار سب کچھ پوچھ لینے سے وہ بات نہیں رہتی۔ آہستہ آہستہ، ایک ایک ورق کر کے داستان آگے بڑھتی جائے تو تجسس بھی بڑھتا جاتا ہے۔ نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم دانشمندی سے مجھے ایک کتاب کی طرح آہستہ آہستہ پڑھنا چاہتی ہو۔"

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ وہ کہتی کچھ تھی اور یہ سمجھتا کچھ تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "آپ اپنی بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر کیوں کہتے ہیں؟"

"ابھی تمہارے سمجھنے کی عمر ہے اور تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے۔ اس لیے وضاحت سے ہر بات کہتا ہوں۔"

"مجھے نصیحتوں سے چڑ ہے۔"

"ہونا بھی چاہیے۔ میں نے اب تک کوئی بات نصیحت کے انداز میں نہیں کہی۔ اگر کہہ دی ہو تو بتاؤ۔ آئندہ محتاط رہوں گا۔"

وہ کیا بتاتی جبکہ واقعی وہ سیدھے سادے انداز میں گفتگو کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے ڈیش بورڈ کو کھول کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا پھر اس کی طرف بڑھایا۔ عدنان نے کہا۔ "نو، تھینکس۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "اف یو ڈونٹ مائنڈ۔"

"او، نو۔ آف کورس یو مے انجوائے اٹ (مجھے اعتراض نہیں ہے۔ بے شک تم اپنا شوق پورا کر سکتی ہو۔)"

اس نے سگریٹ کو گلابی ہونٹوں کے درمیان دبایا پھر لائٹر سے سلگانے لگی۔ بظاہر

وہ خاموش تھی لیکن اس کے اندر ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ مشرق سے آنے والا عدنان ایک ایسی لڑکی کی سگریٹ نوشی پر ضرور اعتراض کرے گا جسے وہ اپنی دلہن بنانا چاہتا ہے۔

وہ سگریٹ کا ایک ہلکا سا کش لے کر بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ دھواں چھوڑتی رہی تاکہ کھانسی نہ ہو اور چوری پکڑی نہ جائے پھر اس نے پوچھا۔ "کیا واقعی آپ اتنے فراخ دل ہیں کہ میری سگریٹ نوشی پر اعتراض نہیں ہے؟"

"تم میری فراخ دلی کی بات کر رہی ہو' ارے میں کہتا ہوں میری داری اماں نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو خوشی سے کھل جائیں گی۔ وہ حقہ پیتی ہیں۔"

"حقہ؟" لیلیٰ حیرت سے منہ پھاڑ کر چیخ پڑی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "حقہ اسے کہتے ہیں نا' جو ایک مینار کی طرح ہوتا ہے۔ مینار کے اوپری حصے میں انگارے بھرے ہوتے ہیں اور اس کے کسی حصے میں تمباکو بھی ڈالا جاتا ہے اور اس کے کسی ایک حصے میں ایک لمبا پائپ دور تک جاتا ہے اور وہاں بیٹھا ہوا شخص اس آخری سرے کو منہ میں دبا کر کش لگاتا ہے؟"

"بالکل وہی چیز ہے۔ تم نے حقہ کہاں دیکھا ہے؟"

"مجھے یاد پڑتا ہے' کوئی تصویر دیکھی تھی۔ اس تصویر میں کوئی ہندوستانی یا کوئی پاکستانی حقہ پی رہا تھا۔ کیا واقعی آپ کی دادی جان حقہ پیتی ہیں؟"

"ہمارے ملک کے اکثر دیہاتوں میں بعض عورتیں حقہ پیتی ہیں' کچھ ظاہرا اور کچھ چھپ چھپا کر۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "چھپا کر اس لیے پیتی ہوں گی کہ وہاں کے مرد نیرو مائنڈڈ (تنگ نظر) ہوتے ہیں۔"

"کیا تم اپنے والدین کے سامنے سگریٹ پی سکتی ہو؟"

وہ چپ رہی۔ والدین کے سامنے سگریٹ پینے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ عدنان کچھ عرصے ان کے یہاں رہنے والا تھا۔ اسے معلوم ہو جاتا کہ وہ گھر میں سگریٹ نہیں پیتی ہے۔ اس نے کہا۔ "یہاں تنگ نظری کی بات نہیں ہے۔ اصل بات احترام ہے۔ ہمارے

یہاں لڑکیاں شاذ ونادر ہی سگریٹ پیتی ہیں اور جو پیتی بھی ہیں' وہ اپنے بزرگوں کا احترام کرتی ہیں۔ جو شادی شدہ ہوتی ہیں وہ اپنے شوہروں کی پسند ناپسند کا خیال رکھتی ہیں۔ دراصل کوئی بھی بات ہو' وہ اپنے اپنے نقطہ نظر سے سمجھ میں آتی ہے۔ ایک مجرم اور چھٹا ہوا بدمعاش' قانون کے متعلق اپنے نقطہ نظر سے یہی کہے گا کہ میں قانون سے نہیں ڈرتا۔ اس کے برعکس ایک پُرامن شہری کہے گا کہ وہ قانون کا احترام کرتا ہے۔ اگر احترام کو ڈر سمجھا جائے تو یہ غلط بات ہے۔"

"آپ مانیں یا نہ مانیں' قانون کی لاٹھی احترام کرنا سکھا دیتی ہے۔"

"دنیا میں اربوں انسان ہیں۔ وہ لاٹھی سے ڈر کر ایک دوسرے کا احترام نہیں کرتے۔ یہ اپنے اپنے شعور اور سمجھ کی بات ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ بے شک ہمیں ڈرنا چاہیے کہ اسے ہاتھ لگائیں گے تو ہاتھ جلے گا۔ اس سے کھانا پکائیں گے تو پیٹ بھرے گا۔ قانون اگر ہاتھ جلاتا ہے تو ہاتھ جلانے کا مثبت عمل یہ ہے کہ اس سے امن وامان قائم رہتا ہے۔ اگر ہم بزرگوں کے سامنے سگریٹ نوشی سے پرہیز کرتے ہیں تو ہماری تہذیب سلامت رہتی ہے۔ بات ڈر کی نہیں ہے' بات امن وامان اور سلامتی کی ہے۔"

لیلیٰ نے کش لیتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ "یہ ہار ماننے والا نہیں ہے تو میں بھی اس سے کم نہیں ہوں۔"

اس نے پھر سگریٹ کا ایک کش لیا۔ عدنان نے کہا۔ "آج میں تمہارے بارے میں ایک دعویٰ کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے' ابھی تسلیم نہ کرو لیکن ایک دن ضرور کرو گی۔"

"میں بھی تو سنوں' آپ کا دعویٰ کیا ہے؟"

"یہی کہ تمہاری زندگی میں جو بھی چاہنے والا ہے' خواہ میں ہوں یا کوئی اور' اسے تمہاری سگریٹ نوشی پسند نہیں ہوگی تو کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔ اگر طلب سے مجبور ہو جاؤ گی تو اس سے چھپ کر دو چار کش لگا لیا کرو گی۔"

وہ فوراً ہی منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگی۔ اس نے کیسی سچی بات کہہ دی تھی۔ جانی کو سگریٹ نوشی پسند نہیں تھی۔ اس نے بیزار ہو کر ایش ٹرے میں سگریٹ بجھا دیا۔ کیا فائدہ تھا۔ اس پر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ سگریٹ مصیبت

تنگ رہا تھا' دھوئیں سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ پینا چاہتی ہوں۔"

عدنان نے ایک پب کے قریب گاڑی روک دی پھر دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کیا لو گی۔ بیئر' مارٹنی' وہسکی ودھ ہاٹ واٹر۔"

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔ وہ اپنی ذات سے نفرت دلانے کے لیے ایک پینے والی کا ڈھونگ رچانا چاہتی تھی لیکن ابھی مناسب نہیں تھا کیونکہ اسے گھر لے جانا تھا اور اپنے والدین کا سامنا کرنا تھا۔ اگر مناسب ہوتا تو وہ ایئرپورٹ پر ملنے سے پہلے ہی اپنے کپڑوں پر تھوڑی سی وہسکی اسپرے کر لیتی۔

اور اس کے پیشِ نظر تو صرف اسپرے کرنے کی بات تھی تاکہ اس کی بُو سے وہ بدظن ہو جائے لیکن یہاں تو وہ پینے کے لیے پوچھ رہا تھا۔ جبکہ وہ شراب جیسی چیز کو کبھی منہ لگانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے' حلق تر کرنے کے لیے بیئر مناسب رہے گی۔ وہسکی کا لطف شام کو آتا ہے۔"

وہ کار سے باہر نکل گیا۔ دروازے کو بند کر کے دوسری طرف سے گھومتا ہوا پب کی طرف جانے لگا۔ اس نے آواز دی۔ "سنئے؟"

وہ رک گیا۔ اس کے پاس آ کر کھڑکی کی طرف جھک کر بولا۔ "فرمایئے؟"

"مم.... میں کوک پینا چاہتی ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کوکا کولا کے دو ٹن تھے۔ اس نے ایک ٹن اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر کار کے اگلی طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ لیلیٰ نے پوچھا۔ "آپ نے بیئر نہیں لی؟"

"میں کبھی نشے کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ یہاں شراب ممنوع نہیں ہے' پاکستان میں قانوناً ممنوع ہے۔ اگر میں محض قانون سے ڈرتا تو پاکستان میں نہ پیتا' یہاں ضرور پیتا۔ وہاں کا قانون یہاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن میں دنیا کے کسی بھی حصے میں چلا جاؤں' اپنے ملکی قوانین کا پابند رہوں گا۔ ہم قانون سے ڈرتے نہیں بلکہ احترام کرتے ہیں تاکہ بیرونی ممالک میں پاکستان کی بھرپور اور سچی نمائندگی ہو سکے۔"

وہ نلکی کو منہ سے لگا کر کوک پینے لگا۔ لیلیٰ کے منہ میں بھی نلکی تھی مگر وہ تھوڑی دیر کے لیے پینا بھول گئی تھی۔

☆---------------☆---------------☆

باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ بیگم نے کہا۔ "وہ آ گئے۔"

حیات مرزا نے اپنی طرف سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ اتنی جلدی ایئرپورٹ سے کیسے آ سکتے ہیں؟"

وہ ڈرائنگ روم سے چلتے ہوئے بیرونی دروازے تک آئے۔ بنگلے کے احاطے سے باہر ایک سفید ویگن رکی ہوئی تھی۔ اس میں سے بہت سے لڑکے لڑکیاں نکل کر احاطے میں داخل ہو رہے تھے۔ بیگم نے کہا۔ "یہ تو وہی بچے ہیں جنہیں ہم کئی تقریبات میں دیکھ چکے ہیں۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "یہ تو بزرگوں کے سامنے بڑی بے باکی سے پیتے ہیں اور بڑی بے حیائی سے ڈانس کرتے ہیں۔"

وہ سب قریب آ گئے۔ جارج نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ "ہیلو انکل! آپ سے کئی بار ملاقات ہو چکی ہے۔ شاید آپ نے یاد نہ رکھا ہو مگر ہم یاد کر کے چلے آئے۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "اگر مجھ سے کوئی ضروری گفتگو کرنا ہو تو اندر چلے آؤ لیکن مائنڈ نہ کرنا' میں صرف پندرہ منٹ دے سکتا ہوں کیونکہ ہمیں ایک مہمان کا انتظار ہے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "ہمیں معلوم ہے' مسٹر عدنان تشریف لانے والے ہیں۔"

بیگم نے کہا۔ "لیلیٰ نے بتایا ہو گا۔"

"ہاں' اسے آپ دونوں سے شکایت ہے اور ہمیں بھی۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "اگر اسے شکایت ہے تو وہ ماں باپ سے کرے۔ رہ گئی تم لوگوں کی شکایت تو وہ میں ضرور سنوں گا۔"

"انکل! سیدھی سی بات ہے' یہاں کوئی ارینجڈ میرج پسند نہیں کرتا۔ اور آپ ہیں کہ اپنی مرضی سے لیلیٰ کی شادی ارینج کرنا چاہتے ہیں۔"

حیات مرزا نے سخت لہجے میں کہا۔ "برخوردار! یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس سلسلے میں دوسروں سے بات نہیں کر سکتا۔ پلیز! یہاں سے چلے جاؤ۔"

مارٹن نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ایک تو یہ آؤٹ آف ایٹی کیٹ ہے کہ ہمیں گھر میں بٹھا کر اس اہم مسئلے پر بات کرنے کی بجائے ہمیں جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ اس طرح مسئلہ ختم نہیں ہوگا اور زیادہ الجھ جائے گا۔"

"کیا تم چیلنج کر رہے ہو؟"

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں لیکن اس گلی میں موجود رہیں گے۔ جب عدنان یہاں آئے گا تو ہم براہ راست اس سے اس سلسلے میں گفتگو کریں گے۔"

حیات مرزا نے گھبرا کر اپنی بیگم کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ زیادتی ہے۔ ہمارے معاملے میں تم لوگوں کو دخل نہیں دینا چاہیے۔"

"انکل! لیلیٰ نے ہمارے ساتھ تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ یہاں پیدا ہوئی' یہیں جوان ہوئی۔ یہیں کے قانون کے مطابق وہ اپنا حق حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔ یہ فیصلہ گھر کی چاردیواری میں نہیں ہوگا تو عدالت میں ہوگا اور عدالت سے پہلے عدنان کے سامنے ہوگا۔ اسے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ لیلیٰ ارینجڈ میرج کے خلاف ہے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر ایک ایک لڑکی اور ایک ایک لڑکے کو دیکھا پھر شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "اندر آجاؤ۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ بیگم نے عاجزی سے کہا۔ "تم سب میرے بچوں کی طرح ہو اور تعلیم یافتہ بھی ہو۔ اتنا تو سمجھتے ہو کہ ہم سب اپنی اپنی تہذیب سے وابستہ ہیں اور اسی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔"

ایک نے کہا۔ "آپ کی طرح لیلیٰ بھی اپنی تہذیب سے وابستہ ہے اور ہماری تہذیب اس کی تہذیب ہے۔"

کنول رانی نے کہا۔ "آنٹی! آپ اس بات کا جواب دیں۔ کیا لیلیٰ عدنان سے شادی کر کے اپنی خوشی سے پاکستان جانا چاہتی ہے یا آپ جبراً ایسا کر رہے ہیں؟"

بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہم جہاں رشتہ کر رہے ہیں' وہ لوگ لیلیٰ کو بے حد چاہتے ہیں اور وہ لیلیٰ کی پسند اور اس کے مزاج کا پورا خیال رکھیں گے۔"

مارٹن نے کہا۔ "عدنان ایشیائی ہے اور لیلیٰ برطانوی۔ ایشیائی اور انگریز کی دوستی اور رشتے داری بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ مشکل اس لیے کہ ایشیائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے عادی ہیں۔ بیٹا بہو لے کر آتا ہے اور ایک ہی مکان میں اپنے والدین کے ساتھ بہو کو رکھتا ہے' اپنی کمائی بیوی کو نہیں والدین کو دیتا ہے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "مشرقی روایات کے مطابق شوہر سے زیادہ والدین کی اہمیت ہوتی ہے۔ بزرگوں کے سائے میں زندگی گزاری جاتی ہے۔ جبکہ لندن میں بیٹا شادی کے بعد والدین سے الگ ہو کر بیوی کے ساتھ آزادانہ زندگی گزارتا ہے۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "میں یقین دلاتا ہوں' شادی کے بعد لیلیٰ پوری آزادی سے زندگی گزارے گی۔ ہم اپنے ہونے والے داماد کو یہیں رکھیں گے اور وہ ہمارا تمام کاروبار سنبھالے گا۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ لیلیٰ کو اپنے خاندان میں لے جا کر اسے مشرقی انداز میں ساس اور سسر کے رحم وکرم پر چھوڑ دے۔"

کنول رانی نے کہا۔ "بے شک آپ لیلیٰ کی بھلائی کا سوچیں گے اور اسے یہیں رکھنا چاہیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے' لیلیٰ کیا چاہتی ہے' کس کو چاہتی ہے؟ اگر عدنان کو چاہتی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے پھر تو یہ ارینجڈ میرج نہ ہوئی۔ ہاں' اگر وہ جانی کو چاہتی ہے اور آپ جبراً اسے عدنان سے منسوب کرنا چاہتے ہیں تو یہ قابل اعتراض ہے۔"

حیات مرزا نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی پھر کہا۔ "وہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ کیا یہ گفتگو فوری طور پر اس سمجھوتے پر ختم نہیں ہو سکتی کہ اس کا فیصلہ ہم لیلیٰ پر چھوڑتے ہیں۔ اس نے جانی کو دیکھا ہے' پرکھا ہے اور اسے پسند کیا ہے۔ اب وہ عدنان کو دیکھنے اور پرکھنے والی ہے۔ اس کے بعد جو فیصلہ سنائے گی' ہم اس پر عمل کریں گے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "ہاں' یہ بات معقول ہے۔"

جارج نے کہا۔ "خاک معقول ہے جبکہ ہم جانتے ہیں' وہ جانی کو پسند کرتی ہے اور نے عدنان سے منسوب ہونے کی مخالفت ہمارے سامنے کی ہے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "میں تمہاری بات مانتی ہوں لیکن اگر لیلیٰ کچھ وقت عدنان کے گزار لے' اسے دیکھ لے' سمجھ لے' پرکھ لے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ جس طرح میرا یہاں آیا تھا اور الٹے پاؤں واپس چلا گیا' اسی طرح ایک دن عدنان بھی چلا جائے گا۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "بیٹی! میں نہیں جانتا' تمہارا منگیتر کیوں واپس چلا گیا۔ نہ ہی چھنا چاہوں گا۔ میں صرف اتنا پوچھتا ہوں' تم یہاں کسی لڑکے کو پسند کرو گی تو کیا اس دان' اس کا شجرہ نہیں دیکھو گی۔ اپنے خاندان سے کمتر خاندان والے کو پسند کرو

سلطانہ نے کہا۔ "یہ میری انسلٹ ہے۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔"

جارج نے کہا۔ "ہم خاندانی لوگ ہیں۔ اپنا اسٹیٹس پہلے دیکھتے ہیں۔"

"تو پھر جانی کا خاندان اور اس کا اسٹیٹس کیوں نہیں دیکھتے؟"

"دیکھنا کیا ہے۔ لیلیٰ نے جب پسند کیا تو دیکھ بھال کر ہی پسند کیا ہو گا۔"

"وہ نادان ہے' میں تم لوگوں سے پوچھ رہا ہوں۔ جس لڑکے کا کوئی خاندان نہ ہو' شجرہ نہ ہو' اس کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو۔ کیا ہم لیلیٰ کو اس سے منسوب کر دیں؟"

سب نے سوالیہ نظروں سے حیات مرزا کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "معلوم ہوتا تم جانی کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے ہو۔ سوچے سمجھے بغیر اس کی وکالت کرنے آئے ہو۔"

ایک نے پوچھا۔ "آپ کیا جانتے ہیں؟"

"وہی جو دنیا جانتی ہے' وہی جو فادر جوزف جانتے ہیں اور وہی جو لاوارثوں کے ے اور ہاسٹل کے منتظمین جانتے ہیں۔"

ایک نے حیرانی سے کہا۔ "اوہ گاڈ! اس کا مطلب ہے' جانی کسی لاوارث ادارے پرورش پاتا رہا ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' جانی کے ماں باپ نہیں ہیں۔"

تیسرے نے کہا۔ "ماں تو ضرور ہو گی' باپ نہیں ہے۔"
ایک اور نے کہا۔ "باپ بھی ضرور ہو گا مگر گنہگار ہو گا۔ کہیں منہ چھپا رہا ہو گا۔
حیات مرزا ان کی باتیں سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ پھر انہوں
پوچھا۔ "تم لوگ مانتے ہو کہ لیلیٰ کا انتخاب غلط ہے' وہ نادان ہے۔"
جارج نے کہا۔ "وہ نادان نہیں' بہت چالاک ہے۔ اس نے ہم سب کو بیوقو
بنایا ہے۔ ہم نے اسے چیلنج کیا تھا کہ وہ تہذیب کے دوہرے عذاب میں مبتلا ہے۔ ا
یہاں کا کوئی بھی انگریز لڑکا لفٹ نہیں دے گا' اس سے دوستی نہیں کرے گا۔ شادی کر
دور کی بات ہے۔"
کنول رانی نے کہا۔ "ہمارا چیلنج درست تھا لیکن اس نے چالاکی دکھائی۔ ج
اسے کوئی معقول خاندانی لڑکا نہیں ملا تو اس نے جانی سے دوستی کرلی۔"
سلطانہ نے حقارت سے کہا۔ "اچھا ہوا دوستی کر لی۔ خود ہی اپنے منہ پر تھو
رہی ہے۔"
للی نے کہا۔ "چلو اٹھو۔ جیسا کیا ہے' ویسا بھرے گی۔"
وہ سب اٹھ گئے۔ حیات مرزا نے پوچھا۔ "اب تم لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہ
ہے۔"
کنول رانی نے کہا۔ "آپ کی بیٹی نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ اس کی سزا
ہے کہ کسی ایشیائی کے پلے باندھی جائے۔ ہمیں بہت خوشی ہو گی۔"
اگرچہ وہ ان کی بیٹی کے خلاف کہہ رہے تھے مگر حیات مرزا کو خوشی ہو رہی تھی
بعض حالات میں مخالفتوں کے سبب بگڑتے ہوئے رشتے بن جاتے ہیں۔ وہ سب بڑبڑا
ہوئے باہر باغیچے میں آگئے۔ مارٹن نے کہا۔ "جانی سے اس کا رشتہ نہیں ہو سکے گا۔ ا
عدنان سے ہو گیا تو وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ یہ کوئی سزا تو نہ ہوئی' سزا تو یہ ہو گی
عدنان سے بھی شادی نہ ہو۔ جانی کو وہ حاصل نہ کر سکے اور ہمارا چیلنج تلوار کی طرح ہمیش
اس کے سر پر لٹکتا رہے۔"
وہ باتیں کرتے ہوئے احاطے سے باہر آئے۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے۔ مارٹ

نے کہا۔ "ہم کہیں آرام سے بیٹھ کر پلاننگ کریں گے۔ پھر اس پر عمل کیا جائے گا۔"

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور وہاں سے جانے لگی۔ دوسری طرف سے لیلیٰ کی کار آرہی تھی۔ جارج نے اپنی گاڑی کی رفتار سست کر دی پھر اسے روک دیا۔ گزرتی ہوئی کار کو دیکھنے لگا۔ کنول رانی نے کہا۔ "لیلیٰ نے شاید ہمیں نہیں دیکھا ہے لیکن جو اس کے پاس بیٹھا ہوا کار ڈرائیو کر رہا ہے، شاید وہی عدنان ہے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "اچھا ہینڈسم ہے۔"

للی نے کہا۔ "تمہارا حشمت اچھی طرح انگریزی بولنا نہیں جانتا تھا اور یہ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے، یہ یہاں کے ماحول کو ہی نہیں، یہاں کی سڑکوں اور گلیوں کو بھی اچھی طرح پہچانتا ہے۔ شاید یہاں کافی عرصہ رہ چکا ہے۔"

جارج نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ لیلیٰ کی کار احاطے میں داخل ہو کر پورچ میں رکی۔ اس کے والدین نے بڑی گرمجوشی سے عدنان کا استقبال کیا۔ حیات مرزا نے اسے گلے سے لگا لیا۔ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں پھر ملازم سے کہا۔ "عدنان میاں کا سامان اندر لے آؤ۔"

عدنان نے کہا۔ "اوہ نو انکل، میں یہاں مستقل رہنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔"

انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔ "پھر؟"

"یہاں میری رہائش کا انتظام ہے۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا میرے استاد ہیں۔ میں ان کی رہنمائی میں پریکٹس کروں گا۔ ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔"

"تم اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہیں رہو گے۔ رہ گئی پریکٹس کی بات تو یہاں سے وقت پر جا سکتے ہو، وقت پر آ سکتے ہو۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، انہوں نے کہا۔ "میں کچھ نہیں سنوں گا۔ اندر چلو۔"

وہ ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا۔ پھر چاروں طرف گھوم گھوم کر حیرانی سے اپنی تصویروں کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد پوچھا۔ "یہ کیا ہے انکل؟"

"اس سے اندازہ لگاؤ ہم تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔"

عدنان نے کن انکھیوں سے لیلیٰ کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "صرف آپ چاہتے ہیں۔"

"ہم سب چاہتے ہیں۔ کیوں بیگم؟ کیوں لیلیٰ؟"

بیگم نے کہا۔ "میں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ وہ پیدا ہوتے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کسی کو چاہا ہے تو وہ تم ہو۔"

عدنان نے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' کیا جواب دینا چاہیے۔ اس نے کہا۔ "مجھے لیلیٰ کی چاہت کا اندازہ ہے۔ آپ اس سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ.........."

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ ایک بار انکل اور آنٹی کو دیکھا پھر دوسری بار لیلیٰ پر نظر ڈالی۔ اس کے بعد کہا۔ "کیونکہ یہ ابھی دو تہذیبوں کے دوراہے پر ہے۔"

عدنان نے اسے ایک مشکل سوال کے جواب سے نجات دلائی تھی۔ وہ زینے کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

اس کی امی نے کہا۔ "بیٹی! عدنان کو اس کا کمرہ تو دکھا دو۔"

"میں دیکھ لوں گا آنٹی۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ آپ اسے جانے دیں۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ سوچنے لگی۔ "یہ کیسا آدمی ہے۔ ایک دم سے دل میں جھانکتا ہے۔ جو بات میری زبان پر نہیں آتی وہ اپنی زبان سے کہہ دیتا ہے۔ میری مشکل آسان کر دیتا ہے۔"

وہ اوپری منزل پر پہنچ گئی۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے ایک ستون کی آڑ میں پہنچ کر رک گئی۔ اس کے دل نے کہا۔ "میری غیر موجودگی میں وہ امی اور ابو سے کیا کہتا ہے' یہ بھی سننا چاہیے۔"

یہ تو محض ایک بہانہ تھا ورنہ اس کے دل نے اور دماغ نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ نپی تلی باتیں کرتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے' ٹھوس دلائل کے ساتھ کہتا ہے۔ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اپنے پیچھے جانے کیسی جانی انجانی دلچسپیاں چھوڑ جاتا ہے کہ دل اور کچھ سننا چاہتا ہے' جانے کیا سننا چاہتا ہے؟

اس کی امی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگانے چلی گئی تھیں۔ اس کے ابو نے پوچھا۔

"بیٹے! سفر کیسا رہا؟"

عدنان نے اوپری زینے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "منزل سامنے ہو تو سفر آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک بات صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں۔ میں یہاں پریکٹس کے لیے آیا ہوں۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا نے یقین دلایا ہے کہ مجھے یہاں کی عدالتوں میں پریکٹس کے مواقع حاصل ہو جائیں گے۔"

"لیکن میرا کاروبار پورے لندن میں پھیلا ہوا ہے۔ تمہیں پریکٹس کی کیا ضرورت ہے؟"

"اول تو میں بزنس کی طرف مائل نہیں ہوں۔ دوسرے ایسا کوئی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہتا جس سے میری خودداری کو ٹھیس پہنچے۔ اگر لیلیٰ نے ہمارے رسم و رواج' ہماری مشرقی تہذیب کو سمجھنے میں دلچسپی لی اور کبھی میرے حق میں فیصلہ سنایا تو میں سسرال سے کچھ نہیں لوں گا' اپنی صلاحیتوں سے اپنا مستقبل بناؤں گا۔"

"میرے بزنس کا کیا ہوگا' میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اسے میرے بعد کون سنبھالے گا؟"

"آپ لیلیٰ کو بزنس کی طرف مائل کریں۔ اگر وہ بھی مائل نہ ہو تو اپنا کاروبار سمیٹ لیں۔ جب آپ نے بیٹا کہا ہے تو مستقبل کی فکر کیسی؟ میں آپ کے بڑھاپے کا سہارا بن کر رہوں گا۔"

"اللہ تعالیٰ تمہیں اور زیادہ نیکی کی توفیق دے۔ میں نے جتنا تمہارے متعلق سنا تھا' تم اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہو۔"

تھوڑی دیر بعد بیگم نے آ کر کہا۔ "بیٹے! کھانا تیار ہے۔ آؤ' ڈائننگ روم میں چلیں۔" پھر انہوں نے اوپری زینے کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ "لیلیٰ' آ جاؤ۔ عدنان میاں کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔"

ماں نے ایسا کہنے کے دوران سمجھ لیا کہ بیٹی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ وہیں ریلنگ کے پاس ہی ستون کی آڑ میں کھڑی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی اس کا دوپٹہ اس ستون کے پیچھے سے جھلکنے لگتا تھا۔ حیات مرزا نے اپنی بیگم کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے ادھر

دیکھا۔ عدنان نے کہا۔ "انکل! اردو شاعری بڑی ہمہ گیر ہے۔ شاعروں نے ہر موقع کے لیے کوئی نہ کوئی شعر موزوں کیا ہے۔ اس وقت مجھے ایک مصرعہ یاد آ رہا ہے۔

اٹھیں گے پردہ ہائے بام و در آہستہ آہستہ

بیگم اور حیات مرزا مسکرانے لگے۔ عدنان نے کہا۔ "ہمیں ڈائننگ روم میں چلنا چاہیے اور آنے والے کے لیے آنے کا راستہ چھوڑنا چاہیے۔"

وہ وہاں سے ڈائننگ روم میں آئے۔ میز پر پُرتکلف کھانا چنا ہوا تھا۔ طرح طرح کی ڈشیں تھیں۔ عدنان نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "انکل! کیا آپ لوگ ایک وقت میں اتنی ڈشیں چکھ لیتے ہیں یا میرے لیے تکلف کیا گیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم کھاؤ اور اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

"اپنے گھر میں اتنی ڈشیں کبھی نہیں پکائی جاتیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسے اپنا گھر سمجھوں تو آئندہ ایک وقت میں ایک ہی ڈش ہونی چاہیے۔"

"اچھی بات ہے' یہی ہوگا۔"

انہوں نے کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں لیلیٰ آگئی۔ وہ میز کے اطراف اس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بیگم اور عدنان کے درمیان ایک کرسی خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ یوں تو اس بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کی اور کئی کرسیاں خالی تھیں لیکن درمیانی کرسی خالی نہیں چھوڑی جا سکتی تھی اور اسے موقع بھی نہیں دیا گیا۔ بیگم نے کہا۔ "آؤ بیٹی۔ یہاں بیٹھو۔"

وہ عدنان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ "میزبان اپنے مہمان کی طرف کھانے کی ڈشیں بڑھاتا ہے۔ چونکہ میزبان لیٹ ہو گئی' اس لیے مہمان یہ فرض انجام دے رہا ہے۔"

اس نے ایک ڈش لیلیٰ کی طرف بڑھائی۔ اس نے مسکراتے ہوئے دیر سے آنے کی معذرت چاہی۔ پھر کھانے میں مصروف ہو گئی۔ وہ کھانے کے دوران خاموش نہیں تھا۔ ایسی کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتا تھا کہ آنٹی اور انکل بھرپور قہقہے لگاتے تھے۔ اس کے نتیجے میں لیلیٰ کو بھی مسکرانا پڑتا تھا۔ کبھی جبراً اور کبھی بے اختیار۔

حیات مرزا نے کہا۔ "اس طویل سفر نے تمہیں تھکا دیا ہوگا۔ آج آرام کرو۔ کل

لی تمہیں لندن کی سیر کرائے گی۔"

لیلیٰ کو یاد آیا' آج شام جانی سے ملاقات کا وعدہ تھا۔ اس نے کہا۔ "ابو! میں نے
ں سے وعدہ کیا ہے' انہیں عدنان صاحب سے ملاؤں گی۔ ہم شام کو نارتھ اسٹار
گے۔"

"نارتھ اسٹار؟ کیا یہ کسی کلب کا نام ہے؟"

"جی ہاں سوئس کاٹیج کے علاقے میں نارتھ اسٹار پبلک ہاؤس ہے۔ وہاں میری
ں انتظار کریں گی۔"

عدنان نے کہا۔ "دیکھیے انکل! لیلیٰ کو مجھ پر کتنا اعتماد ہے۔ مجھ سے کوئی مشورہ کیے
ں سہیلیوں سے ملانے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ میں آج اور ہمیشہ لیلیٰ کے اعتماد پر پورا
ہوں گا۔"

وہ سر جھکا کر کھاتی رہی اور سوچتی رہی۔ "میں ایٹی کیٹ اور مینرز کو خوب سمجھتی
مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں نے اس بات کا خیال نہیں رکھا۔ پہلے مجھے عدنان سے کہنا
تھا کہ میں شام کو جانی سے اس کا تعارف کرانا چاہتی ہوں لیکن تمام راستے سوچتی
رہی یہاں بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ امی ابو کے سامنے بے اختیار شام کا پروگرام پیش کر
ں سے دو ہی باتیں سمجھی جا سکتی ہیں یا تو میں ایٹی کیٹ اور مینرز کا خیال نہیں رکھتی یا
ن پر بھرپور اعتماد کرتی ہوں۔"

کھانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔ عدنان نے پوچھا۔ "لیلیٰ! ہمیں کس
نا چاہیے؟"

"شام پانچ بجے۔"

"اچھی بات ہے' ابھی میں آرام کروں گا۔ کیا تم مجھے میرا کمرہ دکھانا پسند کرو گی؟"

"آف کورس' آیئے۔"

وہ دونوں زینے کی طرف جانے لگے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ حیات مرزا
ور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔" پھر دوسری طرف سے سننے لگے۔ اس کے بعد کہا۔ "بھئی
ہمارا فون ہے۔ کوئی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔"

عدنان زینے پر سے پلٹ کر بولا۔ "تعجب ہے۔ میں اتنا پاپولر کیسے ہو گیا' یہاں
ہی میرے نام کال آگئی۔"

بیگم نے کہا۔ "شاید بیرسٹر ہمایوں مرزا بات کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ ریسیور کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "مجھے یہاں کا نمبر نہیں معلوم تھا پھر
صاحب کو کیسے معلوم ہو گیا؟"

اس نے ریسیور لے کر کہا۔ "ہیلو' میں عدنان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے جواب سنائی دیا۔ "میں ایک اجنبی بول رہا ہوں۔ میرے
پاس کئی دوست لڑکے اور لڑکیاں موجود ہیں۔ میں سبھی کا تعارف کرا سکتا ہوں لیکن
آپ کے میزبانوں کو اور خصوصاً لیلیٰ کو ہمارا تعارف پسند نہ آئے۔"

عدنان نے ریسیور کان سے لگائے' زینے پر کھڑی لیلیٰ کو دیکھا پھر آنٹی اور انکل
نظر ڈالی۔ اس کے بعد یک بیک ہنستے ہوئے بولا۔ "اچھا مسٹر رابرٹ! یہ تم ہو۔ بھائی
نے پہچان لیا۔ تعارف کی کیا ضرورت ہے۔ صرف کام کی باتیں ہونی چاہئیں۔ مگر یہ تو
تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اس نمبر پر مل سکتا ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "یار! بڑے گھاگ معلوم ہوتے ہو۔ میزبانو
موجودگی میں کس خوبصورتی سے بات بنا رہے ہو۔"

عدنان نے کہا۔ "اچھا اچھا' میں سمجھ گیا۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری کے ذریعے معلو
ہے۔ چلو معلوم تو ہو گیا۔ اب کام کی بات کرو۔"

اس دوران لیلیٰ اوپری منزل پر پہنچ گئی تھی۔ اپنے کمرے کی طرف جا رہی
دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میرا نام جارج ہے۔ میرے آس پاس سلطانہ' کنول را
مارٹن' راما راؤ اور مراد بیٹھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہم تمہارے مخالف تھے
نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے ملک میں پیدا ہونے والی' ہمارے ماحول میں پرورش پا
ہمارے قانون کے سائے میں زندگی گزارنے والی لڑکی کو ارینجڈ میرج کے ذریعے
گزارنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کی جائے او
یہاں سے پاکستان بھیج دیا جائے۔"

وہ چند ساعتوں کے لیے چپ ہوا۔ عدنان نے کہا۔ "آگے بولو۔ میں سن رہا
ں۔"

اس بار سلطانہ نے ریسیور لے کر کہا۔ "میں سلطانہ بول رہی ہوں۔ میری شادی
طرح کی جانے والی تھی۔ یہاں میرا منگیتر آیا تھا پھر یہاں کے ماحول اور ہمارے طور
یقوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ لیلیٰ نے مجھ سے پوچھا' ایسے منگیتروں کو بھگانے کا کیا طریقہ
؟ میں نے اسے بتایا' سگریٹ اور شراب پیو' تمہارے سامنے کوئی مسلمان منگیتر نہیں
رے گا۔ میرا خیال ہے' لیلیٰ یہی ڈراما تمہارے ساتھ پلے کرے گی' کیا تم ٹھہر سکو
؟"

"میں بہتا ہوا دریا ہوں۔ ٹھہرنا نہیں جانتا۔ اپنے ساتھ ٹھہرنے والوں کو بہا کر لے
ہوں۔ تم اپنی بات کرو۔"

اس بار مردانہ آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں مارٹن بول رہا ہوں۔ ہم
رے خلاف احتجاج کرنے مسٹر حیات مرزا کے ہاں پہنچے تھے۔ جب تم وہاں آئے' اس
ت ہم جا رہے تھے۔ وہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ بالغ ہونے کے باوجود لڑکیاں نادانی کرتی
۔ جیسا کہ لیلیٰ کر رہی ہے۔ ہم نے اسے چیلنج کیا تھا کہ ایسی شرمیلی اور مشرقی انداز
لڑکی کو کوئی انگریز لڑکا لفٹ نہیں دے گا۔ اس نے ضد میں آ کر جانی سے لفٹ حاصل
۔ ہم چیلنج کرنے والوں کے منہ پر جوتا مارنا چاہا' وہی جوتا اس کے منہ پر پڑ رہا ہے۔ جانی
رٹ ہے' اس کا کوئی شجرہ نہیں ہے' کوئی خاندانی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ ہم جانتے
لیلیٰ ضدی ہے' ان باتوں کو اہمیت نہیں دے گی مگر ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ جانی
خلاف ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ ہماری بھرپور کوشش ہو گی کہ لیلیٰ تمہاری شریک
ت بن جائے۔"

عدنان نے پوچھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سب ارینجڈ میرج کے خلاف نہیں
"

"ہاں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔"

"تو پھر سلطانہ سے کہو۔ وہ اپنے بھاگنے والے منگیتر کو واپس بلائے اور ارینجڈ

میرج کے مطابق اسے اپنا جیون ساتھی بنا لے۔"

"اس کا منگیتر اس کے قابل نہیں ہے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں لیلیٰ کے قابل ہوں؟"

دوسری طرف سے غصے میں کہا گیا۔ "تم عجیب آدمی ہو۔ ہم تمہاری حمایت کر رہے ہیں۔ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ تمہاری مشکل آسان کرنا چاہتے ہیں اور تم ہم سے بحث کر رہے ہو۔"

عدنان نے بات کاٹ کر کہا۔ "پلیز' میری بات کو سمجھو۔ میں ایک ایڈووکیٹ ہوں۔ بڑے سے بڑا مقدمہ لڑنے کے لیے بھری عدالت میں تنہا جاتا ہوں اور یہ تو میری زندگی کا مقدمہ ہے۔ اسے بھی تنہا لڑوں گا۔ تم لوگوں کی پیش کش اور تعاون کا شکریہ۔ اپنی یہ مہربانیاں دوسروں کے لیے بچا کر رکھو۔"

اس نے ریسیور کو رکھ دیا۔ دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔ "یُو پاکستانی ایڈووکیٹ! یہ برطانیہ ہے۔ یہاں بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ تم ہماری پیش کش کو ٹھکرا کر ہماری انسلٹ کر رہے ہو۔ تم نے ہماری دوستی کو ٹھکرا کر دشمنی مول لی ہے۔ یہ دانشمندی نہیں ہے۔"

وہ چپ ہو کر جواب کا منتظر رہا لیکن جواب نہیں ملا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو' ہیلو! تم سن رہے ہو یا مر گئے ہو؟"

للی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ کہیں لائن تو نہیں کٹ گئی؟"

"معلوم ہوتا ہے' اس نے ریسیور رکھ دیا ہے۔"

انہیں لیلیٰ کی آواز سنائی دی۔ "ایک لائن کٹ گئی' دوسری جاری ہے۔ ابھی تم لوگوں نے کہا تھا کہ میری نادانی سے میرے منہ پر جوتا پڑا ہے۔ ذرا آئینہ دیکھو۔ وہی جوتا تم سب کے منہ پر پڑ چکا ہے۔ اگر تم اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ سوسائٹی میں رہنے کا دعویٰ کرتے ہو تو اعلیٰ ظرفی کو سمجھو۔ سمجھ میں نہ آئے تو آج ہمارے گھر میں پاکستان سے اعلیٰ ظرفی امپورٹ ہوئی ہے۔ میرے مہمان سے جب چاہو مل سکتے ہو اور بہت کچھ سیکھ سکتے ہو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کے اندر جانے کیسا تجسس بھرا ہوا تھا کہ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے ریسیور اٹھا کر عدنان سے ہونے والی گفتگو سنی تھی۔ اس کے خواب وخیال میں یہ بات نہیں تھی کہ اس کی پرانی سہیلیاں اور ساتھی عدنان کے پہنچتے ہی زہر اگلنا شروع کر دیں گے۔

ان کی باتیں سن کر اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ درمیان میں ہی غصے سے بول پڑتی لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا تھا۔ ایک تو فون پر چپکے سے گفتگو سننا غیراخلاقی حرکت تھی' دوسرے عدنان کو معلوم ہوتا کہ وہ اس کی ذاتی گفتگو سن رہی ہے تو یہی خوش فہمی ہوتی کہ وہ اس کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی (حالانکہ ایسی ہی بات تھی۔)

نیچے ڈرائنگ روم میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یقیناً اس کی امی اور ابو' عدنان سے جانی کے متعلق گفتگو کر رہے ہوں گے۔ فون پر ہونے والی گفتگو پر بھرپور تبصرہ ہو رہا ہوگا۔ کچھ تو جارج' مارٹن اور ان کی گرل فرینڈز کے خلاف کہا جا رہا ہوگا اور جانی کے خلاف کچھ زیادہ ہی نفرت آمیز رویہ اختیار کیا جا رہا ہوگا۔

وہ پس وپیش میں تھی' نیچے جائے یا نہ جائے؟ اس نے اب تک عدنان سے جانی کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا' شام کو اچانک نارتھ اسٹار میں اس سے ملاقات کرائے گی۔ وہیں عدنان کو پتہ چل جائے گا کہ وہ جانی سے کتنی شدید محبت کرتی ہے۔

لیکن اب وہ ایسا ڈرامائی انداز اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ ان کمبختوں نے بڑے ہی بھونڈے انداز میں جانی کو پیش کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس نے چیلنج سن کر اور ضد میں آ کر جانی کو اپنا آئیڈیل مان لیا ہے۔ اب نہ جانے اس کی امی اور اس کے ابو جانی کو اور کس انداز میں پیش کر رہے ہوں گے۔

وہ چین سے نہ بیٹھ سکی' فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔ اب ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔ عدنان کہہ رہا تھا۔ "انکل! جانی کا کوئی تو بیک گراؤنڈ ہوگا۔"

"بیٹے! تم...... تم گھر میں بھی وکیلوں کی طرح جرح کر رہے ہو۔"

"یہ میرا فرض ہے۔ ہر وہ بات جو فیصلہ طلب ہوتی ہے' اس کا نقطہ آغاز ضرور ہوتا ہے اور میں یہی سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا نقطہ آغاز یہی ہے کہ برسوں پہلے ایک فساد زدہ علاقے میں پایا گیا تھا۔ ایک قانون کا محافظ افسر اسے فادر جوزف کے حوالے کر گیا تھا۔"

"فادر جوزف نے اس کے متعلق چھان بین کی ہو گی؟"

"فادر نے کچھ بھی کیا ہو' ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔"

"جانی آپ کی' میری اور لیلیٰ کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"

حیات مرزا نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم لیلیٰ کو بھلے برے کی پہچان کراؤ گے۔"

"میں یہی کر رہا ہوں۔ لیلیٰ کو بھلے برے کی پہچان کرانے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس کی پہچان کریں۔ جب تک ہم جانی کو نہیں سمجھیں گے' لیلیٰ کو سمجھا نہیں سکیں گے۔"

"اب سمجھنے کے لیے کیا ہے۔ کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ ان کی اور ہماری تہذیب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ زمین آسمان کا فرق اس وقت بھی تھا جب آپ پہلی بار لندن آئے' یہ فرق اس وقت بھی تھا جب آپ نے یہاں کاروبار کیا' یہ فرق اس وقت بھی تھا جب آپ نے یہاں رہائش اختیار کی' یہ فرق اس وقت بھی تھا جب آپ لیلیٰ کی پیدائش کے ذمے دار ٹھہرے اور یہ فرق آج بھی ہے جب لیلیٰ اس عمر کو پہنچ چکی ہے جہاں سر اٹھا کر اور یہاں کے قانون کا سہارا لے کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔"

"لیکن وہ غلط فیصلہ کر رہی ہے۔"

"یہی تو میں کہتا ہوں۔ جہاں جہاں وہ غلطی کر رہی ہے' اس کی نشاندہی ہونی چاہیے۔ لیلیٰ نادان نہیں ہے۔ جب ہم صحیح طور پر نشاندہی کریں گے تو وہ ہماری باتوں کو سمجھے گی۔ اگر ہم چیلنج کریں گے تو وہ ضدی ہے اور ضدی ہو جائے گی۔"

لیلیٰ اوپر راہداری میں کھڑی ہوئی تھی۔ خوشی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا لیکن وہ حیران حیران نظروں سے عدنان کو دیکھ رہی تھی۔ جسے وہ دشمن سمجھ رہی تھی' جسے وہ جانی کا رقیب کہتی تھی۔ وہ ان کی حمایت میں بول رہا تھا۔ بڑی سچی اور کھری باتیں کر رہا تھا۔ اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ اس کی ہر بات دل کو کیسے لگتی ہے اور کیسے اثر انداز ہوتی ہے۔

بیگم نے کہا۔ "عدنان ٹھیک کہتا ہے۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "کیا خاک ٹھیک کہتا ہے۔ اپنے باپ پر گیا ہے۔ اس کا باپ بھی ایسا ہی ضدی ہے۔ جب بھی مجھ سے ملتا رہا اپنی الٹی سیدھی باتوں سے غصہ دلاتا رہا۔ یاد رکھو برخوردار! اگر تم نے میری بیٹی کو تباہی سے نہ بچایا تو میں' میں............"

انہوں نے ایسا کہتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ریوالور نکال لیا۔ اس کے بعد دوسرے ہاتھ کی انگلی سے ریوالور کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں تین گولیاں ہیں۔"

عدنان نے کہا۔ "اصلی ریوالور میں چھ گولیاں ہوتی ہیں۔"

انہوں نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ "احمق لڑکے' یہ اصلی ہے۔ میں نے صرف تین گولیاں رکھی ہیں۔ ایک لیلیٰ کے لیے' اگر اس نے ہماری مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ دوسری گولی اس کی ماں کے لیے اور تیسری میرے لیے ہے۔ کیونکہ ہم اس کی پیدائش کے ذمے دار ہیں' ہم نے غلطی کی جو یہاں آ کر آباد ہو گئے اور ہم نے یہ نہیں سوچا کہ ہماری اولاد یہیں کے رنگ میں رنگ جائے گی۔"

"کیا آپ یہ باتیں مجھے لکھ کر دے سکتے ہیں؟"

انہوں نے پھر غصے سے پوچھا۔ "کیا تمہیں میری زبان پر یقین نہیں ہے۔"

"یقین تو ہے مگر میں آپ سے لکھوانا چاہتا ہوں۔ آپ بیک وقت اقدام قتل اور اقدام خودکشی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کی تحریر پولیس اسٹیشن تک پہنچاؤں گا۔ جب آپ نے ایک ایڈووکیٹ کو اپنے ہاں مہمان بنا کر رکھا ہے تو قانونی کارروائی ضرور ہو گی۔"

انہوں نے تھوک نگل کر پوچھا۔ "کیا تم مذاق کر رہے ہو؟"

"میں بزرگوں سے مذاق نہیں کرتا۔ جب تک یہاں رہوں گا' یہ ریوالور میرے پاس رہے گا یا پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں متنازعہ باتوں کا

فیصلہ انصاف کے تقاضوں سے نہیں، ریوالور کی گولیوں سے کیا جاتا ہو۔"

انہوں نے گہری سنجیدگی سے عدنان کو دیکھا۔ پھر اپنے ریوالور کو۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ چلتے ہوئے عدنان کے قریب آئے۔ پھر تحکمانہ انداز میں بولے۔ "اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔"

عدنان نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے کہا۔ "ایسے نہیں، تم نے ریوالور مانگا ہے۔ مانگنے کے انداز میں ہاتھ پھیلاؤ۔"

عدنان نے اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دیں۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "مجھے تمہاری باتوں سے اور تمہارے انداز سے یقین ہو گیا ہے کہ سچ سچ انصاف کرو گے۔"

انہوں نے ریوالور کو اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے سامنے پہلے کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں آخری فیصلہ اس ریوالور سے کرنا چاہتا تھا۔ اب یہ ریوالور دے کر اپنی بیٹی کا مستقبل تمہارے ہاتھوں میں دے رہا ہوں۔"

عدنان نے مسکراتے ہوئے زینے کی بلندی پر کھڑی ہوئی لیلیٰ کو دیکھا۔ یہ ابھی زمین تھا وہ آسمان تھی۔ جب زمین سے آنکھیں چار ہوئیں تو آسمان کی نظریں جھک گئیں۔

☆============☆============☆

جانی انتظار کر رہا تھا۔ انتظار اس کا کیا جاتا ہے جو مقررہ وقت کے بعد آئے اور انتظار وہ بھی کرتا ہے جو مقررہ وقت سے پہلے آ جائے۔ جانی پہلے آ گیا تھا۔ وہ بھی عدنان سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ شاید بے چین اس لیے بھی تھا کہ وہ عدنان کی موجودگی میں لیلیٰ کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔

گاڑیوں کے اسپیئر پارٹس فروخت کرنے کے بعد فرصت مل گئی تھی۔ وہ ایک گھنٹا کسی دوسری جگہ نہیں گزار سکتا تھا۔ وہی جگہ مناسب تھی جہاں ملاقات طے پائی تھی۔ اس نے بیئر کی ایک بوتل لی پھر وقت گزارنے کے لیے پینے بیٹھ گیا۔ اس نے گلاس میں بیئر انڈیلی، پھر اسے ایک ہاتھ سے اٹھایا۔ پینے سے پہلے اسے دیکھا۔ بیئر کے سنہرے رنگ میں لیلیٰ کا حسن جھلک رہا تھا۔ وہ سونا سونا سی لگ رہی تھی۔

اچانک ہی وہ تصور چھناکے سے چکنا چور ہو گیا۔ بیئر اس کے ہاتھ کو بھگوتے ہوئے

ی قمیض اور کوٹ کی آستینوں تک پہنچنے لگی۔ کسی نے گولی چلائی تھی اور اس کے
کا نشانہ لیا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ جارج ایک طرف کھڑا ہوا اپنی ایئرگن کو
ے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "کیسا نشانہ ہے؟"

جانی نے جیب سے رومال نکال کر اپنے ہاتھ کو پونچھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت
"

دوسری طرف سے مارٹن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہی تو ہم پوچھنا چاہتے
۔ تم جو حرکتیں کر رہے ہو' اس کے جواب میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"کیا میں نے تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہے؟"

پیچھے سے راما راؤ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "یو بلڈی........... تم کوے
رنس کی چال چل رہے ہو۔"

جانی نے پیچھے گھوم کر تنبیہی انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں پہلی اور
ی بار سمجھا رہا ہوں۔ منہ سے گالی نہ نکالو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میز پر جیسے زلزلہ آگیا۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا۔
نے ایک قد آور' صحت مند' باڈی بلڈر نوجوان تھا۔ اس کا نام مراد تھا۔ وہ میز پر ہاتھ
تے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تمہارا وجود ہی گالی ہے اور اگر نہیں ہے تو اپنے باپ کا نام
"

وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چیختے ہوئے بولا۔ "میرے باپ کا نام جوزف
ہے۔"

"یو لائیر' یو چیٹ' فادر جوزف مذہبی رشتے سے سب کے فادر ہیں مگر لہو کے رشتے
تمہارا فادر کون ہے' کیا نام ہے؟ اگر باپ کا نام نہیں ہے' کوئی نشان نہیں ہے تو تم
ہماری برابری کی جرأت کیسے کی؟"

مارٹن نے کہا۔ "ہم لیلیٰ کو اپنے رنگ میں رنگ رہے تھے مگر تم دیوار بن گئے۔ تم
ہم سب کو دھوکا دیا۔ تمہاری وجہ سے ہم نے لیلیٰ کو ڈھیل دی اور وہ ایک پاکستانی کے
چڑھ رہی ہے ورنہ سلطانہ اور کنول رانی کی طرح ہمارے بس میں ہوتی۔"

جانی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اس لیے غصہ دکھا رہے ہو کہ میں نے ایک معصوم لڑکی کو تم لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بننے نہیں دیا۔"

جارج نے اپنی ایئر گن دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس سے مکھی مرتی ہے لیکن اسے نال کی طرف سے پکڑ کر حملہ کیا جائے تو آدمی بھی مر سکتا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایئر گن کے دستے سے اس کے منہ پر ایک ضرب لگائی۔ جانی لڑکھڑاتا ہوا کرسی سمیت پیچھے کی طرف گر پڑا۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ وہ کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ناک سے خون رسنے لگا تھا۔ اسی حالت میں اس کے منہ پر ایک ٹھوکر پڑی۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر گر پڑا۔ لڑھکتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ ان سے ذرا دور ہو کر اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔ اٹھتے ہی اس نے ایک کرسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا پھر اسے چاروں طرف گھمانے لگا۔ اس سے دشمنوں کا کچھ بگڑا تو نہیں مگر وہ ذرا دور ہو گئے۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے ان کے حملوں سے نجات مل گئی۔ اس نے کرسی کو زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں انسانیت کا واسطہ دیتا ہوں، اگر تم سب انسان کے بچے ہو تو انسان کی طرح باتیں کرو۔"

مارٹن نے بیئر کی بوتل کھینچ کر ماری۔ وہ فوراً جھک گیا۔ بوتل اس کے سر پر سے گزرتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ اس نے کرسی کھینچ کر ماری۔ مارٹن اس کی زد میں آ کر اپنی کرسی سمیت لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر گر پڑا۔

نارتھ اسٹار پبلک ہاؤس، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی رومانی پناہ گاہ ہے۔ وہاں بھی نوجوان تھے لیکن اس ہنگامے سے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ جانی نے لپک کر بوتل اٹھا لی پھر اسے میز پر زور سے مارا۔ وہ ٹوٹ کر آدھی ہو گئی۔ اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی میرے قریب آئے گا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی جارج نے ایئر گن سے فائر کیا۔ اس کا چھرّا جانی کے دائیں بازو میں پیوست ہو گیا۔ تکلیف کی شدت سے آدھی بوتل ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ مراد نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک گھونسا مارا۔ وہ اس کے منہ پر ہی زیادہ حملے کر رہے تھے۔ اس کا چہرہ لہولہان ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ بڑا سخت جان تھا۔ دائیں ہاتھ

میں چھرا پیوست ہو گیا تھا۔ تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے باڈی بلڈر مراد کے پیٹ میں گھونسا مارا۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے جھکنے لگا تو جانی نے اپنے سر سے اس کے سر پر ٹکر ماری۔ پھر اسے لیے دھکا دیتے ہوئے میز کے اوپر آیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو زیر کرنا چاہتے تھے۔ وہاں سے لڑھکتے ہوئے وہ کرسی پر آئے' اس کے بعد کرسی سے فرش پر پہنچ گئے۔

وہ تنہا تھا اور مقابلے میں چار تھے۔ ایک سے لڑتا تھا تو باقی تین طرف سے حملے ہونے لگتے تھے۔ اسی وقت لیلیٰ کی چیخیں سنائی دیں۔ "بچاؤ' کوئی جانی کو بچاؤ ہیلپ' پلیز ہیلپ۔"

اس نے عدنان کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "تم منہ کیا تک رہے ہو۔ آگے کیوں نہیں بڑھتے؟"

وہ دور تک نظریں دوڑا رہا تھا۔ پولیس والے دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ جانی کی طرف جانے کی بجائے الٹے قدموں بھاگنے لگا' جیسے کوئی بزدل فرار کا راستہ اختیار کر رہا ہو۔ لیلیٰ نے اپنے ہونٹوں کو غصے سے بھینچ کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بزدل' کاورڈ' آئی ہیٹ یو۔"

وہ جانی کی طرف دوڑتے ہوئے جانے لگی۔ اس وقت تک پولیس والے آ گئے تھے۔ جارج' مارٹن' راما راؤ اور مراد وہاں سے بھاگتے ہوئے اس طرف جا رہے تھے جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی ہیں۔ پولیس والے صرف دو ہی تھے۔ ایک جانی کو سنبھالنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ دوسرا وائرلیس کے ذریعے کیس واردات کی اطلاع پہنچا رہا تھا۔ چاروں کو فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ ان میں دو سفید ویگن کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھے' ایک اگلی سیٹ پر آیا۔ جارج نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھال لی۔ اس نے چابی کو ڈیش بورڈ کی ہول میں ڈالا پھر اسے گھما کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ اسٹارٹ ہوئی مگر آگے نہ بڑھ سکی۔ عدنان نے بڑی پھرتی سے کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر چابی کھینچ لی۔ جاگنے والا انجن پھر سو گیا۔ جارج نے غرا کر دیکھا۔ عدنان نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔"

"ٹو ہیل ود دھ یو۔ کون ہو تم؟"

جارج غصے سے باہر نکلنا چاہتا تھا' ابھی وہ آدھا اندر آدھا باہر تھا کہ عدنان نے کھلے ہوئے دروازے کو زور سے بند کیا۔ جارج کے حلق سے چیخ نکلی۔ اس کے تینوں ساتھی پھرتی سے باہر نکلے۔ عدنان نے پیچھے ہٹتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ پھر کہا۔ "ہالٹ! اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو میں اسے حرکت کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ تینوں جو باہر نکلے تھے' سہم کر اسے دیکھنے لگے' اس نے کہا۔ "میں تمہارے ایک ساتھی کو زخمی کر چکا ہوں۔ باقی تم تین ہو اور میرے ہونے والے سسر نے اس ریوالور میں تین ہی گولیاں رکھی تھیں۔ بڑا عجیب اتفاق ہے۔"

پولیس کی گاڑیوں کے ہارن چیختے ہوئے آ رہے تھے۔ پھر دو گاڑیاں قریب ہی آ کر رک گئیں۔ پولیس والے تیزی سے باہر نکل کر دوڑتے ہوئے آئے' ان چاروں کو عدنان سمیت گھیر لیا۔ ایک ایمبولینس جانی کی طرف جا رہی تھی۔ عدنان نے کہا۔ "میں اس شخص کا ساتھی ہوں جسے ان لوگوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے اسپتال جانے کی اجازت دی جائے۔ میں اپنا بیان ضرور دوں گا۔"

ان چاروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ایک پولیس افسر عدنان کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا ادھر گیا۔ جدھر جانی کو ایمبولینس کے اندر پہنچایا جا رہا تھا۔ لیلیٰ نے عدنان کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے جیسا بزدل نہیں دیکھا۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"آ جائے گی۔ تم ایمبولینس میں جانی کے ساتھ چلو۔ میں گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔"

"ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

پولیس افسر نے کہا۔ "مس' یہ کیا کہہ رہی ہو' ہمیں تمہارے ساتھ ان کے بیان کی بھی ضرورت ہے۔ انہوں نے ان چاروں کو گرفتار کرایا ہے۔"

عدنان نے کہا۔ "آفیسر! یہ محترمہ چاہتی تھیں کہ میں کسی فلمی ہیرو کی طرح جانی

شمنوں سے لڑ پڑوں جبکہ جانی کی طرف دو پولیس والے دوڑتے چلے آ رہے تھے اور
یقین تھا کہ اس پر مزید حملے نہیں ہو سکیں گے بلکہ حملہ کرنے والے بھاگنا ہی چاہتے
میں نے ان کے تیور کو بھانپ لیا اور ان سے پہلے ہی بھاگتا ہوا ان گاڑیوں کے پاس
یا جن میں سے کوئی ان کی ہو سکتی تھی۔ پھر میں نے انہیں سفید ویگن میں بیٹھتے
دیکھا۔ بہرحال دیر ہو رہی ہے۔ زخمی کو فوراً اسپتال پہنچانا چاہیے۔"

لیلیٰ گم صم کھڑی اس کا منہ تک رہی تھی۔ کبھی اسے اور کبھی زخمی جانی کو دیکھ
تھی جسے اسٹریچر پر لٹا کر ایمبولینس کے اندر پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
۔ ایسے وقت اس کا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ کیا اسے شرمندگی کا اظہار کرنا چاہیے یا
ن بن کر رہنا چاہیے۔

وہ فوراً ہی منہ پھیر کر ایمبولینس کے اندر گئی اور جانی کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کا پچھلا
زہ بند کر دیا گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ اسپتال میں تھے۔ جانی کو فوری طبی امداد
ں جا رہی تھی۔ عدنان، پولیس افسر کے ساتھ تھانے چلا گیا تھا۔ جب وہ بیان دے رہا
آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑے ہوئے جارج، مارٹن، راما راؤ اور مراد اسے غصے سے
رہے تھے۔ ایسے ہی وقت جارج اور مارٹن کے والدین اور سرپرست وہاں پہنچ گئے۔
ج کے باپ نے کہا۔ "میرے بیٹے کو بھی چوٹیں آئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
نے بھی اس پر حملہ کیا ہے۔"

عدنان نے کہا۔ "جی نہیں، جارج کی صورت میں نے بگاڑی ہے۔ وہ گاڑی سے
کر فرار ہونا چاہتا تھا، میں نے دروازہ اس کے منہ پر بند کر دیا تھا۔"

پولیس افسر نے کہا۔ "نارتھ اسٹار پبلک ہاؤس کے انچارج کا بھی بیان ہے کہ جانی
بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے جارج نے ایئر گن سے فائرنگ کر کے اس کے بیئر کے گلاس کو توڑا،
کے بعد یہ چاروں اس پر حملہ آور ہوئے۔"

عدنان پولیس اسٹیشن سے واپس اسپتال پہنچا۔ انکوائری کاؤنٹر سے پتہ چلا، اسے
جنسی وارڈ سے اسپیشل وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ کمرے کا نمبر معلوم کر کے وہاں تک
لیکن دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی کھڑکی کے پاس رک گیا۔ کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا

تھا۔ اس کے پیچھے لیلیٰ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "جانی! تمہیں معمولی واقعے سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کہتی ہے تو کہنے دو۔ میں تو دل وجان تمہیں چاہتی ہوں۔ تمہیں اپنا جیون ساتھی بنا کر رہوں گی۔"

"میرے ساتھ تم بھی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گی۔ ایک دو دن کی بات ہو تو ا برداشت کرلے۔ تمہیں ساری زندگی میرے ساتھ رہ کر طعنے برداشت کرنے ہوں گے میرا وجود ہی طعنوں سے بھرپور ہے۔"

"تم میرے لیے محبت سے بھرپور ہو۔ جانی' محبت جسمانی نقص کو نہیں دیکھ پیدائشی محرومیوں کو نہیں سمجھتی۔ محبت کا مطلب یہی ہے کہ محبوب کے ہر نقص' محرومی سے محبت کی جائے۔"

"میں خوب سمجھتا ہوں۔ تم میرے لیے اپنی نیک نامی کو داؤ پر لگا دو گی مگر میر محبت سے باز نہیں آؤ گی لیکن تمہارے والدین نے ہمارا تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ آباؤ اجد کے زمانے سے انہوں نے اپنی خاندانی نیک نامی کو قائم رکھا ہے۔ تمہاری محبت چند دنو سے ہے اور آئندہ چند دنوں تک ہم جئیں گے لیکن وہ صدیوں سے ایک روایت کو قا رکھتے آرہے ہیں۔ ان کی روایات' ان کی تہذیب' ان کی نیک نامی سب کو داؤ پر لگا د دانشمندی نہیں ہے۔ محبت پھر محبت ہے' قربانی چاہتی ہے۔"

"اگر قربانی چاہتی ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں تمہارے ساتھ زندگ نہیں گزاروں گی۔ اس کے بعد میری مرضی ہے میں پھر کسی کے ساتھ زندگی نہیں گزاروں گی۔"

"یہ تو خواہ مخواہ کی ضد ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ کسی اور سے شادی کرلو گی تو محبت مرجائے گی۔ وہ تو ہر حال میں قائم رہے گی۔ خواہ تم ارینجڈ میرج کے مطابق کسی سے شادی کرلو۔ کسی کے بچوں کی ماں بن جاؤ۔ کسی کے بھی گھر میں رہ کر اپنی آخری سانس پوری کرلو مگر اس آخری سانس تک میری محبت تمہارے دل میں دھڑکتی رہے گی۔ محبت کی جیت یہی ہے کہ کوئی جسم کو جیت لینے کے بعد بھی محبت کرنے والی کو یا کرنے والے کو جیت نہیں سکتا۔"

"تم محبت کا فلسفہ کتنا ہی سمجھاؤ' میں آخری بات کہتی ہوں۔ اس کے بعد کچھ نہ
۔ اگر تم نے یہ چاہا کہ میں تمہیں چھوڑ کر کسی اور کی ہو جاؤں تو میں اپنی جان دے
گی۔"

جانی کی گھبرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ "نہیں نہیں لیلیٰ! فار گاڈ سیک۔ ایسی بات
سے نہ نکالنا۔ میں آسکر اور بوبی کا صدمہ سہہ چکا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے' بوبی کیسی
ی تھی۔ اگر ایسی ہی ضد تم نے بھی کی تو میں آسکر کی طرح ہوش و حواس کھو بیٹھوں
پھر میں بھی بھٹکتا ہوا جیک ڈرنکر بن کر کسی گندی جگہ میں جان دے دوں گا۔"

عدنان آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے پر آیا۔ پھر دستک دیتے ہوئے بولا۔ "کیا میں
آسکتا ہوں؟"

لیلیٰ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "آجایئے۔"

وہ اندر آیا تو لیلیٰ نے کہا۔ "جانی! یہ مسٹر عدنان ہیں۔"

جانی نے اپنا بایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔ میں دائیں ہاتھ سے
نہیں کر سکتا۔"

عدنان نے اس کے بائیں ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم
۔ تھانے میں جو بیانات لکھائے گئے' ان سے پتہ چلا' جارج نے ایئر گن سے پہلا فائر بیئر
گلاس پر اور دوسرا فائر تمہارے دائیں بازو پر کیا تھا۔"

"لیلیٰ کے ذریعے آپ سے غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔"

عدنان نے مسکرا کر کہا۔ "اور آج تعارف کی انتہا یہ رہی ہو گی کہ میں بزدل
۔"

لیلیٰ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ جانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ اس بات پر
مدہ ہے حالانکہ اظہار نہیں کر رہی ہے لیکن مجھ سے کہہ رہی تھی۔ اس نے آپ کو
میں غلطی کی ہے۔ آپ نے بڑی ذہانت سے کام لے کر انہیں فرار ہونے کا موقع
دیا۔ اگر وہ فرار ہو جاتے تو گرفتاری سے قبل اپنی ضمانت کروا لیتے۔ اب کم از کم
ت میں تو پہنچ ہی گئے ہیں۔"

"جو لوگ اونچے خاندان سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں' وہ ہتھکڑی پہن
آہنی سلاخوں کے پیچھے گئے ہیں۔ یہ سزا ان کے لیے قابل غور ہے لیکن غور کون
ہے۔ وہ تو پھر بھی خاندانی ہی کہلائیں گے۔"

"یہ دنیا کا دستور رہا ہے' اعلیٰ خاندان کے افراد خواہ سمگلر ہوں' چور بدمعاش ہو
سزا یافتہ ہوں۔ پھر بھی اعلیٰ فرد کہلاتے ہیں۔"

"انہوں نے تھانے میں بیان دیا ہے کہ تم نے انہیں گالی دی تھی اور وہ مشتعل
کر حملہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔"

"یہ غلط ہے۔ انہوں نے مجھے گندے الفاظ میں لاوارث کہا تھا۔ ویسے وہ گند
الفاظ نہ استعمال کرتے تب بھی میں لاوارث ہوں۔"

عدنان نے کہا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر تمہارے والدین ہوتے اور
غریب ہوتے تو کیا لیلیٰ کے شاہانہ خاندان میں تمہارا رشتہ قبول کیا جاتا؟"

جانی اور لیلیٰ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس مرتبہ پھر لیلیٰ کے تیور بگڑنے وا
تھے۔ عدنان نے کہا۔ "چلو' لیلیٰ کے خاندان میں نہ سہی' تم اپنے کسی برطانوی اعلیٰ خاند
میں رشتہ طلب کرنے جاتے تو کیا وہ تمہیں قبول کر لیتے؟"

جانی نے انکار میں سر ہلایا۔ عدنان نے کہا۔ "بات صرف یہ نہیں ہے کہ
لاوارث ہو۔ پاکستان ہو یا انگلینڈ' دنیا کا کوئی بھی ملک ہو' ہر ملک' ہر شہر اور ہر خاندان
اپنی عظمت کے گن گائے جاتے ہیں اور اس طرح انسان طبقوں میں بٹنا شروع ہو
ہے۔ امیر خاندان والے غریب خاندانوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔ یہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ آج اگر
اسی ملک میں نو ہوٹلوں کے مالک بن جاؤ اور تمہارے پاس دولت کی آمد و رفت ر
بڑے بڑے خاندان والے تم سے رشتہ جوڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اصل با
صرف تمہاری غربت کی ہے۔ آج تمہارا بنک بیلنس لاکھوں پونڈ تک ہو تو تم بہترین
تیار کر سکتے ہو۔ پھر اس شجرے کو سب تسلیم کریں گے۔"

"عدنان صاحب! آپ کی باتیں بڑا حوصلہ دے رہی ہیں۔"

عدنان نے کہا۔ "محبت حوصلہ چاہتی ہے۔"

جانی نے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے' آپ ہماری محبت کو تسلیم کرتے ہیں۔"

عدنان نے لیلیٰ کو دیکھا پھر اس کے قریب آیا۔ اسے بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں' محبت کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس لیے کہ میں بھی لیلیٰ سے محبت کرتا ہوں' بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ یہ سوچ کر آیا ہوں کہ شادی کروں گا تو صرف لیلیٰ سے۔ اس لحاظ سے جانی تم میرے رقیب ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے جو تعلیم حاصل کی ہے اور جو خدا داد صلاحیت ہمارے پاس ہے' کیا اسے ایک طرف رکھ کر ہم روایتی رقابت میں مبتلا ہو جائیں اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے راستے پر چل پڑیں؟"

جانی نے کہا۔ "میں تمہیں رقیب نہیں سمجھ سکتا۔"

عدنان نے کہا۔ "میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔ وعدہ کرتا ہوں' پہلا حق تمہارا ہے۔ میں تم دونوں کی شادی کے لیے بھرپور کوشش کروں گا مگر میری دو شرائط ہیں۔"

"ہم ہر شرط ماننے کو تیار ہیں۔"

"جانی! صرف تم نہیں' لیلیٰ بھی ماننے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟"

لیلیٰ نے سر اٹھا کر شرمندگی سے کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ انسان کے روپ میں فرشتہ ہوں گے۔ میں بہت شرمندہ ہوں اور آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔"

"تم یہ بات دل سے کہہ رہی ہو تو وعدہ کرو' اگر ہم اپنی کوششوں میں ناکام رہے تو تم دونوں زندہ رہو گے اور ثابت کرو گے کہ محبت زندہ رہنا جانتی ہے' ٹائٹک میں بے موت مرنا نہیں چاہتی۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔"

"دوسری شرط یہ کہ ہم ناکام رہے تو لیلیٰ میری شریک حیات بن کر رہے گی۔"

وہ پریشان ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔ اس نے کہا۔ "ہاں' لیلیٰ! میں بہت ضدی ہوں۔ اپنی محبت سے باز نہیں آؤں گا۔ میں ایک دیانت دار ایڈووکیٹ ہوں۔ اس لیے پہلا حق جانی کا تسلیم کر رہا ہوں۔ اس کے لیے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں میری کوششوں میں اور تم دونوں کی بھرپور حمایت کرنے میں کبھی کوتاہی یا کمی نہیں ہوگی۔"

لیلیٰ نے ہچکچاتے ہوئے جانی کی طرف دیکھا۔ جانی نے کہا۔ "ہم آج تک یہی پڑھتے' یہی سنتے اور یہی دیکھتے آئے ہیں کہ محبت کرنے والوں کے درمیان ایک رقیب آتا ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے درمیان ایک سچا انسان آیا ہے۔ لیلیٰ تمہیں پوری سچائی سے اس بات کو تسلیم کرلینا چاہیے۔"

لیلیٰ نے سر جھکالیا۔ جھکی جھکی نظروں سے کبھی جانی کو اور کبھی عدنان کو دیکھنے لگی۔ عدنان نے کہا۔ "تم نے ایسے ماحول میں پرورش پائی' جہاں لڑکیاں بڑی بے باکی سے اپنا فیصلہ سناتی ہیں۔ میں جانتا ہوں' تمہارے اندر تھوڑی سی مشرقیت بھی ہے۔ اگر تم بے باکی سے فیصلہ نہیں سنا سکتی ہو تو مشرقی انداز میں اظہار کرو۔"

وہ تھوڑی دیر تک پس و پیش میں رہی پھر اس نے دوپٹے کو اٹھایا اور اسے اپنے سر پر رکھ لیا۔ عدنان نے خوش ہو کر کہا۔ "شکریہ۔"

پھر اس نے جانی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "ڈن؟"

جانی نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈن۔"

☆------------☆------------☆

فادر جوزف صلیب کے سائے میں سر جھکائے زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ اس کے بعد الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ گرجا کے اندر داخل ہوئے تھے تو تمام کرسیاں خالی تھیں۔ کوئی عبادت گزار نہیں تھا۔ یوں بھی لوگ اتوار کو اچھی خاصی تعداد میں آتے تھے۔ عام دنوں میں شاذونادر ہی کوئی آتا تھا۔

انہوں نے پلٹ کر دیکھا' دور ایک کرسی پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ سایہ سا لگتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب جانے لگے۔ بیٹھنے والا واضح طور پر نظر آنے لگا۔ جانی سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ فادر نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا! تمہارے سر اور بازو پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

"جی ہاں' وہ شریف زادے جو لیلیٰ کو حاصل کرنا چاہتے تھے' انہیں منظور نہیں تھا کہ میں ان کی صف میں آجاؤں۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ لیلیٰ اپنی سطح سے

نیچے آ کر میرا ہاتھ کیوں تھام رہی ہے۔ انہیں اس بات پر اعتراض ہے کہ میں ان کی سطح پر کیوں آ رہا ہوں۔ وہ چار تھے' انہوں نے مجھ پر حملہ کیا اور میں اسپتال پہنچ گیا۔"

"تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"کیا اطلاع ملنے پر آپ مجھے ان کی سطح پر لے آتے؟"

"میرے بچے! مجھے طعنے نہ دو۔ ہم کسی کو راہ راست پر نہیں لا سکتے مگر انہیں اچھی باتیں سمجھا تو سکتے ہیں۔"

"اس دنیا میں ازل سے سمجھانے والے آئے مگر سمجھنے والے کتنے آئے؟"

"اوہ گاڈ! آج تمہاری باتوں میں زہر بھرا ہے۔"

جانی اپنے سامنے رنگین پھولوں کا گلدستہ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے گلدستے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "عدنان آ گیا ہے۔"

"کیا تم سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں' اس نے پہلی ہی ملاقات میں میرا دل جیت لیا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ عدنان کے متعلق بتانے لگا پھر اس سمجھوتے کا بھی ذکر کیا جو ان تینوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ فادر جوزف نے خوش ہو کر کہا۔ "خداوند یسوع عدنان پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ یقیناً وہ ذہین اور معاملہ فہم ہے۔ اس نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلا کے کم از کم تمہیں آسکر اور بوبی بننے سے بچا لیا ہے۔ مانا کہ محبت میں مرنے والے اپنے پیچھے گہرا تاثر چھوڑ جاتے ہیں لیکن جو موت بے وقت ہوتی ہے اور بے مقصد ہوتی ہے' وہ حرام موت کہلاتی ہے۔"

"مجھے لیلیٰ کی فکر ہے کہ اگر میں اس کی بھلائی کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دوں تو کہیں وہ بوبی کی طرح اپنی جان نہ دے دے۔ میری اس مشکل کو عدنان نے آسان کر دیا ہے۔ اب لیلیٰ اپنی زندگی سے نہیں کھیلے گی۔ مجھے بڑا حوصلہ ہو گیا ہے۔ میں پورے یقین سے سمجھتا ہوں کہ عدنان ہمارا بھرپور ساتھ دے گا۔"

"پھر بیٹے! تمہاری باتوں میں اتنا زہر کیوں بھرا ہوا ہے اور تم اتنے مایوس کیوں نظر آ رہے ہو؟"

اس نے پھولوں کا گلدستہ اٹھا کر فادر کو دیتے ہوئے کہا۔ "کل میں اسپتال گیا تھا۔ آج چھٹی مل گئی۔ جب اسپتال سے نکل رہا تھا تو ایک نرس نے یہ گلدستہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ایک صاحب تم سے ملنے آئے تھے لیکن بہت ضروری کام کی وجہ سے فوراً واپس چلے گئے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے تمہارے پاس پہنچا دوں۔"

"میں نے اس گلدستے کو شکریہ ادا کرتے ہوئے لے لیا۔ اس میں یہ کارڈ رکھا ہوا تھا۔"

فادر نے کہا۔ "اچھا تو کسی نے تمہاری صحت یابی کی مبارک باد دی ہے۔"

جانی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "آپ پڑھ لیں۔"

فادر نے اس کارڈ کو پھولوں کے درمیان سے نکال کر پڑھا۔ اس پر لکھا تھا۔

"ان پھولوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھو..... ان کی خوشبو سے تمہاری پیدائشی گندگی دُھلتی رہے گی۔"

اسے پڑھنے کے بعد فادر کی نظریں جھکی رہیں۔ پھر انہوں نے آہستگی سے کہا۔ "یہ شیطانی حرکتیں ہیں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ حوصلے سے کام لینا چاہیے۔"

"مجھ میں حوصلہ ہے مگر میں لیلیٰ کے لیے پریشان ہوں۔ اسے بھی ایسے پھول بھیجے جائیں گے اور قدم قدم پر کانٹے بچھائے جائیں گے۔ وہ بے چاری کتنوں کی باتیں سنے گی، کتنے طعنے سہے گی۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے لیکن میری محبت اس دنیا کو اس کے لیے جہنم بنا دے گی۔"

"تم ایسا نہ سوچو۔ عدنان نے وعدہ کیا ہے، وہ بھرپور کوشش کرے گا۔ وہ تمہاری شریک حیات ضرور بنے گی۔"

"یہی تو میرے لیے سب سے بڑا امتحان ہے۔ اگر عدنان میرا رقیب بن جاتا تو مجھے اس کی دشمنی اتنی مہنگی نہ پڑتی جتنی یہ دوستی پڑ رہی ہے۔"

فادر نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ اپنی شخصیت اور اپنی گفتگو سے زبان کا دھنی لگتا ہے۔

سرور ہمارے لیے بھرپور کوشش کرے گا اور کامیاب ہو گا۔ یہی کامیابی مجھے فکر میں مبتلا کر رہی ہے۔ وہ میری شریک حیات بنے گی تو میں اسے دنیا والوں کے طعنوں سے کس طرح بچاؤں گا۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میرے لیے بہت کچھ برداشت کرے گی لیکن جب ہماری اولاد ہو گی تو ان طعنوں کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ ہم اپنے اوپر سارے الزامات اور ساری ناکامیاں برداشت کرلیں گے لیکن اولاد پر حرف آئے گا تو ہم سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔"

"جانی! تم بہت سمجھدار ہو۔ تم نے بہت دور تک سوچا ہے۔ تمہارے وجود کا طعنہ لیلیٰ کو ملے گا' پھر لیلیٰ سے یہ سلسلہ تمہاری اولاد تک چلتا رہے گا۔ ہاں' اب میری سمجھ میں آ رہا ہے.......... لیلیٰ کی نیک نامی کی خاطر تمہیں محبت کے راستے سے واپس آنا پڑے گا۔"

"فادر! آپ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں۔ عدنان نے آکر واپسی کا راستہ بند کر دیا ہے۔ جب وہ اسپتال میں مجھ سے ملنے آیا تو اس سے پہلے میں لیلیٰ کو یہی سمجھا رہا تھا کہ محبت قربانی چاہتی ہے۔ اگر وہ اپنے والدین کی بات مان کر کسی سے بھی شادی کرلے گی تو جسم پرایا ہو سکتا ہے لیکن دل میرا ہی رہے گا۔ محبت کبھی نہیں مرے گی۔ ایک تو وہ میری بات نہیں مان رہی تھی۔ دوسرے عدنان نے یہ شرائط پیش کر دیں کہ ہمیں محبت کے نام پر مرنا نہیں ہو گا۔ ہم دونوں زندہ رہیں گے اور وہ ہمارے ملن کے لیے بھرپور کوشش کرے گا۔ اگر ناکامی ہوئی تو لیلیٰ اس کی شریک حیات بن جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ناکامی نہ ہوئی تو کیا ہو گا؟"

"ہاں' یہ سوچنے کی بات ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ آئندہ ناکامی ہو یا کامیابی' اب میں محبت کے راستے سے واپس ہونا چاہوں گا تو لیلیٰ مجھے بزدل سمجھے گی' مجھ سے نفرت کرے گی۔ اتنی بڑی دنیا میں مجھے آپ کے بعد صرف لیلیٰ سے محبت ملی ہے۔ میں اسے نفرت میں بدلنا نہیں چاہتا۔ بزدل بھی نہیں کہلانا چاہتا اور یہ بازی جیتنا بھی نہیں چاہتا۔"

وہ سر پکڑ کر سوچنے لگا۔ فادر بھی سوچ رہے تھے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

کہتے ہیں، رقیب کی دوستی میں بھی دشمنی ہوتی ہے لیکن عدنان کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ تو ان کی محبت کو کامرانی کی طرف لے جانا چاہتا تھا اور جانی تھا کہ کامیابی اور کامرانی سے گھبرا رہا تھا۔

وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے جانے لگا۔ فادر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کہاں جا رہے ہو؟"

"مجھے عدنان سے ایک فیصلہ کرنا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا گرجا کے باہر آیا۔ پھر اسی طرح کبھی دوڑتے ہوئے، کبھی تیزی سے چلتے ہوئے گلی کو عبور کرنے کے بعد ایک شاہراہ پر پہنچا۔ قریب ہی ایک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ اس نے بوتھ میں جانے کے بعد لیلیٰ کے فون نمبر پر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے حیات مرزا کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "میں جانی بول رہا ہوں۔ مسٹر عدنان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

حیات مرزا نے کہا۔ "دو باتیں مجھ سے بھی کر لو۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ جارج وغیرہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اس سے تمہیں کچھ سبق حاصل کرنا چاہیے، آج جارج نے ایسا کیا ہے، کل دوسرے تمہیں جسمانی تکلیف دیں گے اور ذہنی انتشار میں مبتلا کریں گے۔ آج یہ بات پولیس والوں تک پہنچی ہے، کل اخبارات تک پہنچے گی اور اس کا اثر میری بیٹی کی زندگی پر بھی پڑے گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، لیلیٰ اور اس کے خاندان کی نیک نامی پر حرف نہیں آنے دوں گا۔ پلیز، مجھے عدنان سے بات کرنے کا موقع دے دیں۔"

تھوڑی دیر بعد عدنان کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو جانی! کیسے ہو؟"

"شکریہ، خیریت سے ہوں۔ تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا، فون پر باتیں ہو سکیں گے لیکن میری باتوں کے جواب میں تم جو کچھ کہو گے، وہاں لیلیٰ کے والدین سن سکتے ہیں۔"

"تم کہو تو میں کہیں بھی آ کر مل سکتا ہوں۔"

"اوہ شکریہ، تم واقعی دوستانہ مزاج رکھتے ہو۔ جہاں تم رہتے ہو، وہاں سے قریب

ہائٹ چیپل روڈ پر ایک مسجد ہے' میں اسی مسجد کے سامنے پہنچ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

جانی بوتھ سے باہر آیا۔ قریب ہی بک اسٹال سے اس نے تازہ اخبار خریدا۔ پھر ایک بس پر سوار ہو کر وہائٹ چیپل کی طرف جانے لگا۔ اخبار کے ایک صفحے پر جلی حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ "ایک پاکستانی لڑکی خدیجہ کے باپ کا تردیدی بیان۔"

پچھلے دنوں ایک پاکستانی لڑکی خدیجہ کا خط اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اس میں خدیجہ نے اپنے باپ کے خلاف لکھا تھا کہ میں کبھی اپنے باپ سے بات نہیں کروں گی۔ وہ جبرا مجھے پاکستان بھیجنا چاہتا تھا اور وہاں بھیجنے سے پہلے مجھے چار دن تک گھر میں قید رکھا تھا کیونکہ وہ اپنی پسند کے لڑکے سے میری شادی کرنا چاہتا ہے۔

آج کے اخبار میں اس کے باپ کا تردیدی بیان شائع ہوا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ صرف پاکستان اس لیے بھیجنا چاہتا ہے کہ وہاں کی تہذیب و تمدن کو سمجھ سکے۔ اس کے بعد شادی کے متعلق فیصلہ کر سکے۔

جانی اس کے بعد اخبار کی دوسری خبریں نہ پڑھ سکا۔ وہ جانتا تھا' ایشیائی لڑکیاں جو مغرب میں پیدا ہوتی ہیں' یہاں کے ماحول میں پرورش پاتی رہی ہیں' وہ ایشیا سے آنے والے منگیتروں کو کمتر سمجھتی ہیں اور ان کے مقابلے میں برطانیہ کے نوجوانوں کو ترجیح دیتی ہیں۔ صرف ایک سلطانہ کا منگیتر حشمت ہی یہاں سے واپس نہیں گیا تھا' ایسے بہت سے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ بات صرف لڑکیوں کی نہیں ہے۔ یہاں پیدا ہونے اور پرورش پانے والے لڑکے بھی ایشیائی لڑکیوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔

جانی نے سوچا۔ "لیلیٰ کی بات کچھ اور ہے۔ وہ عدنان کو پہلے کمتر سمجھتی تھی لیکن اس سے ملنے کے بعد خیالات بدل گئے ہیں۔ وہ اس سے متاثر ہو گئی ہے۔ اگرچہ عاشقانہ انداز میں محبت نہیں کرتی ہے لیکن اس کی شخصیت اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے بعد میں یہی اثر محبت میں بدل جائے۔"

"آہ' محبت بھی کیا چیز ہے؟" وہ سوچنے لگا۔ "جب میں نے پہلی بار لیلیٰ کو دیکھا تو دل میں آرزو پیدا ہوئی تھی' کسی طرح اسے پالوں اور جب وہ حاصل ہونے لگی تو اسی

محبت نے تقاضا شروع کر دیا کہ اس کی بھلائی نیک نامی اور اس کے بہتر مستقبل کے لیے قربانی دوں اور اس کے راستے سے ہٹ جاؤں۔"

مگر کس طرح ہٹ جائے۔ ابھی یہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ وہائٹ چیپل کی مسجد کے سامنے پہنچ گیا۔ عدنان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "آج میرے بازو میں پہلے جیسی تکلیف نہیں ہے۔ میں مصافحہ کر سکتا ہوں۔"

عدنان نے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "پہلے دل سے دل ملتے ہیں پھر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھتا ہے۔ خواہ دایاں ہاتھ بڑھے یا بایاں۔ ہاں' اگر بے دلی سے مصافحہ کیا جائے تو وہ محض ایک رسمی سی بات ہوتی ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے ایک اوپن ایئر کیفے میں پہنچ گئے۔ ایک میز کے اطراف میں بیٹھتے ہوئے کافی کا آرڈر دیا۔ پھر عدنان نے پوچھا۔ "تم تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "محبت پہلے جذبات میں بہا کر لے جاتی ہے' بعد میں سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ہے تو دیر ہو چکی ہوتی ہے مجھے یقین ہے' میں تمہارے تعاون سے لیلیٰ کو حاصل کر لوں گا لیکن اسے بدنامی کے سوا کچھ نہ دے سکوں گا۔"

"اگر تم دونوں شادی سے پہلے یہ شہر یا یہ ملک چھوڑ دو' کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کر لو تو کوئی تمہاری پچھلی زندگی میں جھانکنے نہیں آئے گا۔"

"آسکر سے بھی یہی کہا گیا تھا۔ جانی نے کہا۔ "بوبی نے کہا تھا یہ میرے آسکر کی توہین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے چاہنے والے کو ایک گالی سمجھا گیا ہے۔ میں محبت کو گالی بننے نہیں دوں گی۔" یہ لہجہ یہ انداز صرف بوبی کا نہیں' ہر محبت کرنے والے کا ہے۔ میں بھی اپنا ملک چھوڑنا پسند نہیں کروں گا۔ لیلیٰ کی بات اور ہے' وہ لڑکی ہے اور لڑکی بیاہ کر اپنے میکے سے کہیں بھی جا سکتی ہے۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"تم کسی طرح اسے اپنی شریک حیات بنا لو۔"

"میں کہہ چکا ہوں' مجھے لیلیٰ سے بہت پیار ہے۔ میں اسے دل وجان سے چاہتا ہوں مگر میں زبان دے چکا ہوں کہ تم دونوں کی بھرپور حمایت کروں گا۔"

"کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ سچ مچ حمایت کرو۔ اسے یہی تاثر دو لیکن ہماری محبت کو صرف محبت کی حد تک رہنے دو۔ اسے شادی تک نہ پہنچنے دو۔"

"میں نے خدا کو حاضر وناظر جان کر بھرپور حمایت کا یقین دلایا ہے۔ اس کے بعد میں زبان سے نہیں پھر سکتا۔"

"لیلیٰ مسلمان ہے' اسے بدستور مسلمان بنائے رکھنے کے لیے اپنی زبان سے پھر سکتے ہو۔ تمہارا خدا تم سے راضی ہو گا۔"

عدنان نے مسکرا کر پوچھا۔ "تم محبت میں بڑی قربانیاں دینا چاہتے ہو۔ لیلیٰ کی نیک نامی کی خاطر اسے چھوڑ دینا چاہتے ہو۔ اگر وہ مل سکتی ہے اور محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ دو تو کیا یہ قربانی نہیں دے سکتے؟"

"ہم دونوں میں سے کوئی اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ نہ وہ اپنے والدین کا دل دکھا سکتی ہے اور نہ میں فادر جوزف کو مایوس کر سکتا ہوں۔"

عدنان نے میز پر جھک کر اس کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "اور میرا مذہب سکھاتا ہے کہ اپنی زبان سے نہ پھرو۔ میری محبت تقاضا کرتی ہے کہ لیلیٰ کو دھوکا نہ دو۔ جو وعدہ کیا' اسے پورا کرو اور میں ایسا ضرور کروں گا۔"

جانی چپ چاپ اس کا منہ تکنے لگا۔ عدنان نے کہا۔ "کافی پیو' ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

اس نے کافی کی پیالی کو دیکھا پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "افسوس' تم دوست نہ ہوتے دشمن ہوتے۔ رقیب بن کر آتے اور ہمارے سامنے دیوار بن جاتے پھر کتنا اچھا ہوتا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میری دوستی تمہیں مہنگی پڑ رہی ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے' مجھے بھی یہ دوستی مہنگی پڑ رہی ہے۔ محبت آزماتی رہتی ہے۔ ہم دونوں ہی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

اس نے کافی کی پیالی اٹھائی پھر خاموشی سے چسکی لینے لگا۔

☆-------------☆-------------☆

لیلیٰ نے فون کے ذریعے کئی بار جانی سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ ریسیور اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ لیلیٰ نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اپنے کمرے سے باہر آئی۔ سامنے والا کمرہ عدنان کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچی۔ عدنان نے اسے دیکھ کر کہا۔ "آؤ' اندر آجاؤ۔ کیا بات ہے۔ کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

"دوپہر سے اب تک کئی بار اسے فون کر چکی ہوں مگر وہ فون پر نہیں مل رہا ہے۔"

"کہیں مصروف ہوگا۔"

"اب تو سات بج رہے ہیں۔ وہ وقت کا بڑا پابند ہے۔ پانچ بجے اپنا کام ختم کر دیتا ہے۔ مجھ سے ضرور رابطہ قائم کرتا ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ جانے پھر کہیں دشمن اس کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ چلو ہم اس کے کاٹج چلتے ہیں۔"

"میں یہی چاہتی ہوں۔ ابو مجھے تنہا نہیں جانے دیں گے۔"

"ہم گھومنے پھرنے کے بہانے سے نکلیں گے اور اس کے کاٹج پہنچ جائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ کتنے اچھے ہیں۔"

"محبت ہر انسان کو اچھا بنا دیتی ہے۔"

اس نے سر کو جھکا لیا۔ عدنان نے کہا۔ "لیلیٰ! یہ کبھی نہ بھولنا کہ میں تمہیں دل وجان سے چاہتا ہوں اور جو کر رہا ہوں' تمہاری خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔ جاؤ' تیار ہو جاؤ۔ میں نیچے ڈرائنگ روم میں انتظار کروں گا۔"

وہ چپ چاپ کھڑی رہی اسے جا کر تیار ہونا چاہیے تھا۔ اپنے جانی سے ملنے کی بات تھی مگر پاؤں جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے۔ عدنان نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ دیکھتی یا نہ دیکھتی مگر وہ ہمیشہ کی طرح مسلط رہنے

...ا۔ اس نے پھر محبت سے پوچھا۔ "کوئی بات ہو تو بے جھجک کہو۔"

وہ کہنا چاہتی تھی' کوئی بات نہیں ہے مگر زبان ساتھ نہ دے سکی۔ صرف سر ہلا کر
...ئی۔ پھر اسی طرح سر جھکا کر وہاں سے چلی آئی۔ باہر آ کر اپنی کمزوری کا شدت سے
...اس ہوا۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ "پلیز' مجھ سے یوں محبت کا اظہار نہ کیا کریں۔ دل پر ایک
...سا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے محبت کوئی جرم بن گئی ہو۔ اگر اپنے وقت پر ہوتی اور سوچ
...کر ہوتی تو دل پر ایسا بوجھ نہ پڑتا۔"

اس نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سر ہلایا۔ "نہیں' میری محبت بوجھ نہیں ہے۔ جرم
...ں ہے۔ ہاں' اتنا فرق پڑا ہے کہ عدنان چپکے چپکے متاثر کرنے لگا ہے لیکن اس تاثر کا
...لب محبت تو نہیں ہے' کچھ اور ہو سکتا ہے مگر کیا ہو سکتا ہے' یہی سمجھ میں نہیں آ رہا
...۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر عدنان کے ساتھ باہر نکلی۔ رات کے آٹھ بج رہے
...ں۔ والدین نے اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ خوش ہو کر دونوں کو دیکھ رہے تھے جیسے اپنے
...اب کی تعبیر دیکھ رہے ہوں۔

جانی کی طرف جاتے ہوئے وہ دونوں اگلی سیٹ پر ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔
...نان ڈرائیو کر رہا تھا مگر خاموش تھا۔ لیلیٰ توقع کر رہی تھی وہ کچھ بولے گا۔ آدمی کتنا ہی
...اخ دل ہو' وہ ناراضگی میں اپنے رقیب کے خلاف ضرور کچھ بولتا ہے۔ عدنان کوئی فرشتہ
...نہیں تھا۔ وہ براہ راست نہ سہی بالواسطہ ہی بات بنا کر جانی کے خلاف کچھ کہہ سکتا تھا۔

وہ انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ جب سے یہ آیا ہے' اس نے جانی کے
...اف ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نہ ہی اس کے رویے سے ظاہر ہوا کہ جانی میں کوئی برائی
...ہے جبکہ اس کے والدین نے برائی کی۔ اس کے پرانے ساتھیوں اور سہیلیوں نے مخالفت
...ں محاذ بنا لیا۔ جو اپنے تھے' وہ اس کی محبت کے خلاف تھے اور جس سے مخالفت کی توقع
...ی' وہ حمایت کر رہا تھا۔

آخر لیلیٰ نے ہی خاموشی توڑی۔ آہستگی سے بولی۔ "آپ اتنی دور سے آئے ہیں۔
...ں جانتی ہوں' میرے لیے آئے ہیں۔ کیا آپ کو مایوسی نہیں ہوئی؟"

"میں نے مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں ہے۔"

"آپ میرے اور جانی کے ملن کے لیے بھرپور کوششیں کرنے والے ہیں پھر ...
آپ کو مایوسی ہوگی۔"

"مایوسی نہیں محرومی ہونی چاہیے۔ مایوسی کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ میں ...
محبت کے کام آ رہا ہوں۔ اپنی محبت کی خوشیوں کو اپنی خوشیاں سمجھ رہا ہوں۔ ایسے ...
انسان کبھی شکست نہیں کھاتا۔ میری ہار میں بھی میری جیت ہوگی اور میں دعوے سے ...
ہوں، تم جانی کی زندگی میں جا کر مجھے کبھی نہیں بھلا سکو گی۔ میں ہر نازک لمحے میں تمہ...
یاد آؤں گا۔ یقین نہ ہو تو کبھی آزما لینا۔"

"میں اپنے خیالات، اپنے جذبات کی مالک ہوں۔ اپنے طور پر سوچتی ہوں اور ا...
طور پر کسی کو بھی خیالات سے نکال دیتی ہوں۔ آپ کو اتنا اعتماد کیوں ہے کہ میں بعد م...
کبھی آپ کے متعلق سوچ سکتی ہوں۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو مق...
میں جانی کو دے چکی ہوں، وہ کسی کو نہیں دے سکتی۔"

"ہاں، یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن جو بات سمجھ میں آنے والی نہیں ...
اسے وقت بعد میں سمجھاتا ہے۔ محبت کھلی آنکھوں سے اور جاگتے ہوئے ذہن سے ایک
فیصلہ کرتی ہے جیسے تم کر چکی ہو اور محبت کبھی بے خودی میں غیر شعوری طور پر فیصلہ کر...
چلی جاتی ہے۔ اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر محسوس کرنا چاہو تو کبھی تنہائی میں بیٹھ کر د...
کی گہرائیوں میں جھانک کر یہ سمجھنے کی کوشش کرنا کہ بے خودی کیا ہوتی ہے؟ تمہی...
جواب ملے گا کہ محبت ((بے خودی)) کا دوسرا نام ہے۔ محبت چیلنج سے نہیں ہوتی، خود بخ...
ہوتی چلی جاتی ہے۔"

یک بیک لیلیٰ کے دماغ میں جیسے روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ اسے سوئمنگ پول کا...
منظر دکھائی دیا جہاں اسے چیلنج کیا جا رہا تھا۔ جارج سوئمنگ پول کے پانی سے ابھر کر تیر...
ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیلیٰ! یہ میری فورکاسٹ ہے کہ لندن کی کوئی سوسائٹی تمہیں قبو...
نہیں کرے گی۔"

وہ تیرتا جا رہا تھا۔ لیلیٰ پول کے کنارے اس کے ساتھ چلتی ہوئی کہہ رہی تھی

وسائٹی ہمیں نہیں بناتی، ہم سوسائٹی کو بناتے ہیں۔ میں جہاں جاؤں گی، ایک نئی دنیا آباد
لوں گی۔"

کنول رانی پانی سے ابھری۔ اس کے ساتھ مارٹن نے کہا۔ "سنا تم نے کولمبس کی
نئی دنیا دریافت کرے گی۔"

کنول پانی میں ڈوب گئی پھر ابھر کر بولی۔ "اسے نئی دنیا میں کوئی پاکستانی یا ہندوستانی
سکتا ہے۔ یہاں کوئی لائف پارٹنر نہیں ملے گا۔"

لیلیٰ کنارے کنارے چل کر بولی۔ "میرا لائف پارٹنر مجھے اسی شہر میں ملے گا۔ میں
لطانہ اور پدمنی کی طرح بزدل نہیں ہوں کہ ماں باپ نے لڑکا پسند کیا اور سر جھکا کر شادی
لی۔"

ریٹا پول کے کنارے سن باتھ کے لیے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے کہنی کے بل اٹھتے
ئے کہا۔ "قینچی کی طرح زبان چلا رہی ہو۔ بزدل تو تم ہو۔ ماں باپ کے سامنے ان کی
ضی کا لباس پہنتی ہو۔ ان کی مرضی سے شادی بھی کرو گی۔ ہمارا دعویٰ ہے، تم کسی
ستانی لڑکے کے پلے باندھی جاؤ گی۔"

لیلیٰ نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "ہرگز نہیں، میں نے پاکستان نہ تو دیکھا ہے، نہ اپنا ملک
وڑ کر وہاں جانا چاہتی ہوں۔ میری شادی اسی سے ہوگی جو مجھے پسند ہو اور اسی ملک میں
ا ہوا ہو۔"

حشمت نے اس کے پاس آکر کہا۔ "تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اپنے پاکستان کو
وڑ کر یہاں کسی سے شادی کرنا فخر کی بات نہیں ہے۔"
لیلیٰ نے پوچھا۔ "کیا تم اپنے یہاں کی لڑکی چھوڑ کر یہاں کسی انگریز لڑکی سے شادی
رنا پسند کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر میں اپنے ہاں کے لڑکے کو چھوڑ کر کسی پاکستانی سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟"
سلطانہ نے حشمت کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھے طعنے دے رہی ہے۔
بھی دیکھوں گی، ایسا کون ہیرو ہے جو اس کی زندگی میں مائیکل جیکسن بن کر آئے گا۔"

"آئے گا' ضرور آئے گا۔ میں تمہارے چیلنج کا جواب ضرور دوں گی۔"

لیلیٰ کار میں عدنان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کار تیز رفتاری سے جانی کی طرف جا رہی تھی اور اب اس کی نگاہوں کے سامنے منظر بدل رہا تھا۔ اس نے چیلنج کے جواب میں جانی کو حاصل کیا تھا۔ اسکورٹ ایجنسی کے دفتر سے نکل کر جانی کے ساتھ کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اب جانی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور لیلیٰ کہہ رہی تھی۔ "کچھ لوگ روشنی کا فریب کھاتے ہیں اور اندھیرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم بہت زیادہ فریب میں مبتلا ہو جاؤ' میں بتا دوں کہ ہمارے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں ایک بہت بڑے باپ کی بیٹی ہوں۔ میرے والدین مشرقی روایات کے حامل ہیں۔"

"تم آسمان ہو لیکن ابھی اسکورٹ ایجنسی کے دفتر میں جھک کر زمین سے مل گئیں۔ اس میں کوئی تو بات ہو گی؟"

"ہاں۔ میری ایک مجبوری ہے کیا تم ایک ڈمی فرینڈ کا رول ادا کر سکتے ہو؟"

"میں سمجھ گیا۔ اب اپنی مجبوری بتاؤ۔"

"میری سہیلیوں اور ساتھیوں نے چیلنج کیا ہے کہ کوئی بھی اچھا' تعلیم یافتہ یا اچھی حیثیت کا برٹش نوجوان کبھی مجھ سے دوستی نہیں کرے گا۔"

جانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ چیلنج کرنے والے انتہائی احمق ہیں۔ بھلا تم سے کوئی دوستی نہ کرے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں اگر تم مسکراتی چلو تو تمہارے پیچھے قافلے بنتے جائیں گے۔"

منظر پھر بدل گیا۔ اب وہ جانی سے کہہ رہی تھی۔ "مجھ سے رقم لو اور فوراً ہی کوئی سا کاروبار شروع کرنے کی پلاننگ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھی میرا مذاق اڑائیں۔"

"میں جان کی بازی لگا دوں گا مگر کسی کو تمہارا مذاق اڑانے کا موقع نہیں دوں گا۔"

گویا وہ اپنی سہیلیوں اور ساتھیوں کے جواب میں جانی کو پہلے ڈمی بنا کر اپنی زندگی میں لائی تھی پھر اس سے محبت کرنے لگی تھی اور اب عدنان کی آواز پھر اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ "محبت کا دوسرا نام بے خودی ہے۔ محبت چیلنج سے نہیں ہوتی'

بخود ہوتی چلی جاتی ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ عدنان نے کار کا ہارن بجایا تھا۔ اس نے چونک کر
یا۔ جانی کا کاٹیج سامنے تھا۔ کار کھڑی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ "تم جاؤ' میں یہیں
ار کروں گا۔"

لیلیٰ نے ایک ہاتھ سے اپنے سر کو تھام لیا' آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے پوچھا۔
ہوا؟"

وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے سر کو تھامے ہوئے ہولے سے انکار میں سر ہلا کر
۔ "کچھ نہیں' سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"اگر میری باتوں سے ہو رہا ہے تو مجھے افسوس ہے۔ میں اپنی دانست میں صندل
ں باتیں کرتا ہوں اور صندل کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے:

درد سر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید
اس کو گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے"

ہارن کی آواز سن کر کاٹیج کی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرک گیا تھا۔ شیشوں کے پیچھے سے
نظر آرہا تھا۔ اس نے ہیلو کے انداز میں ہاتھ کا اشارہ کیا۔ لیلیٰ دروازہ کھول کر باہر چلی
۔ پھر کاٹیج کے دروازے کی طرف یوں جانے لگی جیسے کوئی کھینچ رہا ہو۔ آگے سے
نے کے لیے جانی نے کاٹیج کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اس نے دور ہی سے عدنان کی طرف
رہ کیا پھر بلند آواز سے پوچھا۔ "اے مسٹر! تم وہاں کیوں بیٹھے ہو۔ میں نے دروازے پر
نہیں لکھا ہے کہ اندر آنا منع ہے۔"

عدنان نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر کار سے نکلتے ہوئے کہا۔ "یہ لکھنے پڑھنے
نہیں' سمجھنے کی بات ہے۔ قاصد ہو' نامہ بر ہو یا محبت کو اس کی منزل تک پہنچانے والا
رہو' وہ صرف دروازے تک آتا ہے۔"

جانی تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا۔ لیلیٰ وہیں دروازے پر کھڑی رہی۔ پھر
نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نامہ بر نہیں' جانی کی جان ہو۔"

عدنان نے ایک انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میں تمہاری

جان ہوں تو ایک جسم میں ایک ہی جان ہوتی ہے۔"

اس نے انگلی کا اشارہ لیلیٰ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "پھر وہ جان چلی جائے گی۔

جانی نے اچانک سنجیدہ ہو کر آہستگی سے کہا۔ "بائی گاڈ! میں یہی چاہتا ہوں۔ تم ر
میری جان رہو اور وہ تمہاری۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم مایوس ہو گئے ہو؟"

"نہیں عدنان! میں نے بہت سنجیدگی سے سوچا ہے اور ہر بار اس نتیجے پر پہنچتا
ہوں' اگر ہم محبت کی بازی جیت جائیں گے تو لیلیٰ کا مستقبل اور اپنی ہونے والی اولاد
مستقبل ہار جائیں گے اور یہ بہت بڑی شکست ہو گی۔ ہمیں اس سے پہلے ہی دانشمند
سے کام لینا چاہیے۔"

"تم ایسی باتیں کر رہے ہو جنہیں لیلیٰ تسلیم نہیں کرے گی۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اسے کیسے سمجھاؤں۔"

"تم لیلیٰ کے پاس جاؤ۔ یا تم اسے سمجھا لو گے یا وہ تمہیں اچھی طرح سمجھا د
گی۔ وہ تمام دن پریشان رہی۔ بار بار فون کرتی رہی۔ پلیز اسے تنہا نہ چھوڑو۔ جاؤ۔"

"مگر یہ نامناسب بات ہے۔ تم کاٹج میں تو آؤ۔"

"تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ یہ باہر کے مناظر بڑے دلفریب ہیں۔ میں کچھ وقت
یہاں گزارنا چاہتا ہوں۔"

جانی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ایک گہری سانس لی پھر واپس لیلیٰ کے پاس
چلا گیا۔ لیلیٰ اس کے ساتھ کاٹج میں چلی گئی۔ عدنان باہر ٹہلنے لگا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشن
میں دور دور تک بنے ہوئے کاٹج نظر آ رہے تھے۔ تمام کاٹج ایک ہی ڈیزائن کے تھے او
بہت ہی خوبصورت تھے۔ ان کے آس پاس ہریالی تھی۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہو
تھے۔

وہ سوچ رہا تھا' محبت میں آدمی دنیا کو بھلا دیتا ہے۔ وہ دونوں کاٹج کے اندر بیٹھ
جانے محبت کے موضوع میں کب تک گم رہیں گے۔ وہ انہیں یاد بھی نہیں آئے گا لیکن
تھوڑی دیر بعد ہی لیلیٰ کی آواز سنائی دی۔ وہ غصے میں کچھ کہہ رہی تھی۔ عدنان نے چونک

ج کی طرف دیکھا۔ کیا وہ جانی سے جھگڑا کر رہی ہے؟ وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے
۔ جانی کہہ رہا تھا۔ "لیلیٰ! تم ان کے منہ نہ لگو۔ یہ ریسیور مجھے دو۔"

"نہیں، یہ تمہیں کمتر سمجھتے ہیں۔ مجھے ان سے باتیں کرنے دو۔ میں کسی حیثیت
ن کمبختوں سے کم نہیں ہوں۔ یہ خود کو سمجھتے کیا ہیں!"

پھر وہ دوسری طرف سے بات کرنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "تم سب
سے نہیں جلتے ہو، ان تمام ایشیائی باشندوں سے بھی جلتے ہو جو یہاں آکر کاروبار کر
ہیں، دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ تم سے اونچے مکانات اور تم سے اونچی عمارتیں
تے جا رہے ہیں۔ تمہاری زمین پر پھیلتے جا رہے ہیں۔ تم سب احساس کمتری کا شکار
س لیے جہاں بھی ذرا کمتر انسان نظر آتا ہے تم اس کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔ یاد رکھو،
ابو صرف ایک ہوٹل کی آمدنی سے تمہارے باپ کا سارا کاروبار خرید سکتے ہیں۔"

عدنان تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر
کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہیلو! میں عدنان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کوئی گالیاں دینے لگا۔ عدنان نے کہا۔ "ذرا ٹھہر ٹھہر کر دو۔ میں
ریکارڈر کو آن کر دیا ہے۔ تمہاری تمام گالیاں ریکارڈ ہو رہی ہیں تمہاری آواز کے
"

دوسری طرف سے فوراً ہی چپ لگ گئی۔ عدنان نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ خاموش
ہو گئے؟ بھئی لیلیٰ کو ذرا جلدی غصہ آتا ہے، اس لیے تمہاری بیہودہ باتوں کے جواب
ں دیر تک بولتی رہی۔ حالانکہ سیدھا سا نسخہ ہے۔ بھونکتے ہوئے کتے کے آگے روٹی
دو اور ڈینگیں مارتے ہوئے آدمی کے سامنے ریکارڈر آن کر دو، وہ قانون کے ڈر
پ ہو جائے گا۔ یاد رکھو، یہ ریکارڈر ہمیشہ اس ٹیلی فون کے پاس رہے گا۔ جب بھی
و گے، ریکارڈ کر لیے جاؤ گے۔ دیٹس آل۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ لیلیٰ اور جانی اس کا منہ تک رہے تھے۔ اس نے جانی سے
اب اس ٹیلی فون پر تمہیں چھیڑتے ہوئے ان کی نانی مرے گی۔"

اس نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر پوچھا۔ "کیا تم تمام عمر جانی

اور لیلیٰ کے ساتھ رہو گے؟"

"میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا ہے۔"

"ہاں' تم نے وعدہ کیا ہے کہ ہماری بھرپور حمایت کرو گے۔ بے شک تم زبان
دھنی ہو۔ پہلی بار تم نے ان کمبخوں کو حوالات میں پہنچایا۔ دوسری بار اتنے بڑے مسئلے
بڑی آسانی سے حل کر دیا۔ اب یہ ٹیلی فون پر مجھے نہیں چھیڑ سکیں گے۔ انہوں نے
کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو تم ان کے سامنے ڈھال بن جاؤ گے لیکن میں پوچھتا ہو
کب تک؟ کیا تمام عمر ہمارا ساتھ دو گے؟ کیا تمام عمر مجھے گالیاں دینے والوں کا منہ
کرتے رہو گے؟ ان کتوں کے آگے روٹیاں پھینکتے رہو گے؟"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "جانی! یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو ہمارے سامنے آنے والا ہے۔ آج جارج اور مارٹن
والدین نے بات آگے نہیں بڑھنے دی کیونکہ وہ عزت دار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں
ورنہ نارتھ اسٹار پبلک ہاؤس میں جو کچھ ہوا' وہ بات اخبارات میں آتی۔ پھر اس کا بھی
ہوتا کہ لیلیٰ ایک ایسے شخص سے محبت کرتی ہے جو اپنا شجرہ نہیں بتا سکتا' اپنے باپ
ماں کا نام بتا سکتا ہے۔"

"اگر یہ باتیں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں تو ہونے دو۔ میں کسی سے
ڈرتی۔"

"تم نہیں ڈرتیں لیکن تمہارے والدین کی عزت ہے۔ مان مرتبہ ہے۔ سو
میں لوگ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں
کہیں منہ چھپا نہیں سکیں گے۔ تم میری زندگی میں آؤ گی' وہ اپنی زندگی سے جائیں
کوئی راستہ نہیں ملے گا تو خودکشی کر لیں گے۔"

لیلیٰ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر جانی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم
کے سامنے میری انسلٹ کر رہے ہو۔ ایسی باتیں کر رہے ہو جن سے تاثر ملتا ہے
مجھے نہیں چاہتے' میں ہی تمہارے پیچھے پڑ گئی ہوں۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو' میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں لیکن جان دینے

بعد تم یہ سمجھو کہ میں نے تم سے پیچھا چھڑانے کے لیے دنیا چھوڑ دی ہے تو یہ تمہاری نادانی ہو گی۔ پلیز، مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

عدنان نے کہا۔ "میں لیلیٰ کو یہ نہیں سمجھا سکتا کہ تم اس کی بھلائی کے لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ اگر میں کہوں گا تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اپنے مفاد کے لیے تمہارے نیک جذبات کا سہارا لے کر نصیحتیں کر رہا ہوں۔"

لیلیٰ نے ایک بار عدنان کو دیکھا۔ دوسری بار جانی کو۔ پھر اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر کہہ نہ سکی۔ شاید بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا یا دل میں بہت زیادہ باتیں بھر گئی تھیں۔ جب غصہ بھی زیادہ ہو' باتیں بھی بے تحاشا کہنے کے لیے ہوں تو اس کی ادائیگی زبان سے نہیں ہو پاتی۔ ایسے وقت جتنی دیر زبان کھلنے میں لگتی ہے' اتنی دیر میں آنکھوں سے اظہار ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں یکایک بھر آئیں۔ آنسو ابل پڑے۔ وہ غصے سے پلٹ کر پاؤں پٹختے ہوئے چلی گئی۔

وہ دونوں اس دروازے کو دیکھتے رہے جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی۔ پھر جانی نے کہا۔ "اسے دکھ پہنچا ہے۔ وہ میری بات نہیں سمجھ رہی ہے۔ پلیز' اسے جا کر منا لو۔"

"محبت جس سے روٹھتی ہے' اسی سے منائے جانے کی توقع کرتی ہے۔ تمہیں جانا چاہیے۔"

"وہ بڑی ضدی ہے۔"

"آندھی ہمیشہ ضدی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے کسی کے قدم اکھڑ جاتے ہیں' کوئی ثابت قدم رہ جاتا ہے نہ۔"

"میں ثابت قدم نہیں رہنا چاہتا۔ میں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔ پلیز عدنان میری بات مان لو۔ اسے یہاں سے لے جاؤ۔"

اس نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "تم نے محبت میں جان دینے کی حماقت نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جس کے لیے میرا وجود کانٹوں کا بستر بن جائے۔"

"اور مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی کو اپنی جان کا

نذرانہ پیش کرنا پڑے۔ وعدہ کرو، تم لیلیٰ کی نیک نامی کے لیے کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

جانی نے اسے دیکھا۔ ایک گہری سانس لی پھر سر جھکا کر کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔"

وہ اس کے شانے کو تھپک کر وہاں سے باہر آیا۔ لیلیٰ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو وہ رومال سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی۔ اسے ذرا پیچھے لے جانے لگا۔ وہ کن انکھیوں سے کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں کا پردہ ذرا سرک گیا تھا۔ شیشے کے پیچھے جانی نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ رخصت ہونے والی اپنا غصہ بھول گئی تھی۔ دور ہونے کے احساس نے جانی کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جتنا دور ہو رہی تھی، اتنا ہی کھنچی جا رہی تھی۔ پھر عدنان نے گاڑی کو دوسری طرف موڑ دیا اور واپسی کے راستے پر چل پڑا۔

لیلیٰ نے ونڈ اسکرین کے پار دور تک دیکھتے ہوئے سوچا۔ "آہ! یہ راستہ ہمیشہ مجھے جانی کے کاٹج سے واپس لے جاتا ہے۔ جانے کیوں لے جاتا ہے۔"
اس نے کن انکھیوں سے عدنان کو یوں دیکھا جیسے واپس لے جانے کا ذمہ دار وہی ہو۔

☆============☆============☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ گزرتی ہوئی رات کی آغوش میں بیگم اور حیات مرزا سکون سے سو رہے تھے۔ جب سے عدنان آیا تھا، انہوں نے جیسے سارا بوجھ اس کے کاندھوں پر ڈال دیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے۔

عدنان اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا۔ جیسے اسے بھی کسی طرح کی فکر نہ ہو۔ جو بوجھ اس کے کاندھوں پر ڈالا گیا تھا اسے وہ محض ایک مقدمہ سمجھتا تھا۔ وہ ہر مقدمہ سچے اصولوں اور انصاف کے مطابق لڑنے کا عادی تھا۔ فیصلہ خدا پر چھوڑ دیتا تھا۔ یوں اسے ہر رات گہری نیند آ جاتی تھی۔

لیلیٰ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ چادر پر پڑی ہوئی شکنیں بتا رہی تھیں کہ وہ دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد سوئی ہے۔ اب نیند کی حالت میں بھی وہ پُرسکون نہیں تھی۔ چہرے پر اضطرابی کیفیت تھی۔ جیسے خواب میں اپنے حالات سے لڑ رہی ہو۔

وہ چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی' آنکھیں بند تھیں۔ نیند کی حالت میں پریشان ہو کر اس نے اپنے سر کو بائیں طرف گھمایا۔ وہاں سکون نہ ملا تو اس نے سر کو دائیں طرف گھمایا۔ ایک گیند تھی جو کبھی لڑھکتے ہوئے دائیں طرف جا رہی تھی اور وہاں سے واپس لڑھکتے ہوئے بائیں طرف آ رہی تھی۔

پہلے جانی نظر آیا۔ گیند اس کے قدموں کے پاس تھی۔ وہ ایک کھلاڑی کی طرح دونوں پاؤں سے کھیل رہا تھا۔ پھر اس نے ایک پاؤں سے گیند کو ٹھوکر ماری۔ وہ لڑھکتی ہوئی جانے لگی۔ پھر دوسرے قدموں کے پاس آ کر رک گئی۔ وہ عدنان تھا۔ اب عدنان نے اسے ایک پاؤں سے اچھالا' کبھی اوپر کبھی نیچے۔ پھر اس نے ایک ٹھوکر ماری۔ گیند لڑھکتے ہوئے واپس جانی کی طرف جانے لگی۔ جانی نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی آگے بڑھ کر اسے واپس کر دیا۔ وہ واپس عدنان کے پاس پہنچ گئی۔ لیلیٰ نے اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ عدنان سے کہہ رہی تھی۔ "تم نے جو رویہ اختیار کیا ہے' اس سے میری توہین ہو رہی ہے۔"

عدنان نے حیرانی سے پوچھا۔ "آخر میں نے کیا کیا ہے؟"

"میں سوچ رہی تھی' تم یہاں آتے ہی میرا مطالبہ کرو گے۔ مجھے حاصل کرنا چاہو گے۔"

"اگر میں تمہیں حاصل کرنا چاہوں تو کیا تم میری شریک حیات بننا پسند کرو گی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں کبھی نہیں۔ میں جانی سے محبت کرتی ہوں۔"

"پھر میرے رویے کی شکایت کیوں کرتی ہو؟"

"میں ایک عورت ہوں اور یہ.... توقع کرتی ہوں کہ سات سمندر پار سے آنے والا' مجھے چاہنے والا' کھل کر میرا مطالبہ کرے اور میں انکار کروں۔ اگر آنے والا میرا مطالبہ نہ کرے تو مجھے اپنی توہین کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔"

"میری یہاں آمد ہی میرا مطالبہ ہے۔ میں نے صاف لفظوں میں کہا ہے، تمہیں دل وجان سے چاہتا ہوں اور ہمیشہ چاہتا رہوں گا۔"

"یہ دعویٰ تم زبان سے کرتے ہو مگر جانی کے لیے کوششیں کرتے ہو۔ محبت کا یہ مقدمہ جانی کے حق میں جیتنا چاہتے ہو۔"

عدنان نے گیند کو پھر پاؤں سے ذرا اچھالا۔ اسے ایک کک ماری۔ وہ لڑھکتی ہوئی جانی کے پاس پہنچ گئی۔ لیلیٰ نے خود کو جانی کے روبرو پایا۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ یہ دنیا والے ہم سے ہماری محبت چھین رہے ہیں اور وہ............"

اس نے عدنان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور وہ ہمیں محبت کی بھیک دے رہا ہے۔ ہم پر احسان کر رہا ہے۔"

جانی نے کہا۔ "تم غلط سوچ رہی ہو لہٰذا غلط سمجھ رہی ہو۔ دنیا والے ہمارے مخالف ہیں۔ ان کی مخالفت سے عدنان فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن وہ ہماری بھرپور حمایت کر رہا ہے۔"

"پھر تم مایوس کیوں ہو؟"

"تمہاری بھلائی کے لیے، تمہاری اور تمہارے خاندان کی نیک نامی کے لیے، تمہارے مستقبل کے لیے۔ تم ایک دن ماں بنو گی اور جب تمہارے بچے بڑے ہوں گے، اپنے باپ کا نام پوچھیں گے تو تم کون سا نام بتانا پسند کرو گی۔ اس شخص کا جس کے خاندان کا نام ونشان نہیں ہے یا اس کا جو باقاعدہ ایک شجرہ رکھتا ہے۔"

"کیا جس شخص کے ماں باپ کا نام ونشان نہ ملے، وہ معاشرے میں ناقابل قبول ہوتا ہے؟"

جانی نے کہا۔ "یہی ہماری تہذیب کا المیہ ہے۔"

اس نے گیند کو ایک ٹھوکر ماری۔ وہ لڑھکتی ہوئی گئی لیکن درمیان میں رک گئی۔ اب لیلیٰ ان کے درمیان کھڑی ہوئی تھی اور عدنان کو دیکھ رہی تھی۔ عدنان کہہ رہا تھا۔ "خدانخواستہ میرے ماں باپ کا نام ونشان نہ ہوتا تو میرے ساتھ بھی یہی ہوتا۔ معاشرے

میں مجھے جانی کی طرح قبول نہ کیا جاتا۔ تہذیب خواہ مغرب کی ہو یا مشرق کی' اس دنیا کے اونچے لوگ کمتر کو اور کمتر' غریب کو اور غریب بناتے چلے جاتے ہیں۔"

لیلیٰ نے جانی کی طرف دیکھا۔ جانی نے کہا۔ "یہ مشرقی اور مغربی تہذیب کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری انسانی تہذیب کی بات ہے۔ لوگ وہی کرتے ہیں جو انہیں کرنا ہوتا ہے۔ انہوں نے ہر انسان کی انگوٹھی کے لیے ایک نگینہ مقرر کر رکھا ہے۔ تم عدنان کی انگوٹھی کا نگینہ ہو۔ میری انگوٹھی میں آنا چاہو گی تو دنیا والے مذہب کے' تہذیب کے' روایات کے اور رسم ورواج کے مسائل پیدا کرتے جائیں گے۔ پلیز لیلیٰ! تم ایک بیش قدر نگینہ ہو۔ اپنی انگوٹھی کی طرف جاؤ۔"

لیلیٰ نے دائیں طرف دیکھا۔ عدنان نے کہا۔ "انگوٹھی کیسی ہی کیوں نہ ہو' نگینے کو تراشنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔ جانی سے کہو' حوصلہ نہ ہارے۔ اس کے پاس جاؤ۔"

اس نے بائیں طرف دیکھا۔ جانی نے کہا۔ "اس معاشرے کے اندھے کنویں میں رہنے والا تمہیں بھی اندھے کنویں میں نہیں گرا سکتا۔ اس لیے 'ادھر جاؤ۔"

جانی نے گیند کو ایک ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑھکتی ہوئی دوسرے کے قدموں کے پاس گئی۔ عدنان کی آواز آئی۔ "'ادھر جاؤ۔"

اس نے ٹھوکر لگائی۔ گیند لڑھکتی ہوئی دوسرے قدموں کی طرف گئی۔ جانی کی آواز سنائی دی۔ "نہیں۔ 'ادھر جاؤ۔"

گیند پھر لڑھکنے لگی۔ اب لیلیٰ کے دیدے کبھی دائیں طرف' کبھی بائیں طرف حرکت کر رہے تھے۔ گیند اس کے دیدوں کی حرکتوں کی مناسبت سے کبھی دائیں طرف لڑھک رہی تھی کبھی بائیں طرف۔ اس کے ساتھ ہی جانی اور عدنان کی باری باری آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"'ادھر جاؤ۔"

"نہیں' 'ادھر جاؤ۔"

"میں کہتا ہوں' تمہاری جگہ 'ادھر ہے۔"

"نہیں' تمہاری جگہ 'ادھر ہے۔"

لیلیٰ یک بیک ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔ "نہیں، نہیں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں کسی کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

وہ پیچھے ہٹتی جا رہی تھی اور دونوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں کوئی کھلونا نہیں ہوں، میں کوئی بوجھ نہیں ہوں کہ جب چاہا کسی اور کی طرف بڑھا دیا۔ میں گوشت پوست کی ایک عورت ہوں۔ میرے سینے میں دل دھڑکتا ہے۔ میرے اندر عورت کی انا ہے، یہ عورت دنیا میں حسن و جمال کی انتہا بنا کر پیدا کی گئی ہے۔ تم اس عورت کی تعریف نہیں کرو گے تو خدا کے حسن تخلیق کی ناقدری کرو گے۔ اس عورت کی تمنا نہیں کرو گے تو دنیا میں سب سے حسین نعمت کے منکر کہلاؤ گے۔ تم اسے بوجھ سمجھ کر دوسرے کے کاندھے پر ڈالو گے تو پست ہمت سمجھے جاؤ گے اور اس عورت کی توہین بھی کرو گے۔"

وہ اور پیچھے ہٹ کر زور سے چیختے ہوئے بولی۔ "میں احتجاج کرتی ہوں۔ تم دونوں کی محبتوں پر احتجاج کرتی ہوں۔ میں یہ نہیں جاننا چاہتی کہ تم میں سے کون میری محبت میں سمندر سے گہرا ہے۔ میں اظہار چاہتی ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، کون میرا مطالبہ شدت سے کرتا ہے؟ تم میں سے کون ہے جو مجھے بوجھ نہیں سمجھتا؟ تم میں سے کون ہے جو میری خاطر دنیا سے لڑ سکتا ہے؟"

وہ اور پیچھے ہٹ کر بولی۔ "جاؤ، چلے جاؤ۔ میں دھکے کھانے والی عورت نہیں ہوں۔ ایک کے ہاتھوں سے دوسرے کے ہاتھوں میں پہنچنے والی کوئی سستی چیز نہیں ہوں۔ تم مجھے اپنا نہیں سکتے تو نہ سہی، میری توہین تو نہ کرو، مجھے اپنی ٹھوکروں میں تو نہ رکھو۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ روتے روتے دو زانو ہو گئی۔ دو زانو ہونے کے بعد سجدے کی حالت میں جھک گئی۔ اب وہاں لیلیٰ نہیں تھی، ایک گیند پڑی ہوئی تھی مگر اس کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں وہ آہیں وہ سسکیاں، وہ آنسو شور مچا رہے تھے اور باہر دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ "لیلیٰ! دروازہ کھولو۔ کیا ہو گیا ہے؟ کیوں رو رہی ہے؟ کون ہے کمرے میں؟"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے کمرے کو دیکھنے لگی۔

حالانکہ وہ خواب دیکھ رہی تھی مگر اس کی خواب زدہ آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ باہر دروازے پر ابھی تک دستک سنائی دے رہی تھی۔ کبھی ابو کی آواز آ رہی تھی، کبھی امی پریشان ہو کر سوال کر رہی تھیں، کبھی عدنان کہہ رہا تھا۔ "پلیز! دروازہ کھولو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

وہ گم صم سی بیٹھی ہوئی دروازے کو تک رہی تھی۔ دوسری طرف سے آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ کیونکہ اندر سے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ باہر کھڑے ہوئے لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔ اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ "میں ٹھیک ہوں۔ میں خواب دیکھ رہی تھی۔"

عدنان نے پوچھا۔ "لیلیٰ! تم رو رہی تھیں؟"

اس نے بند دروازے کو دیکھا۔ جیسے دوسری طرف کھڑے ہوئے عدنان کو دیکھ رہی ہو پھر اس نے جواب دیا۔ "نہیں، سو رہی تھی، اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔"

عدنان بند دروازے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ حیات مرزا نے کہا۔ "بیٹی! دروازہ کھولو۔"

"ابو، امی! آپ جا کر آرام کریں۔ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔"

چند لمحوں تک خاموش رہی، پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "عدنان صاحب! میں ابھی جانی سے رابطہ قائم کر رہی ہوں۔ اس سے جو گفتگو ہو گی، اسے آپ بھی سنیں گے۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد دروازے کے قریب ہی ایسی آواز آئی جیسے ریسیور اٹھانے کے بعد نمبر ڈائل کیا جا رہا ہو۔ بیگم اور حیات مرزا کو وہاں سے جانا چاہیے تھا لیکن وہ تجسس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ عدنان کو تکنے لگے۔ عدنان چپ چاپ کھڑا اندر سے آنے والی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر لیلیٰ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ہیلو جانی! میں لیلیٰ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف جانی بستر پر لیٹا ہوا ریسیور کان سے لگائے نیند کی حالت میں بے دلی سے آواز سن رہا تھا۔ لیلیٰ کی آواز اور اس کا نام سنتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا پھر اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تم ہو۔ رات کے دو بج کر پچاس منٹ ہوئے ہیں اور تم ابھی تک

جاگ رہی ہو؟"

"نہیں، سو رہی تھی۔ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔"

"تم نے اتنی رات کو فون کیا ہے۔ خیریت سے تو ہو؟"

"ابھی تو خیریت سے ہوں۔ میرے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ یہ دروازہ صبح کھل جائے گا لیکن میں بوبی کی طرح اسے بند کر کے کھولنا بھول گئی تو یہ میری موت کے بعد ہی کھلے گا۔"

جانی نے پریشان ہو کر کہا۔ "نہیں لیلیٰ! ایسا نہ کہو۔ تم بوبی کے نقش قدم پر نہیں چلو گی۔ کیا تمہارے والدین تم پر سختی کر رہے ہیں؟"

"نہیں، تم سختی کر رہے ہو۔ اس وقت عدنان صاحب میرے بند دروازے کے دوسری طرف کھڑے ہماری باتیں سن رہے ہیں۔ میں تم دونوں سے کہتی ہوں، میں کسی پر بوجھ نہیں ہوں۔ تم میں سے کوئی یہ بوجھ کسی دوسرے کے کاندھے پر نہ ڈالے۔ میں ایک خوددار اور انا پرست لڑکی ہوں۔ اگر کسی نے مجھے اپنی جائیداد سمجھ کر کسی دوسرے کے نام منتقل کرنا چاہا تو میں کسی کی صورت نہیں دیکھوں گی، کسی کا نام سننا پسند نہیں کروں گی اور احتجاج کے طور پر اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لوں گی اور تم جانتے ہو جب کوئی بوبی زندگی کا دروازہ بند کر لیتی ہے تو وہ موت کے بعد بھی نہیں کھلتا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف جانی نے چونک کر خالی ریسیور کو دیکھا۔ پھر کان سے لگا کر ہیلو، ہیلو چیخنے لگا۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ وہ پریشان ہو کر بستر سے اٹھ گیا۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ جس طرح بوبی کے ہاتھ سے زندگی چھوٹ گئی تھی اور جس طرح آسکر اس کی لاش کو کاندھے پر اٹھائے آخری سانس تک بھٹکتا رہا تھا، اسی طرح وہ کمرے میں بھٹک رہا تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔ "نہیں، ہرگز نہیں۔ لیلیٰ زندہ رہے گی۔ ایک بہتر مستقبل کے لیے زندہ رہے گی۔ وہ بوبی کی طرح اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں کرے گی اور اگر کرے گی تو اسے کھولنا نہیں بھولے گی۔"

☆-----------☆-----------☆

چرچ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جانی نے اندر قدم رکھتے ہوئے دیکھا۔ پورا ہال خالی
کرسیاں بھی خالی پڑی تھیں۔ فادر جوزف بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ سامنے ایک بڑی
صلیب بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف اونچے سے اسٹیج پر ریلنگ بنی ہوئی تھی۔ وہاں فادر
سن کھڑے ہو کر مقدس انجیل کی آیتیں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔
سری طرف ایک کیبن نما بڑا سا باکس بنا ہوا تھا۔ وہ کنفیسنگ باکس تھا۔

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اگر دل پر بوجھ ہو' ضمیر پریشان کرتا ہو تو اس
نفیسنگ باکس کے سامنے اس کی چھوٹی سی کھڑکی کے پاس دو زانو ہو کر اور خدا کو حاضر
ظر جان کر اپنے گناہوں کا یا اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ یوں دماغ ہلکا ہو جاتا
۔ ضمیر پریشان نہیں کرتا اور خداوند یسوع دل سے اعتراف کرنے والوں کو معاف کر
تا ہے۔

جانی اس باکس کے سامنے پہنچ کر دو زانو ہو گیا۔ کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر کو
کاتے ہوئے بولا۔ "اے دلوں کا حال جاننے والے عالم الغیب! اے خداوند یسوع!
رے بندے اچھی طرح جانتے ہیں کہ تُو دلوں کا حال جانتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنا حال
نے' اعتراف کرنے اس دریچے تک آتے ہیں تاکہ ان کا بوجھ ہلکا ہو اور تو انہیں معاف
ردے۔ آج میں بھی اپنی اس خطا کا اعتراف کرنے آیا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی
طا نہیں کی اور اس سے بڑی کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔"

وہ چند لمحوں کے لیے چپ رہا۔ پھر بولا۔ "میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے آسکر
ر بوبی کو محبت سے مرنے کے لیے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ ایک لاوارث کی محبت کا انجام دیکھنے کے بعد بھی
وارث ہو کر محبت کرنے کی غلطی کی اور اپنی چاہنے والی کو بربادی کے راستے پر لے آیا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے گالیاں دینے والوں کو پلٹ کر گالی نہیں دی۔

"میں اس غلطی کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ فادر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے
یں نے دشمنوں کو معاف کر دیا۔

"اب میں اپنی تمام غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ لیلیٰ کے بہتر مستقبل کے
عدنان کے حق میں محبت کی بازی ہارنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ میں بہت
غلطی کروں۔

"میں ان دشمنوں کو معاف نہیں کروں گا جو مجھ سے پہلے لیلیٰ کو تباہی کے راستے
لے آئے۔ انہوں نے چیلنج کیا اور اس بے چاری کو میری راہ پر لگا دیا۔ میں ان سے
چُن کر بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

"اب میرے سامنے یہی راستہ رہ گیا ہے کہ اس دنیا سے اٹھ جاؤں۔ میں
عدنان کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ وہ ذہین اور معاملہ فہم ہے۔ وہ لیلیٰ کو ہوبی نہیں
دے گا۔ میرے مالک تو میری نیک نیتی کو خوب سمجھتا ہے۔ تو نے یہ کیسی عجیب دنیا بنا
ہے کہ نیک نیتی کے راستے پر چلنے کے لیے کبھی کبھی غلط قدم بھی اٹھانا پڑتا ہے لہٰذا میں
سب سے پہلے جارج کو قتل کروں گا۔ اس کے بعد مارٹن کو' اس کے بعد مراد اور راما را
کو۔ میں تمام گالیاں دینے والوں کو ختم نہیں کر سکتا مگر انہیں یہ تو سمجھا سکتا ہوں کہ کس
لاوارث کو گندے الفاظ میں لاوارث کہنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

"اے خداوند یسوع! شاید میں تیرا پہلا بندہ ہوں جو غلطی کرنے کے بعد اعتراف
کرنے نہیں بلکہ غلطی کرنے سے پہلے اعتراف کرنے آیا ہے۔ اگر تو خطا کاروں کو معاف
کرتا ہے تو مجھے خطا کرنے سے پہلے روک دے اور لیلیٰ کی زندگی سنوار دے۔ میرے
مالک! اسے زندگی دے' سلامتی دے اور خوشحالی دے۔ آمین۔"

وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔ جب کوئی بہت زیادہ ضرورت
مند ہو کر دعا مانگتا ہے تو اسے ایسا لگتا ہے جیسے ابھی دعا قبول ہو گی اور ضرورت پوری ہو
جائے گی لیکن قبولیت کے لیے لازم ہے کہ دعا کی مناسبت سے عمل بھی جاری رہے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایسا عزم تھا جو انسان کو ارادے کے بعد
عمل کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ چہرہ ایک کھلے ہوئے اخبار کی طرح تھا۔ "ایک موٹر
مکینک جانی پار کرنے جارج نامی ایک اعلیٰ خاندان کے نوجوان کو قتل کر دیا۔"

عدنان نے اخبار ایک طرف ہٹا کر لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اوہ خدایا! جانی نے یہ

غائب کر دیا!"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"اس نے جارج کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر پڑھو۔"

اس نے اخبار بڑھا دیا۔ ڈرائنگ روم میں بیگم اور حیات مرزا بھی موجود تھے۔ وہ وہاں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ سب ہی اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیلیٰ پڑھتی جا رہی تھی اور بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ "نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔ جانی کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

عدنان نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس پر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔"

حیات مرزا نے بیٹی سے اخبار جھپٹ لیا۔ پھر اسے پڑھنے سے پہلے کہا۔ "پولیس نے بیان دیا ہو گا۔ اخبار والے غلط خبر شائع نہیں کر سکتے۔"

لیلیٰ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کی طرف آئی۔ پھر پوچھا۔ "آپ کسے فون کر رہے ہیں؟"

"جانی کو فون کر رہا ہوں۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی ہے مگر کوئی اٹھانے والا نہیں ہے۔"

لیلیٰ نے ریسیور لے کر کان سے لگایا' پھر سننے لگی۔ دوسری طرف کاٹج کا ٹیلی فون تھا۔ لیلیٰ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جانی تشدد پر اتر آئے گا۔ اس کی کاٹج سے غیر حاضری شبہات میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس نے ریسیور کو کان سے لگائے رکھا۔ دل کہہ رہا تھا' جانی کاٹج سے باہر ہو گا یا باتھ روم میں ہو گا۔ آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ وہ ریسیور ضرور اٹھائے گا۔

عدنان نے کہا۔ "شاید وہ کسی کام سے باہر گیا ہے۔"

لیلیٰ نے سر ہلا کر تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں وہ اس وقت کاٹج میں نہیں ہوتا۔ دکانوں میں اسپیئر پارٹس سپلائی کرتا ہے۔"

حیات مرزا نے اخبار کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے دل کو تسلیاں دے رہی ہو۔ یہاں اخبار میں لکھا ہوا ہے کہ پولیس والے اس کے کاٹج تک بھی گئے تھے۔ اسے ہر

جگہ تلاش کیا جارہا ہے۔ میں اسی لیے سمجھاتا تھا کہ اچھے اور برے کی تمیز کرو۔ دیکھو! اگر تمہیں والدین کی عزت کا اور خاندان کی نیک نامی کا پاس ہے تو اس کے کالج کی طرف نہ جانا۔ کبھی اسے تلاش نہ کرنا۔ بات بڑھے گی تو اس قاتل کے ساتھ تمہارا نام آئے اور جب تمہارا نام اخبارات میں شائع ہوگا تو ہم کسی کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

"ابو! وہ قاتل نہیں ہے' وہ مجرمانہ ذہن نہیں رکھتا۔ اخبارات نے غلط لکھا ہے۔"

"جارج کے باپ نے اپنا بیان دیا ہے کہ اس کے بیٹے سے جانی کی دشمنی تھی جانی ہی اسے قتل کر سکتا ہے۔"

لیلیٰ نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "مقتول کا باپ یا اس کے رشتے دار کسی کو قاتل کہہ دیں تو وہ قاتل نہیں ہو جاتا۔ اتنا بڑا الزام ثابت کرنے کے لیے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

عدنان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔ جانی ان لوگوں میں سے ہے جو گالیاں سننے کے بعد بھی جنون میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس کے مزاج میں بڑا تحمل ہے۔ آؤ لیلیٰ! ہم اسے تلاش کریں۔"

حیات مرزا نے حیرانی سے کہا۔ "عدنان! یہ تم کیا کرنے جارہے ہو؟"

"میں ایک ایڈووکیٹ بھی ہوں۔ میرا فرض ہے کہ ایک بے گناہ کو بے گناہ ثابت کروں۔"

"گویا تم لیلیٰ کو اسی مغربی گورکھ دھندے میں الجھا رہے ہو' جس سے یہ آج تک نکل نہیں پائی۔"

عدنان نے حیرانی سے پوچھا۔ "انکل! مغربی تہذیب میں برائی کیا ہے۔ اگر آپ کو اعتراض ہے کہ یہاں لیلیٰ جیسی لڑکیاں اپنے سر کے بال کٹواتی ہیں تو پاکستان کی لڑکیاں بھی کٹواتی ہیں۔ اگر یہ میک اپ کرتی ہیں تو اس سے گہرا میک اپ وہاں کیا جاتا ہے۔ اگر یہ ارینجڈ میرج کے خلاف ہے تو پاکستان میں بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند سے شادی کرتے ہیں۔ پاکستان کے شہروں میں رہنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کے بیشتر والدین اپنی اولاد کی کمائی کے محتاج ہوتے ہیں۔ وہ ان کے آگے اپنی مرضی نہیں منوا سکتے۔ ان کا کام

ب اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ رشتے تلاش کرتے ہیں۔ آخری فیصلہ ان کے بچے ہی کرتے
۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پاکستان میں مشرقی تہذیب نہیں رہی۔"
"ضرور ہے۔ آج بھی ہماری نئی نسل کے نوجوان اپنے والدین اور بزرگوں کا
م کرتے ہیں۔ اگر وہ فیشن کرتے ہیں تو اس میں مشرقی روح ضرور شامل ہوتی ہے۔
کے گیتوں میں' موسیقی میں' ادب اور آرٹ میں مغربیت ضرور ہوتی ہے لیکن اس
یاد مشرقیت سے اٹھائی جاتی ہے۔"
حیات مرزا نے کہا۔ "میں تمہاری بات کو سمجھتا ہوں۔ میری صرف ایک بات کا
ب دو۔ کیا پاکستانی لڑکیاں کسی غیر مسلم سے شادی کرنے کا تصور بھی کر سکتی ہیں؟"
"جہاں تک مذہب کا تعلق ہے' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں' پہلے جانی اسلام قبول
ے گا' اس کے بعد آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے گا۔"
"کیا وہ دل سے اسلام قبول کرے گا؟"
"یہ دل سے اسلام قبول کرنا کیا ہوتا ہے؟ کیا آپ پورے دل سے مسلمان ہیں' کیا
نے کبھی ایک وقت کی نماز پڑھی؟ کیا آپ نے کبھی ایک روزہ رکھا؟ ذرا حساب کر
بتا دیں' آپ چوبیس گھنٹے میں کتنی بار خدا کو یاد کرتے ہیں یا اسی بات پر غور فرمالیں کہ
ن کا مذہب تو کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن دل کا مذہب کیا ہوتا ہے؟ کیا جو اوپر سے
مان نظر آتا ہے' وہ اندر سے کافرانہ اعمال کا مرتکب نہیں ہوتا؟ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں
ہمارے سامنے جو مسلمان ہے اس کے دل پر کسی یہودی نے صیہونیت کا اثر نہ ڈالا
ہو سکتا ہے' وہ اندر سے کمیونسٹ ہو۔ انکل! اگر ہمارا خدا پر ایمان ہے تو ہمیں سوچنا
یے کہ دلوں کا حال صرف وہی جانتا ہے۔ ہم تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے
مسلمان نے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟ اگر وہ خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفیٰﷺ کو آخری
ل تسلیم کرتا ہے تو وہ ہمارے لیے مسلمان ہے۔"
وہ لیلیٰ کے ساتھ جانے لگا۔ بیگم اور حیات مرزا اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔
وہ ڈرائنگ روم سے چلے گئے' نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بیگم نے کہا۔ "یہ تو

عجیب لڑکا ہے۔"

حیات مرزا نے غصے سے کہا۔ "عجیب نہیں' پاگل ہے بلکہ پاگل نہیں احمق۔
ہم اچھی طرح جانتے ہیں' یہ لیلیٰ کو چاہتا ہے اس سے شادی کرنے اتنی دور آیا ہے مگر
کے حق میں راستہ ہموار کر رہا ہے۔"

بیگم نے دور خالی دروازے کو دیکھا جہاں سے ان کی بیٹی گئی تھی۔ اس کے ساتھ
خوبرو جوان بھی تھا جسے وہ اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا
"محبت ایسی بھی ہوتی ہے۔ یہ لڑکا لیلیٰ کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ رہا ہے۔"

حیات مرزا نے ناگواری سے کہا۔ "اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہا ہے۔"

عدنان کے پاؤں ایکسی لیٹر پر تھے۔ دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ گاڑی کی رفتار بھی بڑھ
چلی جا رہی تھی۔ لیلیٰ کبھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی اور کبھی کن انکھیوں سے اسے دیکھنے
لگتی تھی' پھر اس نے پوچھا۔ "آپ کو یقین ہے کہ جانی ایسا نہیں کر سکتا؟ مجھے یقین ہے
لیکن وہ کہاں گم ہو گیا ہے؟"

"شاید جھوٹے الزامات سن کر روپوش ہو گیا ہے۔"

"وہ مجھ سے تو رابطہ قائم کر سکتا تھا۔"

"کر سکتا تھا مگر کیوں نہیں کیا' یہ تو ملاقات ہونے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"ہم جانی کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

"تم اطمینان رکھو۔ میں اس کا تحفظ کروں گا۔"

"وہ کیسے؟"

"پہلے ہم بیرسٹر صاحب کے پاس جا رہے ہیں۔"

وہ بیرسٹر ہمایوں مرزا کے پاس پہنچ گئے۔ وہ عدنان کے استادوں میں سے تھے
انہوں نے عدنان اور لیلیٰ کو خوش آمدید کہا۔ ان کی خیریت پوچھی۔ عدنان نے کہا۔ "آپ
نے آج کا اخبار دیکھا ہو گا۔ میں جانی پارکر کے سلسلے میں آیا ہوں۔ پولیس اس پر قاتل
ہونے کا شبہ کر رہی ہے اور وہ اپنے کاٹج میں نہیں ہے۔ میں اس کی ضمانت قبل
از گرفتاری چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں کیس کے سلسلے میں باتیں کرنے لگے۔ لیلیٰ انہماک سے سن رہی تھی، کبھی صاحب کو اور کبھی عدنان کو بڑی عقیدت سے دیکھتی تھی مگر اس عقیدت کے ساتھ کچھ ندامت سی بھی تھی جیسے کسی بات پر پچھتا رہی ہو۔

پچھتاوا اس پر بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کو کسی سے وابستہ کرنے میں کر رہی ہے اور پچھتاوا اس لیے بھی ہو سکتا تھا کہ اس نے عدنان کو سمجھنے میں غلطی ۔ وہ اسے بوجھ سمجھ کر جانی کے کاندھے پر نہیں ڈال رہا ہے بلکہ صحیح معنوں میں کر رہا ہے۔ اس کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دے رہا ہے اور یہ بڑے حوصلے کی بات

بیرسٹر صاحب نے کہا۔ "ہم جانی کو حوالات جانے کا موقع نہیں دیں گے لیکن اس ت ضروری ہے۔ اسے تلاش کرو۔"

لیلیٰ نے پریشان ہو کر عدنان کو دیکھا، پھر پوچھا۔ "اسے کہاں ڈھونڈا جا سکتا ہے؟"

عدنان نے کہا۔ "وہ کالج میں نہیں آئے گا۔ جن دکانوں میں مال سپلائی کرتا ہے، ن دکانداروں کو بھی پتہ نہ ہو۔ اس کے باوجود ہم اسپیئر پارٹس کے ڈیلروں سے رابطہ یں گے۔"

وہ بیرسٹر صاحب کے پاس سے چلے آئے۔ عدنان نے پھر کار کی اسٹیئرنگ سیٹ ۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اب اسے لگ رہا تھا جیسے اپنوں میں سے کسی کے کھ رہی ہو۔ اسے ایک ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس پر ایسا بھرپور و گیا تھا کہ ایسا اعتماد اس نے اپنی زندگی میں کسی پر نہیں کیا تھا۔ جب گاڑی آگے تو وہ چور نظروں سے دیکھنے لگی۔ یہ وہی تھا جسے وہ پہلی بار اسکرین پر دیکھنے سے رہی تھی۔ چونکہ اسی کے متعلق سوچتی جا رہی تھی، اس لیے وہ سوچنے کے دوران یار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

بڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ "کیا جانی ہمیں مل جائے گا؟"

"وہ یقیناً اسی شہر میں ہو گا۔ اگرچہ وقتی طور پر روپوش ہو گیا ہے لیکن تم سے ضرور ے گا۔"

"میں نے سنا ہے اور دیکھا ہے کہ ایشیائی لوگ اپنی ہونے والی بیویوں پر کسی غیر کا سایہ بھی برداشت نہیں کرتے۔"

"ہاں، کچھ ایشیائی ایسے ہوتے ہیں لیکن سب ایسے نہیں ہوتے۔ پاکستان میں بے شمار لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے جاتی ہیں۔ شہر کی لڑکیاں ملازمتیں کرتی ہیں۔ ان کی دوسری مصروفیات بھی ہوتی ہیں۔ وہ گھر سے باہر لازمی جاتی ہیں۔ جانے وہ کتنے اجنبیوں کے درمیان سے گزرتی ہیں، کتنوں سے باتیں کرتی ہیں، کتنوں کے ساتھ وقتی طور پر انہیں کسی نہ کسی کام میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں وہ کسی کو بھی پسند کر لیتی ہیں، کسی کو اپنا آئیڈیل بنالیتی ہیں۔ کسی کے ساتھ اپنی ساری زندگی گزارنا چاہتی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اخلاقی حدود میں نہیں رہتیں۔ وہ کسی کو آئیڈیل بنانے اور کسی کو چاہنے کے باوجود اپنا عورت پن برقرار رکھتی ہیں۔ عورت کے غرور کو ٹھیس نہیں پہنچنے دیتیں۔ اصل بات مرد کے حوصلے اور ذہانت کی ہے کہ وہ اپنی ذات سے اپنی ہونے والی بیوی کو کس طرح پرکھتا ہے اور کس حد تک اس پر اعتماد کرتا ہے۔ ہزار بات کی ایک بات یہ ہے کہ تم کوئی سستی لڑکی نہیں ہو اور میں کوئی شکی مزاج نہیں ہوں۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اندر ہی اندر بہت زیادہ اضطراب میں مبتلا ہو گئی۔ پھر جیسے پھٹ پڑی۔ کہنے لگی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک تو آپ میرا اور جانی کا بھی ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمیں شادی کی منزل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ پھر مجھ پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔ مجھے دل وجان سے چاہنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ آخر آپ بھی انسان ہیں۔ جب ہمارے کام آنے کا وعدہ کیا ہے تو کیا آپ کے دل میں کھوٹ پیدا نہیں ہوتا؟"

"اگر مجھ سے کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو مجھے افسوس ہے۔ ورنہ دانستہ تم لوگوں کا ساتھ دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تم دیکھ رہی ہو کہ کس طرح میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تمہیں بہلانے پھسلانے کے لیے خواہ مخواہ گاڑی کا پٹرول خرچ کرتا، اور دن بھر تمہیں لیے لیے پھرتا جیسے وہ جانی کو تلاش کر رہا ہو لیکن میرے تلاش کرنے کے طریقے ہیں۔ تم خود دیکھ لو۔"

وہ ایک بڑے سے اخبار کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ایک چھوٹا سا اشتہار لکھوایا۔ وہ اشتہار چھوٹا سا تھا لیکن جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ "جانی تم کہاں ہو؟"

اس کے نیچے لکھوایا تھا۔ "عدنان سے کسی طرح رابطہ قائم کرو۔"

اس کے نیچے عدنان نے حیات مرزا کے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر لکھوایا تھا۔

لیلیٰ نے کہا۔ "اشتہار میں میرا نام ہوگا تو وہ ضرور رابطہ قائم کرے گا۔"

"وہ یوں بھی سمجھ جائے گا کہ تم اسے مخاطب کر رہی ہو' اسے تلاش کر رہی ہو لیکن اشتہار میں تمہارا نام دینا گویا ماں باپ کی عزت اچھالنا ہے۔"

وہ جواباً خاموش رہی۔ اب عدنان کی ہر بات قابل قبول تھی۔ اس کا ہر قدم محبت کی طرف اٹھ رہا تھا اور یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اس کا ہر قدم اسے اپنی ہی طرف آتا محسوس ہوتا تھا۔

انہوں نے کئی اخبارات کے دفاتر سے رابطہ قائم کیا۔ ہر اخبار میں وہی مختصر سا اشتہار چھاپنے کے لیے دیا۔ مقامی ریڈیو کے تلاش گمشدہ پروگرام میں جانی کو مخاطب کرنے کے سلسلے میں متعلقہ لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔

وہ صبح دس بجے گھر سے نکلے تھے۔ جب واپس آئے تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ لیلیٰ نے آتے ہی پوچھا۔ "کیا جانی کا فون آیا تھا؟" حیات مرزا نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس کی امی نے کہا۔ "ہاں آیا تھا۔ ہم نے کہہ دیا تھا' تم پر گھر پر نہیں ہو۔"

"اوہ' امی! آپ نے پوچھا تو ہوگا کہ وہ کہاں ہے؟ کہاں مل سکتا ہے؟"

حیات مرزا نے کہا۔ "فون میں نے ریسیو کیا تھا' تمہاری امی نے نہیں اور میں نے یہ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

عدنان نے کہا۔ "انکل! آپ جانتے ہیں' ہم اسے تلاش کرنے گئے تھے۔ آپ کو اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہئیں تھیں۔"

"میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ نے جتنی دنیا دیکھی ہے' اتنی ہی دنیا ہمیں دکھانے میں ناکام کیوں ہو رہے ہیں؟" لیلیٰ نے کہا۔

وہ غصے سے لیلیٰ کو دیکھ کر بولے۔ "یہ نالائق ہے' گستاخ ہے' نافرمان اولاد ہے۔"

"سوری انکل! آپ اپنی غلطیوں کو چھپانے کے لیے جوان نسل پر الزامات عائد کرتے ہیں۔ آپ صرف ایک بات کا جواب دے دیجئے' پھر ہم قائل ہو جائیں گے کہ آپ نے بڑی دنیا دیکھی ہے۔"

"میں تم دونوں کے کسی سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔"

اس نے گہری نظروں سے حیات مرزا کو دیکھا پھر کہا۔ "میں یہاں آکر آپ کی توقع پر پورا نہیں اتر رہا ہوں۔ مجھے جانا چاہیے۔"

بیگم نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں بیٹے! ایسی بات نہ کرو۔ ہمارا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ہم تمہیں کتنا چاہتے ہیں' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"آپ دونوں لیلیٰ کو بھی چاہتے ہیں لیکن صرف چاہنے سے زندگی سنور نہیں جاتی۔ میں پوچھتا ہوں' جس مشرقی تہذیب کے گن گاتے ہیں جس کی خاطر لیلیٰ کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں' اس تہذیب کو یہاں زندہ اور قائم رکھنے کے لیے آپ نے کیا کیا ہے۔ جب ہم پاکستانی تہذیب کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے اسلامی تہذیب۔ آپ نے یہاں آباد ہو کر' لاکھوں کروڑوں پونڈز کما کر اسلامی تہذیب کو متعارف کرانے کے سلسلے میں کیا کیا ہے؟ آپ نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم دینے کے سلسلے میں کیا یہاں باقاعدہ مدرسے قائم کیے ہیں؟ لندن میں چند مسجدیں ہیں لیکن کوئی ایسا قابل ذکر مدرسہ نہیں ہے' اگر ہو گا بھی تو اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں اور ایک آدھ مدرسے سے کیا ہوتا ہے جب کہ ہزاروں لاکھوں شراب خانے اور تفریح گاہیں ہیں۔ آپ کی جوان نسل شراب خانوں کی طرف اس لیے جاتی ہے کہ آپ نے اس کی بنیاد کمزور کر دی۔ اپنے گھر کی پہلی اینٹ بنیاد کے طور پر رکھنے سے پہلے اسلامی تعلیم کی ایک بنیادی اینٹ رکھ دی ہوتی تو آج لیلیٰ آپ کی تہذیب کو سمجھنے سے انکار نہ کرتی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ حیات مرزا نے ریسیور اٹھایا' دوسری طرف آواز سنی پھر غصے سے دھاڑتے ہوئے بولے۔ "میں کہہ چکا ہوں' یہاں کوئی نہیں ہے۔ خبردار! آئندہ فون نہ کرنا۔"

عدنان نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "انکل! سوچ سمجھ کر جھوٹ بولیں۔ کیا آپ کی تہذیب جھوٹ بولنا سکھاتی ہے؟ اگر نہیں تو ریسیور لیلیٰ کو دے دیجیے۔"

لیلیٰ اپنے ابو کے قریب آگئی۔ اس کے ابو نے سوچتی ہوئی نظروں سے عدنان کو دیکھا۔ پھر لیلیٰ کی طرف دیکھے بغیر ریسیور بڑھا دیا۔ لیلیٰ نے اسے کان سے لگاتے ہی کہا۔ "ہیلو جانی! تم کہاں ہو؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جہاں بھی ہوں' خیریت سے ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔"

"کیسے نہ کروں۔ میں اور عدنان تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتے رہے ہیں۔ صبح نکلے تھے' شام ہو گئی ہے۔ کل کے اخبارات پڑھو گے اور ریڈیو سنو گے تو معلوم ہو گا' ہم تمہیں کتنی شدت سے تلاش کر رہے ہیں۔ پلیز! مجھے بتاؤ' تم سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"لیلیٰ! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ اپنی جان سے زیادہ مگر تقدیر کو یہ منظور نہیں ہے۔"

"کیوں منظور نہیں ہے؟"

"حالات نے مجھے قاتل بنا دیا ہے۔"

"نہیں جانی' تم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ سچ سچ بتاؤ۔ تم نے قتل نہیں کیا ہے؟"

"میں نے کیا ہے۔ اب میرا دوسرا شکار مارٹن ہے۔"

وہ چیخ کر بولی۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ تم جارحانہ اقدامات کرنے والوں میں سے نہیں ہو۔ تم نے کبھی عدنان صاحب کو اپنا رقیب نہیں سمجھا۔ پھر جارج اور مارٹن جیسے احمق نوجوانوں کے دشمن کیسے بن سکتے ہو؟ نہیں' تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھ سے دور جانے کے لیے کسی کا جرم اپنے سر لے رہے ہو۔"

"یہ کیسی بات کر رہی ہو۔ جرم کوئی کرے اور میں الزام اپنے سر لوں' بھلا پولیس والے' قانون کے محافظ اتنے نادان تو نہیں ہوتے۔ ایک شخص جو بہت ہی نارمل ہوتا ہے'

کبھی تشدد کے متعلق سوچتا بھی نہیں۔ وہ حالات سے مجبور ہو کر بے اختیار جنونی حالت میں کسی دشمن کا سر کچل دیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی جنونی کیفیت مجھ پر طاری ہے۔ میں نے اپنے آپ کو بہت روکنا چاہا مگر دشمنوں نے مجبور کر دیا۔"

"یعنی تم اس قدر جنون میں مبتلا ہو گئے کہ تمہیں میرا مستقبل یاد نہیں آیا۔ تمہاری نظروں میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم نے انتقام کو ضروری سمجھا اور یہ نہیں سوچا کہ تم جیل چلے جاؤ گے پھر میرا کیا ہو گا۔"

"میں نے جو بھی سوچا ہے تمہارے بھلے کے لیے ہی سوچا ہے۔ میں تمہارے لیے جان کی بازی لگا سکتا ہوں۔"

"لگا سکتے ہو یا لگا رہے ہو۔ تم سوچ رہے ہو' دشمنوں سے انتقام لیتے لیتے خود ہلاک ہو جاؤ پھر میرا مستقبل سنور جائے گا۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں تمہارے ان مجرمانہ اقدامات کے باعث بدنام ہو سکتی ہوں۔"

"تمہیں کون بدنام کر سکتا ہے؟ ان اقدامات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تعلق ہے' تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو۔ مجھے بتاؤ' کہاں ہو؟ میں ابھی تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"میں ابھی نہیں مل سکتا۔ بہت مجبور ہوں۔ پولیس والے میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ میں کل کسی وقت تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"ابھی فون بند نہ کرنا۔ میں آج ہی ملنا چاہتی ہوں۔"

"ضد نہ کرو۔ میری مجبوریوں کو سمجھو۔"

"اچھا' وعدہ کرو۔ اب کوئی مجرمانہ قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ جو کیا ہے' اس سلسلے میں عدنان صاحب سے بات کرو۔ انہوں نے تمہاری ضمانت کا انتظام کر لیا ہے۔ پولیس والے تمہیں گرفتار نہیں کریں گے۔ تم آج نہیں مل سکتے' نہ سہی۔ کل صبح کہیں ملنے کا وعدہ کرو۔ ہم تمہیں بیرسٹر صاحب کے پاس لے جائیں گے۔ یہ لو' ان سے بات کرو۔"

لیلیٰ نے عدنان کی طرف ریسیور بڑھایا۔ اس نے ریسیور لیا' پھر کہا۔ "ہیلو جانی' میں عدنان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ عدنان نے پھر آواز دی۔ "ہیلو' جانی! ہیلو ہیلو۔" پھر اس نے ریسیور کو دیکھا۔ لیلیٰ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"آواز نہیں آ رہی ہے۔ ادھر سے ریسیور رکھ دیا گیا ہے۔"

لیلیٰ نے ریسیور لے کر جانی کو مخاطب کیا۔ بار بار ہیلو ہیلو کہتی رہی مگر جواب سنائی نہیں دیا۔ وہ اسی طرح ریسیور تھامے کھڑی رہی۔ سوچتی رہی۔ عدنان نے کہا۔ "اسے رکھ دو۔ شاید کسی وجہ سے لائن کٹ گئی ہو۔ شاید وہ دوبارہ فون کرے۔"

اس نے فوراً ہی اسے رکھ دیا۔ حیات مرزا بہت پہلے ہی بیٹی کو غصے میں دیکھتے ہوئے چلے گئے تھے۔ بیگم بھی نہیں تھیں۔ وہ دونوں ٹیلی فون کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ انتظار کرنے لگے لیکن جانی نے پھر فون نہیں کیا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ جانی نے فون کیوں نہیں کیا؟"

"کوئی بات ہو گی۔"

"آخر کیا بات ہو سکتی ہے۔ یقیناً اس نے کسی فون بوتھ سے فون کیا ہو گا۔ وہ دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے' جہاں سے فون کیا تھا' وہاں خطرہ محسوس کیا ہو اور وہ بوتھ سے دور جانے پر مجبور ہو گیا ہو۔"

"اس شہر میں ہزاروں بوتھ ہیں۔"

"وہ دیر سویر' ضرور رابطہ کرے گا۔ ذرا تحمل سے کام لو۔"

شام سے رات ہو گئی۔ رات کے کھانے کے دوران وہ سب میز کے اطراف بیٹھے رہے۔ چپ چاپ کھاتے رہے۔ آخر میں حیات مرزا نے ہی خاموشی کو توڑتے ہوئے عدنان سے پوچھا۔

"کیا واقعی تم اس کی ضمانت لے رہے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کیا تم ایک قاتل کا مقدمہ لڑو گے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا اسے سزائے موت سے بچا سکو گے؟"

"زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ کوشش کرتا ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا۔"

"میاں صاجزادے! یہ لندن ہے۔ یہاں پولیس اور انٹیلی جنس والے اتنے فرض شناس ہوتے ہیں کہ کسی بھی کیس کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ٹھوس ثبوت فراہم کرتے ہیں۔"

"اور اگر ٹھوس ثبوت فراہم نہ ہو سکا تو؟"

حیات مرزا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکا کر سوچنے کے انداز میں آہستہ آہستہ لقمہ چبانے لگے۔ اسی وقت ڈرائنگ روم سے فون کی گھنٹی سنائی دی۔ لیلیٰ کھانا چھوڑ کر ایک دم سے اچھل پڑی۔ کرسی پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ وہ دوڑتے ہوئے ادھر جانے لگی۔ حیات مرزا نے غصے سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "کیا اس لڑکی کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ یہ والدین کے سامنے دیوانگی ظاہر کر رہی ہے۔"

عدنان خاموشی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اطمینان سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔ "جی ہاں' میں لیلیٰ بول رہی ہوں۔ میں جانی پارکر کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسے تلاش کر رہی ہوں۔ آپ کون ہیں؟ کیا اس کا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "مس لیلیٰ! میں انسپکٹر آرتھر بول رہا ہوں۔ میں نے خود اس کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ٹیلی فون کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے' جانی سے تمہارے دوستانہ مراسم ہیں اور وہ تم سے یقیناً ملتا ہے اور اگر ملتا ہے تو تمہیں اس کا پتہ بتانا چاہیے' قانون سے تعاون کرنا تمہارا اولین فرض ہے۔"

"میں اپنا فرض سمجھتی ہوں' ابھی کہہ چکی ہوں کہ میں خود اسے تلاش کر رہی ہوں۔ آج میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ جارج کے قتل کے سلسلے میں اس پر شبہ کیا جا رہا ہے۔"

انسپکٹر آرتھر نے کہا۔ "پہلے ہمارا شبہ تھا لیکن مارٹن کے قتل ہونے کے بعد یہ شبہ

یقین میں بدل گیا ہے۔"

"کیا؟" لیلیٰ نے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا۔ "کیا مارٹن قتل کر دیا گیا ہے؟"

"جی ہاں' جارج اور مارٹن کے رشتے داروں کا جو بیان ہے' اس میں دو باتیں مشترک ہیں۔ ایک تو یہ کہ جانی پارکر ان کا دشمن تھا اسی نے قتل کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانی پارکر سے تمہارے دوستانہ مراسم ہیں۔"

"میں دوستانہ مراسم سے انکار نہیں کرتی لیکن یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ جانی نے یہ قتل کیے ہیں۔ صرف اس بنیاد پر کہ جارج اور مارٹن وغیرہ نے اس پر حملہ کیا تھا اور اس کے جواب میں وہ انہیں قتل کر رہا ہے۔ ایسا تو کوئی جنونی پاگل ہی کر سکتا ہے۔"

"یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ وہ جنونی اور پاگل ہے یا نہیں؟ اگر وہ مجرم نہیں ہے تو کیوں چھپتا پھر رہا ہے؟ مقتولین کے عزیز و اقارب نے جو بیانات دیے ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ جارج اور مارٹن کے علاوہ راما راؤ اور مراد نامی ایک باڈی بلڈر نے بھی اس پر حملہ کیا تھا۔ اگر جانی انتقاماً انہیں قتل کر رہا ہے تو جارج اور مارٹن کے قتل کے بعد راما راؤ اور مراد کی باری ہے۔ ہم نے ان کی حفاظت کے مکمل انتظامات کر لیے ہیں۔ وہ ان کی طرف رخ کرے گا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

عدنان کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا لیلیٰ کو تک رہا تھا اور اندازہ کر رہا تھا کہ دوسری طرف کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "ریسیور مجھے دو۔ یہ قانونی معاملات ہیں۔ میں بات کرتا ہوں۔"

لیلیٰ نے ریسیور کو کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ادھر سے رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ پولیس انسپکٹر آرتھر نے یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ ہمیں جانی کا پتہ معلوم ہے یا نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' جانی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے مارٹن کو بھی قتل کر دیا ہے۔"

عدنان چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا اور سوچتا رہا۔ حیات مرزا نے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے کہا۔ "مبارک ہو' جانی تو ترقی کر رہا ہے۔"

لیلیٰ نے سر گھما کر اپنے ابو کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں کچھ زیادہ

نہیں کہوں گا کیونکہ مجھے بھی اپنے جرم کا احساس ہو گیا ہے۔ عدنان نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ہم نے اپنی جوان نسل کو بچپن ہی سے اپنی تہذیب سے متعارف نہیں کرایا۔ کوئی ایسا بنیادی اور ٹھوس طریقہ کار اختیار نہیں کیا جس سے ہماری اولاد استفادہ کرتی۔ ہم یہ فخر سے نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اپنی تہذیب کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے اپنا فرض پوری طرح ادا کیا ہے۔ تم' عدنان اور جانی آئندہ نسل کے روپ میں ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے کہ تم نے کیا اچھا کیا؟ کیا برا کیا؟ اگر تم نے انتخاب میں کوئی غلطی کی ہے تو اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔"

"ابو! میں حالات کو سمجھ رہی ہوں۔ آپ کی باتیں بھی سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن میرا انتخاب غلط نہ ہوا' جانی بے قصور ثابت ہوا تو؟"

حیات مرزا نے کہا۔ "پھر میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔"

عدنان نے کہا۔ "میں یقین سے کہتا ہوں' جانی بے گناہ ہے۔ میں یہاں کی عدالت میں براہ راست اس کا مقدمہ نہیں لڑ سکتا لیکن بیرسٹر صاحب کے ذریعے ضرور اسے بے گناہ ثابت کروں گا۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ قائم ہوتے ہی بیرسٹر ہمایوں مرزا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مارٹن نامی ایک نوجوان قتل کر دیا گیا ہے' یہ جارج کا دوست تھا اور جانی کا دشمن۔ پولیس اور زیادہ سرگرمی سے جانی کو تلاش کر رہی ہے۔"

بیرسٹر نے پوچھا۔ "اس کے متعلق پولیس والے اور کیا کہتے ہیں؟"

"دراصل کچھ دن پہلے جانی پر چار نوجوانوں نے حملہ کیا تھا۔ جارج' مارٹن' راما راؤ اور ایک باڈی بلڈر مراد۔ ان میں سے دو قتل ہو چکے ہیں۔ پولیس والوں کا خیال ہے' جانی باقی دو دشمنوں کی طرف بھی آئے گا۔ ان کی حفاظت کے لیے انتظامات کر دیے گئے ہیں۔"

"عدنان! میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں' جانی کی ضمانت منظور نہیں ہو گی۔ دوسرا بھی قتل ہو گیا ہے۔ پولیس والے جانی سے مزید قتل یا کسی اور طرح کی انتقامی کارروائی کی

کر رہے ہیں۔"

"لیکن سر! ابھی تو جانی کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ مقتولین کے عزیز
ب نے جو بیان دیے ہیں ان کی روشنی میں اسے قاتل سمجھا جا رہا ہے۔"

"جو بھی ہے' دوسرے قتل کے بعد جانی کو جنونی تصور کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت
ضمانت نہیں ہو سکتی۔ بات عدالت تک پہنچے گی تبھی ہم کچھ کر سکیں گے۔ اس سے
کچھ نہیں ہو سکتا۔"

وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر مایوسی سے ریسیور رکھ دیا۔ لیلیٰ نے پوچھا۔
ہوا؟"

"معاملہ بگڑتا جا رہا ہے۔ جانی کی ضمانت نہیں ہو سکے گی۔"

"کیوں نہیں ہو سکے گی؟"

"اس کی روپوشی شبہے کو یقین میں بدل رہی ہے پھر دوسرا قتل ہو چکا ہے۔ باقی
ے اور چوتھے کی بھی توقع کی جا رہی ہے۔ ایسی صورت میں ضمانت کیسے ہو سکتی ہے۔
جب بھی ہم سے رابطہ قائم کرے' اسے یہی سمجھانا چاہیے کہ فوراً خود کو گرفتاری کے
پیش کر دے۔"

لیلیٰ نے غصے سے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "وہ رابطہ قائم کرے گا تو میں
ے بات نہیں کروں گی۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں' اس نے ایسا راستہ اختیار کیا
جو اسے مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ وہ یہی چاہتا ہے اور یہی کرتا رہے گا۔"

وہ زینے پر چڑھنے لگی۔ عدنان نے کہا۔ "لیلیٰ! تم اسے غلط سمجھ رہی ہو۔"

وہ زینے پر چڑھتے چڑھتے رک گئی۔ پلٹ کر بولی۔ "آپ اس کی وکالت نہ کریں۔
نے اس سے کہا تھا کہ جو کچھ کر چکا ہے' اس کے بعد کوئی مجرمانہ قدم نہ اٹھائے لیکن
ے منع کرنے کے باوجود اس نے مارٹن کو قتل کر دیا۔"

وہ پھر زینے پر چڑھنے لگی۔ عدنان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "پولیس والوں کے شبہ
نے سے وہ قاتل نہیں کہلا سکتا۔"

"اگر وہ قاتل نہیں ہے تو کیوں چھپتا پھر رہا ہے اور آپ اس کی وکالت کیوں کر

رہے ہیں؟ کیا یہ ثابت کرنے کے لیے آپ اس کے اور میرے ہمدرد ہیں اور ہماری خاطر اپنی محبت کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ بس کریں عدنان صاحب! یہ ناٹک بند کریں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سب ناٹک کرتے ہیں۔ وہ بھی یہی کرتا ہے' آپ بھی یہی کرتے ہیں۔"

وہ سب گم صم کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ پھر زینے سے چڑھتی ہوئی ذرا اوپر گئی پھر رک گئی۔ اس کے بعد پلٹ کر بولی۔ "وہ کون ہوتا ہے میرے لیے موت کے قریب جانے والا۔ کتنی چالاکی سے اپنے آپ کو مارنے کے جتن کر رہا ہے۔ نہ خودکشی کرے گا نہ جیتے جی مجھ سے دور جائے گا۔ کہنے کو یہی ہوگا کہ قانون نے سزا دی مگر کیوں دی؟ قانون تو یہی سمجھتا ہے کہ اس نے جرم کیا اور میں سمجھتی ہوں اس نے مجھے لاوارث زندگی سے نکالنے اور میری زندگی سنوارنے کے لیے ایسا کیا ہے' وہ کون ہے' ایسا کرنے والا۔ اسے میں نے یہ حق نہیں دیا کہ وہ ایسی حرکتیں کرے اور مجھے آپ کے حوالے کردے۔"

وہ پھر تیزی سے زینے چڑھتی ہوئی اوپری منزل پر پہنچ گئی۔ وہاں سے پلٹ کر بولی۔ "آپ نے میرے لیے سات سمندر پار کیے۔ اگر میرے لیے نہیں کیے تو پھر کس لیے آئے ہیں؟ آپ میری خاطر میرے والدین سے لڑ رہے ہیں میری خاطر دونوں تہذیبوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان پر کڑی نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ آپ میری خاطر اپنے دل کا خون کر رہے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں' آپ کون ہوتے ہیں ایسا کرنے والے؟ میں نے آپ کو یہ حق نہیں دیا ہے کہ آپ ایسا کریں اور مجھے جانی کے حوالے کردیں۔"

وہ پاؤں پٹختی ہوئی چند قدم تک گئی۔ پھر نیچے ان کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے چیخ کر بولی۔ "میں عورت ہوں' کوئی ٹیبل ٹینس کی گیند نہیں ہوں کہ دونوں مجھے ایک دوسرے کی طرف پھینکتے رہیں۔ میں پھینکنے والی چیز نہیں ہوں۔ میری عزت ہے۔ میرے پاس خودداری ہے۔ اس خودداری کا تقاضا ہے' میں کسی سے نہ ملوں' کسی سے نہ بولوں۔ جو صحیح راستے سے میری زندگی میں آئے گا' میں اسے قبول کروں گی ورنہ ٹھکرا دوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ عدنان سوچ

ں نظروں سے سر اٹھائے اوپر دیکھ رہا تھا۔ حیات مرزا کامیابی کے زعم میں مسکرا رہے
۔

☆==============☆==============☆

دن کا ایک بجنے والا تھا۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں
۔ وہی فون کی گھنٹی اوپر لیلیٰ کے کمرے میں بھی چیخ رہی تھی۔ وہ پچھلی رات سے بالکل
وش تھی۔ کسی سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ صبح ناشتے پر بلایا گیا تو وہ نہیں آئی بعد میں
رہ بجے تنہا کچن میں جا کر ناشتا کیا۔ بیگم نے عدنان سے کہا۔ "بیٹے وہ ناراض ہے' اسے
و۔"

"آپ اطمینان رکھیں اس کی ناراضگی دور ہو جائے گی۔ وہ ابھی تک دوراہے پر
ڑی ہے۔ اسے خود فیصلہ کرنے دیجئے۔ خود کسی راستے پر آگے بڑھنے دیجئے۔"

لیلیٰ جس کشمکش میں مبتلا تھی' وہ ظاہر ہو چکی تھی' شاید پچھتاوا تھا۔ اسی لیے کسی کا
سنا نہیں کر رہی تھی۔ ابھی فیصلے کی گھڑیوں سے گزر رہی تھی۔

اپنے کمرے میں وہ سر تھامے بیٹھی سوچ رہی تھی۔ فون کی گھنٹی نے اسے چونکا
۔ وہ گھور کر اسے دیکھنے لگی۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ نیچے بھی کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔ شاید
ئنگ روم میں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی۔ پھر اس نے
گے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ نیچے سے عدنان کی آواز سنائی دی۔ اس نے بھی اسی وقت
یسیور اٹھایا تھا اور پوچھ رہا تھا۔ "میں عدنان بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں انسپکٹر آرتھر بول رہا ہوں۔ جانی کی درخواست پر
پ کو اطلاع دے رہا ہوں۔ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ابھی وہ پولیس اسپتال میں بیڈ نمبر
پر ہے۔ وہ مس لیلیٰ اور مسٹر عدنان سے ملنا چاہتا ہے۔"

"ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ لیلیٰ بھی ریسیور رکھنا چاہتی تھی کہ عدنان کی
از سنائی دی۔ "لیلیٰ! فوراً تیار ہو جاؤ۔ ہم ابھی چلیں گے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں اس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔"

"اور آپ فضول ہمدردی نہ کریں۔"

"تم اسے ہمدردی سمجھو یا میری مکاری لیکن میں سچ کہنے کا عادی ہوں۔ اگر ج
سے تمہارے دوستانہ مراسم نہ ہوتے اور وہ ایک بار مجھ سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملا
تو میں اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لیے تب بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتا۔ اب بھی ز
لگاؤں گا۔ تم چاہے برا مانو یا بھلا' میں اس کا ساتھ دوں گا۔"

"آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ میری خاطر ایسا کر رہے ہیں۔"

"اس میں شک نہیں کہ تمہاری خاطر بھی ایسا کر رہا ہوں لیکن تمہارے علاوہ بھ
بہت کچھ ہے۔ یہ یاد رکھو' میں پاکستانی ہوں۔ میں اپنی تہذیب کی خوبیاں بیان کرنے ک
لیے تقریر نہیں کرنا چاہتا' صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے ملک سے باہر آ کر ہر پاکستا
اپنے وطن کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی سے دوستی کرتا ہے' کسی سے ہاتھ ملاتا ہ
کسی کو زبان دیتا ہے تو اس زبان کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ جس لڑکی کو دل
وجان سے چاہتا ہے جسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہے' اس کی ناراضگی کی پرواہ بھی نہیں
کرتا۔ فی الحال یہ بھول جاؤ کہ میں تمہارے لیے سات سمندر پار سے آیا ہوں۔ تمہیں ب
پسند نہیں ہے تو نہ سہی۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔ میرے ساتھ چلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں' صرف
ایک پاکستانی کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کروں گا۔ اگر تم ساتھ نہیں جاؤ گی تو یہاں
کمرے کی تنہائی میں بیٹھی اپنی کمزوری کا ماتم کرتی رہو گی۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک ریسیور کان سے یوں لگائے رہی جیسے عدنان کی آواز اس سے
چپک گئی ہو۔ وہ چھڑانا چاہتی ہو اور چھڑا نہ پا رہی ہو۔ اس نے کتنے اعتماد سے کہا تھا۔
"فوراً آجاؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" گویا اسے یقین تھا' وہ آجائے گی۔

اس نے آہستگی سے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ سوچتے سوچتے کھڑی ہو گئی۔
سوچتے سوچتے کمرے سے باہر آگئی۔ پھر اسی طرح سوچتے ہوئے زینے تک پہنچ گئی۔ اگر
عدنان محبت کی اس بازی میں کچا دھاگا تھا تو پھر یہ شعر صادق آتا ہے۔

جذبہ عشق سلامت ہے تو انشاء اللہ

کچے دھاگے سے بندھے آئیں گے سرکار میرے

وہ سر جھکائے کسی سے نظریں ملائے بغیر زینے سے اتر کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ کچھ کہے سنے بغیر آگے بڑھتے ہوئے بیرونی دروازے تک پہنچ گئی۔ ماں باپ نے کچھ نہ کہا۔ عدنان اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں کار کی اگلی سیٹ پر آگئے۔ عدنان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی' اسے اسٹارٹ کیا پھر ڈرائیو کرتا ہوا بنگلے کے احاطے سے نکل گیا۔ ان کے درمیان گہری خاموشی تھی۔ عدنان اسے بولنے پر مجبور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خاموشی ہی بہتر تھی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک حالات پر غور کرتی رہے۔

وہ اسپتال پہنچ گئے۔ جانی کو جس وارڈ میں رکھا گیا تھا وہاں پولیس والوں کا سخت پہرہ تھا۔ اس کے پاس کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیلیٰ اور عدنان کے سلسلے میں اس کی درخواست منظور کرلی گئی تھی۔ انہیں جانی کے بیڈ تک پہنچا دیا گیا۔ لیلیٰ اسے دور سے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ وہ بڑی محبت اور لگن سے لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

عدنان پولیس انسپکٹر آرتھر کے پاس پہنچ کر اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیلیٰ نے قریب آکر آہستگی سے کہا۔ "میں تمہاری خیریت نہیں پوچھوں گی۔ صرف اتنا پوچھوں گی' اس جھوٹ کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے صاف صاف کہہ دیتے' میں تمہاری زندگی سے نکل جاتی۔"

جانی نے آنکھیں بند کرلیں پھر کہا۔ "تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "صحیح کس طرح سمجھا جاتا ہے؟"

"محبت سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی۔" جانی نے آنکھیں کھول کر کہا۔ "جب آنکھ کھلتی ہے تو گالیاں دینے والی دنیا دکھائی دیتی ہے۔ فادر جوزف نے مجھے بڑی غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اب پتہ چلا' میرے پیدا ہوتے ہی دنیا والوں نے میرے لیے ایک صلیب تیار کرلی تھی۔ وہ مجھے صلیب پر رکھ کر میرے بدن میں کیلیں ٹھونک رہے ہیں۔ میں یہ بھی برداشت کر رہا تھا مگر وہ تمہیں گالیاں دے رہے تھے' میں اسے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔"

"کیا جارج اور مارٹن کو مار دینے سے گالیاں دینے والے کم ہو جائیں گے؟ ختم جائیں گے؟"

"میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ شاید کوئی ماہر نفسیات سمجھا سکے کہ ایک نار ابنارمل کیسے ہوتا ہے۔ کوئی فرزانگی سے دیوانگی کی طرف کیسے آتا ہے اور دیوانگی کے اس پر جنونی دورے کس طرح پڑتے ہیں۔"

"اچھا تو تم پر جنون طاری ہو جاتا ہے؟"

"ہاں' میں نے اسی جنون میں مبتلا ہو کر آج صبح مراد کو ختم کر دیا۔"

لیلیٰ نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتے ہوئے۔ "اوہ' خدایا! نہیں' جانی نہیں' تمہاری زبان سے بھی سن کر یقین نہیں کر سکتی۔ تمہیں یاد ہے۔ ایک دن سمندر کنارے پر سیپ کے اندر سے نکلنے والے ایک کیڑے کو میں مارنا چاہتی تھی' تم نے ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ تم اتنے رحم دل ہو کہ کیڑے مکوڑوں کو بھی نہیں مارنا چاہتے۔ پھر کیے دیگرے تین انسانوں کو کیسے قتل کر سکتے ہو۔ دیکھو خدا کے لیے اپنی محبت سے جھوٹ بولو۔"

"مجھے جھوٹ بول کر کیا ملے گا؟"

عدنان نے قریب آ کر کہا۔ "وہی ملے گا جو تم چاہتے ہو۔"

جانی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں ابھی پولیس انسپکٹر سے باتیں کر رہا تھا۔ پتہ چلا کہ مارٹن کو کل شام پانچ بج پچاس منٹ پر گولی ماری گئی ہے۔ تم بتا سکتے ہو کہ وہ کس کمرے میں تھا؟"

"وہ اپنے بنگلے کے آخری کمرے میں یعنی پچھلے حصے میں تھا۔"

"وہ کیا پہنے ہوئے تھا؟"

"وہ ایک پینٹ اور شرٹ پہن چکا تھا۔ نکٹائی باندھنے کے بعد کوٹ پہننا چاہتا اسی وقت میں نے اسے گولی مار دی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ سب سے پہلے مارٹن کے باپ نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی اس کا خیال ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ پر فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ کیا یہی دف

جانی نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں' اس کا بیان درست ہے۔"
عدنان نے ذرا جھک کر اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ابھی بچے ہو۔ جھوٹ کہو۔"

"کیا مطلب؟"

"تم کل شام کو پانچ بج کر پچاس منٹ پر مجھ سے اور لیلیٰ سے گفتگو کر رہے تھے اور اسی وقت کسی نے مارٹن کو گولی مار دی۔ یہ اس کے باپ کا بھی بیان ہے پولیس کا بھی ہے اور یہی تمہارا بھی بیان ہے۔"
وہ پریشان ہو کر کبھی لیلیٰ کو اور کبھی عدنان کو تکنے لگا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میں کبھی سوچ نہیں سکتی تھی' تم مجھ سے جھوٹ بولو گے۔ مجھے دھوکا دو گے۔"
عدنان نے کہا۔ "پچھلی بار اسپتال میں تم نے وعدہ کیا تھا' اگر میں تمہارے کام آؤں میری شرط کے مطابق محبت میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے اور تم اٹھا رہے ہو۔"
"میں نے غلط قدم نہیں اٹھایا۔ میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے۔ رہی وقت کی بات تو نے گھڑی دیکھ کر اس پر فائرنگ نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے' پانچ بج کر پچاس منٹ نہ ہوں' کوئی اور وقت ہوا ہو' مارٹن کے باپ نے بھی وقت بتانے میں غلطی کی ہو۔"
عدنان نے کہا۔ "چلو' ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں' وہ ہتھیار کہاں ہے۔ جس سے جارج اور مارٹن کو ہلاک کیا ہے؟"
"وہ آج صبح تک میرے پاس تھا۔ جیسے ہی میں نے مراد کو قتل کیا' پولیس والے پیچھے پڑ گئے۔ میں مراد کے گھر کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر پہنچ گیا تھا۔ وہ بھی پیچھے آ رہے تھے۔ انہوں نے میری ٹانگ پر گولی ماری۔ میں نے جب دیکھا کہ بچاؤ نہیں ہے تو ریوالور کو دور پھینک دیا۔ وہ چھت پر سے ہوتا کہیں سڑک پر گیا ہو گا' گاڑی میں گر گیا ہو گا یا کوئی اٹھا کر لے گیا ہو گا۔ میں پولیس والوں کو یہ بیان دے چکا ہوں۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا' کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

"وہ تو اٹھا چکا ہوں۔ میں تمہارے سامنے شرمندہ ہوں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس کی تلافی کر سکتے ہو اور میری شرط پور

کر سکتے ہو؟"

"وہ کیسے؟"

"تم نے وہ ریوالور جہاں بھی چھپا رکھا ہے۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں پوچھو

گا۔ اتنا کہوں گا کہ پولیس والوں کو بھی نہ بتانا' اپنے جرم کا اقرار نہ کرنا' باقی میں سنبھا

لوں گا۔ تمہیں سزا سے بچالوں گا۔"

"تم ایک قاتل کو کیسے بچا سکو گے؟"

"میں تمہیں سمجھاتا ہوں' خود کو قاتل نہ کہو۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "جانی! عدنان صاحب جو سمجھا رہے ہیں اس پر عمل کرو۔"

"میرے عمل کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کر چ

ہیں۔"

عدنان نے کہا۔ "کسی نے تمہیں رنگے ہاتھوں گرفتار نہیں کیا ہے۔ تم مراد ۔

ملنے گئے تھے۔ کسی سے ملنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ملنے والا قاتل بن گیا ہو جب تک

وہ ہتھیار برآمد نہیں ہوگا' اس وقت تک تمہارے خلاف قاتل ہونے کا ثبوت فراہم نہیں

کیا جا سکتا۔ میری بات غور سے سنو اور سمجھو۔ مارٹن اور جارج کا جو قتل ہوا ہے' اس

بھی کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے' صرف شبہ کرنے سے تم قاتل نہیں بن جاؤ گے۔ آج شا

تک بیرسٹر ہمایوں مرزا تمہارے پاس کچھ کاغذات لے کر آئیں گے' تم ان پر دستخط کر دینا

ان کاغذات کی رو سے وہ تمہاری وکالت کر سکیں گے۔"

لیلیٰ نے جانی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ "بولو جانی! تم ایسا کرو گے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں کروں گا۔"

"تم اپنے آپ کو قاتل نہیں کہو گے؟"

"نہیں کہوں گا۔"

عدنان نے اس کے قریب جھک کر کہا۔ "اور وہ ہتھیار پولیس کے ہاتھ نہیں لگے

دو گے؟"

"اچھی بات ہے' میں یہی کروں گا۔"

انسپکٹر آرتھر نے قریب آ کر کہا۔ "مس لیلیٰ! مسٹر عدنان! اس سے زیادہ ملاقات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

وہ دونوں اسپتال سے باہر آ گئے۔ کار میں بیٹھ کر سیدھے بیرسٹر ہمایوں مرزا کے پاس پہنچے۔ وہاں عدنان دیر تک اس کیس کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ اس کے بعد ہر پہلو پر بحث کرتا رہا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ شام کو جانی کے پاس جائیں گے اور وکالت کے سلسلے میں کاغذات پر دستخط کرا لیں گے۔

وہ لیلیٰ کے ساتھ گھر آ گیا۔ اس نے کہا۔ "آپ اتنے مصروف رہے کہ کھانے کا بھی خیال نہ رہا۔ اب سیدھے ڈائننگ روم میں چلئے۔ میں کچن سے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

"تم کیوں زحمت کر رہی ہو۔ ملازم موجود ہیں۔"

"میرا جی چاہتا ہے' میں آپ کا کام کروں۔ کیا آپ کو پسند نہیں ہے؟"

"مجھے تو خوشی ہو گی۔ تم کھانا گرم کر کے لاؤ پھر ہم ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے۔"

وہ کچن میں چلی گئی' تھوڑی دیر بعد وہ میز پر بیٹھے کھا رہے تھے اور آہستہ آہستہ جانی کے کیس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ بیگم اور حیات مرزا نے دور ہی سے انہیں دیکھا' قریب نہیں آئے۔ ان کا خیال تھا' اب لیلیٰ عدنان سے گھل مل رہی ہے لہٰذا دور ہی رہنا چاہیے۔

دو گھنٹے بعد بیرسٹر ہمایوں مرزا نے فون پر رابطہ قائم کیا۔ عدنان نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو' میں عدنان بول رہا ہوں۔"

"میں مرزا ہوں۔ جانی کے پاس سے آ رہا ہوں۔"

عدنان نے کہا۔ "ایک منٹ۔"

اس نے لیلیٰ سے کہا۔ "بیرسٹر صاحب کا فون ہے۔"

وہ فوراً ہی قریب آ گئی۔ عدنان کے پاس صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گئی پھر اپنا سر اس

کے سر کے قریب لے آئی۔ ان کے درمیان صرف ایک ریسیور کا فاصلہ رہ گیا۔ وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہی تھی۔ ہمایوں مرزا کہہ رہے تھے۔ "میں جانی پارکرسے کیس کے متعلق اچھی طرح باتیں کر چکا ہوں۔ اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ جانی ہم سے بھرپور تعاون نہیں کرے گا۔ عدالت میں اس سے کہیں نہ کہیں لغزش ضرور ہو گی۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے' وہ بے دلی سے میری وکالت قبول کر رہا ہے۔ میرے سمجھانے کے باوجود بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ بار بار مجھے اصرار کرنا پڑا۔ تب کہیں اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایسا ہی بیان دے گا جیسا میں اسے سمجھا رہا ہوں لیکن مجھے یقین نہیں ہے۔"

"سر! میں سمجھ رہا ہوں۔ جانی مایوسیوں اور محرومیوں کا مارا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں' اس نے قتل نہیں کیے ہیں۔ وہ کسی کے مجرمانہ اقدامات کو اپنے سر لے رہا ہے۔ ہم اسے حوصلہ دے رہے ہیں۔ پلیز' آپ بھی اسے حوصلہ دیں۔ ہم یہ کیس جیت لیں گے۔ اسے سزا سے بچالیں گے۔"

"عدنان! یہ تمہارا خیال ہے لیکن اسے بے گناہ ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہو گا۔ ویسے تم نے مجھے بہت ہی کمزور کیس دیا ہے۔ کمزور اس طرح کی ملزم بھرپور طریقے سے ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ میں نے اپنے پچیس برس کے کیریئر میں بڑے بڑے پیچیدہ مقدمات جیتے ہیں۔ یہ مقدمہ میرا کیریئر تباہ کر دے گا۔ اگر تم میرا مشورہ مانو تو یہ کیس کسی دوسرے وکیل کو دیا جا سکتا ہے۔"

"نہیں سر! پلیز نہیں' یہ مقدمہ آپ لڑیں گے۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔ میں اس مقدمے کی کاغذی کارروائیاں مکمل کروں گا۔ آپ صرف اسے عدالت میں پیش کریں گے اور اس پر بحث کریں گے۔ پلیز سر! مجھے مایوس نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے' میں سوچتا ہوں۔ تم چلے آؤ۔"

ادھر سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ عدنان نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میں

بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"میں آج سے راتوں کو جاگ کر کام کیا کروں گا۔ تم کیا کرو گی؟"

"میں آپ کی اسسٹنٹ بن کر رہوں گی۔ جو کتابیں' جو فائلیں آپ کو درکار ہوں گی' میں بیرسٹر صاحب کی لائبریری سے لا کر آپ کو دیا کروں گی۔ آپ کو چائے اور کافی پلایا کروں گی۔"

عدنان تھوڑی دیر تک سوچتی ہوئی نظروں سے لیلیٰ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "ہم ایسا کرتے ہیں کہ کیس کی کاغذی تیاریاں اسی گھر میں کرتے ہیں۔ کتابوں اور فائلوں کی ضرورت ہو گی تو یہاں سے بیرسٹر صاحب کے ہاں جا کر لے آیا کریں گے۔ اس طرح ہماری آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور کام بھی ہوتا رہے گا۔"

اس رات سے ان کی مصروفیت شروع ہو گئی۔ وہ کاغذ' قلم' فائلیں اور دوسری ضروریات کی چیزیں خرید کر لے آئے۔ کام شروع کرنے سے پہلے عدنان نے بیرسٹر ہمایوں مرزا سے ملاقات کی۔ اس کیس کے حوالہ جات کے لیے جن کتابوں اور فائلوں کی ضرورت تھی۔ وہ تمام چیزیں اپنے ساتھ لے آیا۔ رات کے دس بجے وہ کیس کی ابتدائی رپورٹ لکھنے کے لیے سامنے کاغذ رکھ کر بیٹھا۔ لیلیٰ نے اس کے کاغذ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ عدنان کو لکھنے سے روک دیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "آپ بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے کہ میں آپ کی تعریف نہیں کر سکتی۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ جو کہتے ہیں' وہ کر دکھاتے ہیں۔ میں ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔"

"بے جھجک کہو' کیا چاہتی ہو؟"

"آپ کسی بھی طرح جانی کو سزا سے بچا لیجیے۔ اگر اسے طویل قید ہوئی تو میرے دل پر بوجھ رہے گا۔ میں سوچتی رہوں گی کہ اس نے میری خاطر یہ سزا قبول کی ہے۔"

"یہ درست ہے' وہ تمہاری ہی خاطر جرم کے راستے پر گیا ہے۔ ہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اسے سزا سے بچا لوں گا لیکن وہ ہمارے سمجھانے کے باوجود بیان کو ذرا سا بھی بدل دے گا تو ہماری کامیابی مشکوک ہو جائے گی۔"

"ایسی صورت میں وہ خود ذمے دار ہوگا۔ پھر میرے دل پر بوجھ نہیں رہے گا۔"

عدنان نے سادے صفحے پر رکھے ہوئے لیلیٰ کے نازک گلابی ہاتھ کو دیکھا پھر اپنا ہاتھ اس پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔ اگر جانی ہمارے مشورے کے مطابق عمل کرے گا تو میں اسے مکھن کے بال کی طرح نکال کر لے آؤں گا۔"

لیلیٰ کا ہاتھ عدنان کے سائے میں تھا۔ وہ اسی طرح چپ بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ کو وہاں سے ہٹایا نہیں تھا۔ سوچ رہی تھی، کچھ شرما رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

اب دن رات اس کیس کی کاغذی کارروائیاں ہونے لگیں۔ اس طرح وہ دن رات عدنان کے ساتھ ہی رہنے لگی۔ کبھی وہ دو چار گھنٹے کے لیے اپنے اپنے کمرے میں جاتے تھے، نیند پوری کرتے تھے۔ نیند کے بعد بیداری کا جو بھی وقت ہوتا، وہ ساتھ ہی گزرتا تھا۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا کی وجہ سے انہیں پولیس کی تفتیش کے متعلق پوری معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ لیلیٰ اور عدنان، فادر جوزف سے ملتے تھے۔ پھر اس ادارے کے انچارج اور اس ہاسٹل میں رہنے والے لڑکے اور لڑکیوں سے جانی کے کیریکٹر کے متعلق ایسی معلومات حاصل کرتے تھے جو اس کیس میں ان کے کام آ سکتی تھیں۔

چار دن کے بعد جانی کو اسپتال سے جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ دو ہفتے بعد عدالت میں پہلی بار پیشی ہوئی۔ اس روز جارج، مارٹن، مراد اور راما راؤ کے تمام رشتے دار مقدمے کی کارروائی دیکھنے آئے۔ ان کے ساتھ سلطانہ، للی اور کنول رانی بھی تھیں۔ ادھر لیلیٰ، عدنان، بیگم اور حیات مرزا وغیرہ بھی موجود تھے۔ جب عدالت کی طرف سے جانی کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ سپاہیوں کے درمیان لنگڑاتا ہوا ملزموں کے کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ سرکاری وکیل نے اس کے خلاف الزامات لگانے شروع کیے۔ جارج اور مارٹن کے قتل کے وقت کسی نے جانی کو جائے واردات پر نہیں دیکھا تھا لیکن مراد کے قتل کے وقت اس کو مراد کے مکان میں دیکھا گیا تھا۔

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے جانی کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ "جانی کا مراد کے ہاں جانا

کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر مراد کسی کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے تو میرا موکل قاتل نہیں کہلا سکتا۔ اس کے لیے ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے۔"

سرکاری وکیل نے جانی سے جرح کی۔ جس طرح جانی کو سمجھایا گیا تھا' وہ اسی طرح جواب دے رہا تھا۔ اس دوران وہ کبھی کبھی سر گھما کر دور بیٹھی لیلیٰ کو دیکھتا تھا پھر اپنے اوپر عائد کردہ الزامات سے انکار کرتا تھا۔

سرکاری وکیل نے کہا۔ "اگرچہ قاتل نے وہ ہتھیار چھپا دیا ہے جس سے یہ تینوں قتل ہوئے لیکن ایک ہتھیار کے چھپا دینے سے یہ بے گناہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ جارج' مارٹن اور مراد کے گھروں میں جائے واردات پر ملزم جانی پارکر کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ اس کے قدموں کے نشان بھی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔"

سرکاری وکیل نے وہ تمام فنگر پرنٹس اور قدموں کے نشانات جج صاحب کے سامنے پیش کیے۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ "میں یہ تمام فنگر پرنٹس وغیرہ دیکھ چکا ہوں۔ جارج اور مارٹن وغیرہ کے قتل کی واردات جہاں ہوئی' وہاں کئی لوگوں کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ ان میں جارج اور مارٹن کے رشتے داروں کے بھی نشانات ہیں۔ البتہ پولیس والے قتل کی دہری واردات کے بعد زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ انہوں نے مراد اور راما راؤ کے گھروں پر سخت پہرہ لگا دیا تھا۔ ان کے عزیزوں کو سمجھا دیا تھا کہ کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو وہ اس جگہ بے تحاشا دوڑتے ہوئے نہ جائیں۔ وہاں سے دور رہنے کی کوشش کریں۔ مراد کے قتل کے وقت یہی کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں صرف دو افراد کی انگلیوں کے نشان پائے گئے ہیں اور انہی دو افراد کے جوتوں کے بھی نشان ہیں۔ ان میں سے ایک تو جانی کے جوتے اور انگلیوں کے نشان ہیں' باقی دوسرا کون ہے؟ اسے پولیس والے ابھی تک تلاش نہیں کر سکے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہی دوسرا ان تینوں کا قاتل ہے۔ میرے موکل جانی پارکر نے کوئی ہتھیار نہیں چھپایا ہے۔ جس ہتھیار سے وہ تینوں قتل ہوئے ہیں' وہ اب بھی اسی قاتل کے پاس ہے۔ میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ اس دوسرے شخص کو تلاش کرنے کے احکامات جاری کیے جائیں۔ جب تک وہ گرفتار نہیں ہو گا' میرے موکل پر خواہ مخواہ شبہ کیا جاتا رہے گا۔"

اس روز عدالتی کارروائی ملتوی کر دی گئی۔ آئندہ ہفتے پیشی رکھی گئی۔ پولیس اور انٹیلی جنس والوں سے درخواست کی گئی کہ وہ آئندہ پیشی تک دوسرے فرد کو تلاش کر کے عدالت میں پیش کریں۔

عدالت کے برخاست ہوتے ہی لیلیٰ تیزی سے چلتی ہوئی جانی کے پاس گئی۔ پولیس والے اسے حراست میں لیے جا رہے تھے۔ وہ کہنے لگی۔ "جانی! مجھے یقین ہے کہ تم رہا کر دیے جاؤ گے۔ تمہیں سزا نہیں ہوگی' تم قاتل نہیں ہو' تم میرے دل اور دماغ پر کسی طرح کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تو اپنی سچائی پر قائم رہنا۔"

جانی بڑی محبت سے اسے مسکرا کر دیکھتا ہوا چلا گیا۔ لیلیٰ کے لیے آئندہ پیشی تک ایک ہفتہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ وہ اگرچہ عدنان کے ساتھ دن رات مصروف رہتی تھی' اس کے باوجود دل میں ایک پھانس رہ گئی تھی۔ کبھی دل کہتا تھا' جانی رہا ہو جائے گا اور کبھی ڈر لگتا تھا کہ اس پر قتل کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اسے طویل سزا ہو گی۔

ایسے وقت وہ عدنان کو دیکھتی تھی تو حوصلہ بڑھ جاتا تھا۔ بڑے یقین سے دل کہتا۔ نہیں' یہ فولادی اعصاب رکھنے والا ضرور جانی کو رہائی دلائے گا۔ وہ عدنان کے ساتھ بیرسٹر ہمایوں مرزا کے پاس بھی جاتی تھی لیکن وہاں پھر مایوس ہونے لگتی تھی۔ بیرسٹر صاحب کہتے تھے۔ "اس دوسرے شخص کو ضرور گرفتار ہونا چاہیے۔ ابھی ہمارا کیس مضبوط نہیں ہے۔ سرکاری وکیل کسی وقت بھی ہمارے قدم اکھاڑ سکتا ہے۔"

اور یہی ہوا۔ دوسری پیشی میں سرکاری وکیل نے کہا۔ "جارج اور مارٹن کے قتل جہاں ہوئے' وہاں مختلف انگلیوں کے نشان گڈمڈ ہو چکے ہیں لیکن مراد کو جہاں قتل کیا گیا' وہاں صرف دو قسم کے نشانات ہیں۔ ان میں سے کچھ نشانات کی تصدیق ہو چکی ہے' وہ ملزم جانی پارکر کے ہیں۔ باقی دوسرے نشانات کسی قاتل کے نہیں ہیں۔ وہ مراد کا دوست ہو سکتا ہے جو قتل سے بہت پہلے اس سے ملنے آیا تھا پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد جانی وہاں پہنچا تھا۔"

گواہی کے طور پر مقتول مراد کے باپ نے اور اس کے ایک اور عزیز نے تائید میں کہا۔ "جس دن مراد کو قتل کیا گیا' اس سے کچھ پہلے برمنگھم سے اس کا کوئی دوست

ملنے آیا تھا۔ وہ مقتول بیٹے کے دوست کو نہیں پہچانتے ورنہ اس کی نشاندہی ضرور کرتے۔"

پھر سرکاری وکیل نے کہا۔ "اس حقیقت کے بے شمار گواہ ہیں کہ جانی پارکر بیک وقت جارج، مارٹن، مراد اور راما راؤ کا دشمن تھا۔ پولیس والے بھی گواہی دیں گے کہ ان کے درمیان پہلے بھی جھگڑا ہو چکا ہے۔"

انسپکٹر آرتھر نے اس کی تائید میں کہا۔ "جانی پر ہم بھی شبہ کر رہے تھے۔ ہم نے سوچا، جب جارج اور مارٹن قتل کر دیے گئے ہیں اور قاتل جانی ہے تو وہی مراد اور راما راؤ کی طرف آئے گا اور یہی ہوا۔ اس نے تیسرا قاتلانہ حملہ مراد پر کیا۔ چوتھے کی باری نہیں آئی۔ ہم نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے سوال کیا۔ "وہ چوتھا ساتھی راما راؤ کہاں ہے؟ اگر وہ بچ گیا ہے تو اسے عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا جائے۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "ہم نے کوشش کی تھی، وہ عدالت میں پیش ہو سکے۔ لیکن اس کے والدین بہت خوفزدہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے راما راؤ کو لندن سے باہر کہیں بھیج دیا ہے اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں۔ ملزم جانی پارکر نے پولیس کا سخت پہرا ہونے کے باوجود مراد کو ختم کر دیا پھر راما راؤ کیسے روپوش نہ ہوتا؟"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ "اب جانی پارکر قانون کی حراست میں ہے۔ راما راؤ اور اس کے والدین کو کسی طرح بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اب تو اسے عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "فاضل وکیل خواہ مخواہ راما راؤ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ اس کے یہاں پیش ہو جانے پر جانی پارکر بے گناہ ثابت نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ جانی پارکر کے علاوہ دوسرے انگلیوں کے نشانات جو پائے گئے ہیں، وہ راما راؤ کے ہوں۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے ایسا اہم نکتہ پیش کیا تھا کہ عدالت میں کھلبلی مچ گئی۔ سب ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ہمایوں مرزا نے کہا۔ "اگر سرکاری وکیل اس

بات پر اصرار کرتے ہیں کہ میرا موکل جانی پارکر قاتل ہے تو پھر راما راؤ کو اور اس کے عزیزوں کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قاتل پابہ زنجیر ہے۔"

انہوں نے سرکاری وکیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور اگر فاضل وکیل اسی بات پر مصر ہیں کہ راما راؤ خوفزدہ ہونے کے باعث یہاں نہیں آسکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھری عدالت میں کسی دوسرے قاتل کے وجود پر بھی شبہ کر رہے ہیں اور میرے موکل پر ان کا شبہ بہت کمزور ہے۔"

انہوں نے جج صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! میں سرکاری وکیل صاحب سے تین سوالات کے جواب چاہوں گا۔ پہلا سوال' کیا سرکاری وکیل پورے یقین کے ساتھ میرے موکل جانی پارکر کو قاتل سمجھتے ہیں؟ دوسرا سوال' اگر سمجھتے ہیں تو راما راؤ کو عدالت میں پیش کیوں نہیں کرتے؟ تیسرا سوال' اگر راما راؤ اپنے تین ساتھیوں کے انجام سے خوفزدہ ہے اور وہ بھی قتل کیے جانے کے خوف سے کہیں روپوش ہے تو کیا فاضل وکیل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی دوسرے پر قاتل ہونے کا یقین ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "ان تین سوالات کے بعد میں پھر اپنے یقین کی طرف واپس آتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جارج' مارٹن اور مراد کا قاتل میرا موکل جانی پارکر نہیں بلکہ راما راؤ ہے۔"

جج صاحب نے کہا۔ "مقدمے کی کارروائی آئندہ پانچ دسمبر تک ملتوی کی جاتی ہے۔ مذکورہ دن راما راؤ کو عدالت میں پیش کیا جائے۔"

لیلیٰ عدنان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ خوشی کے مارے اس کے بازو سے چپک گئی۔ کہنے لگی۔ "یہ سارے اہم نکتے آپ نے نوٹ کیے تھے۔ آپ نے تو مقدمے کا رخ ہی بدل ڈالا ہے۔"

جانی ملزم کے کٹہرے سے نکلتے ہوئے مسکرا رہا تھا اور لیلیٰ کو عدنان کے قریب پاکر یوں مطمئن ہو رہا تھا جیسے اپنے مقصد کو پاچکا ہو۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے جانی کے پاس آئی۔ وہ سپاہیوں کے درمیان جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "جانی! میں نہ کہتی تھی کہ عدنان صاحب زبان کے دھنی ہیں؟"

جانی چلتے چلتے عدنان کے قریب رک گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "ایک ہی چیز کو حاصل
نے کے لیے دو کتے بھی لڑتے ہیں اور دو انسان بھی۔ ہم کیا ہیں عدنان صاحب؟"
"ہم انسان ہیں۔ دنیا والے اب تک دو رقیبوں کی داستانیں پڑھتے آئے ہیں۔
ے بعد دو محبت کرنے والے انصاف پسند دیوانوں کی داستان بھی عام ہو گی۔"
جانی نے مسکرا کر تائید میں سرہلایا۔ پولیس والے اسے لے گئے۔ لیلیٰ آہستہ آہستہ
ہوئے عدنان کے پاس آگئی۔ اس کے بازو کو تھام کر جانی کو دور جاتے ہوئے دیکھتی

☆-------------☆-------------☆

تیسری پیشی کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ "عدنان!
نے جتنے پوائنٹس نوٹ کیے ہیں' وہ مقدمے کو طول تو دے سکتے ہیں مگر جانی پار کر کو سزا
نہیں بچا سکتے۔"
"کیوں نہیں بچا سکتے؟"
"اگر انہوں نے اگلی پیشی میں راما راؤ کو پیش کر دیا تو تمام اہم نکتے بے جان ہو کر
جائیں گے۔"
"مجھے یقین ہے' ان تینوں کا قاتل راما راؤ ہے۔"
"تمہارے یقین سے راما راؤ قاتل ثابت نہیں ہو سکتا۔ ٹھوس ثبوت کی ضرورت
"
"دوسری انگلیوں کے جو نشانات ملے ہیں' وہ یقیناً راما راؤ کے ہوں گے۔"
"اگر راما راؤ کی انگلیوں کے نہ ہوئے تو؟ سرکاری وکیل پہلے ہی اس بات پر زور
ے چکا ہے کہ مراد سے اس کا کوئی دوست ملنے آیا تھا جس کے متعلق مراد کے والدین
نہیں جانتے۔"
"شبہ کی گنجائش پھر بھی رہ جاتی ہے اور شبہ سے فائدہ اٹھا کر جانی کی سزا کو کم سے
کیا جا سکتا ہے۔"
"ہاں' مگر سزا سے بچایا نہیں جا سکتا۔"

لیلیٰ پریشان تھی۔ کبھی وہ سنتی کہ جارج، مارٹن اور مراد کے تمام رشتے داروں ۔
بہت مضبوط محاذ بنایا ہوا ہے اور وہ راما راؤ کے والدین پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اسے جہا
بھی چھپایا گیا ہے، پیشی کے دن عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ کبھی یہ سننے میں آتا تھا ک
جس ہتھیار سے ان تینوں کو قتل کیا گیا ہے وہ ہتھیار پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

ان باتوں میں کہاں تک صداقت تھی، یہ تو پیشی کے دن معلوم ہونے والا تھا لیکن
اس بات کی توقع تھی، راما راؤ کو بھی پیش کیا جا سکتا تھا اور وہ چھپایا ہوا ہتھیار بھی پولیس
والوں کے ہاتھ لگ سکتا تھا۔ اتنا سمجھانے منانے پر جانی نے اپنا بیان بدل دیا تھا ورنہ وہ
اقبال جرم کرنے والا تھا اور کسی پیشی میں یہ بھی اگل دیتا کہ اس نے ہتھیار کو کہاں چھ
رکھا ہے۔

آخر پیشی کا دن آ ہی گیا۔ کمرۂ عدالت میں پھر وہی جانے پہچانے چہرے نظر آئے
کچھ دوستوں کے چہرے تھے، کچھ دشمنوں کے۔ جب عدالتی کارروائی شروع ہوئی تو
سرکاری وکیل نے کہا۔ "جناب عالی! ہم راما راؤ کو اس عدالت میں پیش کرنے قاصر ہیں۔
وکیل صفائی کے اس نکتے نے راما راؤ اور اس کے اہل خاندان کو اور زیادہ خوفزدہ کر دیا
ہے کہ انگلیوں کے پائے جانے والے نشانات اصل قاتل کے ہیں حالانکہ راما راؤ قاتل
نہیں ہے۔ وہ خود اس نامعلوم قاتل سے خوفزدہ ہے۔ اس لیے وہ جہاں بھی روپوش ہے
وہاں سے آنا نہیں چاہتا۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ "وہ آنا نہیں چاہتا یا آپ لانا نہیں چاہتے۔ قاتل میرا
موکل جانی پارکر نہیں ہے۔ قاتل راما راؤ نہیں ہے۔ اگر کوئی تیسرا قاتل ہے تو یہ کہہ کر
راما راؤ کو پیش نہ کرنا کہ وہ سخت خوفزدہ ہے، اسے کوئی تسلیم نہیں کر سکتا۔ پولیس والوں
کی سخت نگرانی میں اسے عدالت تک لایا جا سکتا ہے اور اسی طرح نگرانی میں لے جایا جا
سکتا ہے۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی کمرۂ عدالت کے دروازے پر ایک قہقہہ سنائی دیا۔ سب
نے چونک کر دیکھا۔ وہاں ایک ہندوستانی بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔ پولیس والے اسے پکڑ رہے
تھے اور وہ خود کو چھڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ میں راما راؤ کا باپ ہوں۔

ری عدالت میں اعتراف کرنے آیا ہوں کہ انسان ہونی کو انہونی کر سکتا ہے لیکن
یں لکھی ہوئی موت کو نہیں ٹال سکتا۔ میرا بیٹا مر گیا۔ ہاں، میرا بیٹا مار ڈالا گیا۔ میں
ن واپس لیتا ہوں۔ جانی پارکر میرے بیٹے کا دشمن نہیں تھا۔ دشمن کوئی اور تھا، اس
رے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا تیزی سے چلتے ہوئے راما راؤ کے باپ کے پاس گئے۔ اسے
لگے، تسلیاں دینے لگے۔ "پلیز مسٹر، ذرا تحمل سے کام لیں۔ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔
ں زندگی اور موت کا سوال ہے۔ آپ کے بیٹے کی موت میرے موکل جانی پارکر کی
کا سبب بن سکتی ہے۔ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے۔ میں آپ کا بیٹا واپس
ر سکتا مگر آپ اس کے صدقے میرے نوجوان موکل کو زندگی دے سکتے ہیں۔"

اسے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر ایک کٹہرے میں لایا گیا۔ اس نے بیان دیا۔ "میرا
شنا راؤ ہے۔ میں راما راؤ کا باپ ہوں۔ اب سے پہلے پولیس والوں کو تحریری بیان
چکا ہوں لیکن اب اس بیان میں تبدیلی لا رہا ہوں۔ دراصل ہم جانی پارکر کے خلاف
نہیں دینا چاہتے تھے۔ پہلے جارج کے والدین نے مجھے سمجھایا، جانی ہمارے بچوں کا
ہے۔ آج اس نے جارج کو قتل کیا ہے، کل راما راؤ کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اس
ہم نے یقین نہیں کیا مگر جب مارٹن قتل کر دیا گیا تو ہم تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ ہم
یان دیا کہ جانی میرے بیٹے راما راؤ کا دشمن ہے اور اس طرح میرے بیٹے کو بھی خطرہ
۔ پولیس والوں نے مشورہ دیا کہ مراد اور راما راؤ کو سخت نگرانی میں رکھا جائے، جب
ں کے باوجود مراد بھی مارا گیا تو ہم بہت خوفزدہ ہو گئے۔ ہم نے کچھ دنوں کے لیے
بیٹے کو لندن سے باہر اپنے ایک عزیز کے گھر چھپا دیا۔ جارج اور مارٹن کے رشتے
ں اور پولیس والوں سے یہ کہتے رہے کہ ہم نے اسے ہندوستان بھیج دیا ہے۔ ادھر
دنوں ہم پر بے حد دباؤ ڈالا گیا کہ کسی طرح راما راؤ کو حاضر کریں۔ اس کی انگلیوں
شانات لینا ضروری ہیں لیکن ہم انکار کرتے رہے۔ کوئی ہم پر جبر نہیں کر سکتا تھا۔ ہم
فیصلہ کر لیا تھا، جب تک قاتل کو سزا نہیں ہوگی، اس وقت تک ہم اپنے بیٹے کو باہر
لائیں گے۔"

کرشنا راؤ اتنا کہہ کر ذرا چپ ہوا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "مگر موت اسے نہ آئی۔ پرسوں رات وہ اچانک ہی چھپ کر ہمارے ہاں آگیا۔ کہنے لگا' جس رشتے دار کے ہاں وہ چھپا ہوا ہے' وہ سب اسے بوجھ سمجھتے ہیں۔ اس کے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھتے۔ اسے بزدلی کا طعنہ دیتے ہیں۔

"راما راؤ کی ماں نے کہا۔ ہم اپنے بیٹے کو اپنے ہی گھر میں چھپا کر رکھیں گے۔ دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑیں گے۔

"لیکن کل آدھی رات کے بعد میرے وہ عزیز ہمارے ہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے غصے کا اظہار کیا تب اصل حقیقت معلوم ہوئی۔"

اس نے جج صاحب کو دیکھا پھر کہا۔ "می لارڈ! یہ تہذیب کا المیہ نہیں' انسان کا المیہ ہے۔ وہ جہاں بھی بے لگام ہوگا' وہاں تہذیب کی صورت بگڑ جائے گی۔ ہندوستان ہو' پاکستان ہو یا برطانیہ۔ جب شراب اور شباب کی چھوٹ ملے گی' جب قانون ان کا حوصلہ بڑھائے گا اور قانون کے محافظ کمزور ہوں گے' بزرگوں کی روایات کو نظرانداز کیا جائے گا اور برے کاموں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی تو ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔

"می لارڈ! مجھے کہنے دیجئے کہ انسان پہلے چکھتا ہے پھر لقمہ بنا کر کھاتا ہے اور پھر کھانے کی مقدار بڑھاتا جاتا ہے۔ یہی حال نشے کا ہے۔ نشہ پہلے آدھے پیگ سے شروع ہوتا ہے پھر آدھے سے تسلی نہیں ہوتی تو پینے والا اس کی مقدار بڑھاتا ہے۔ پہلے ایک لڑکی سے دوستی ہوتی ہے پھر گرل فرینڈز کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی شدید سے شدید تر نشے کی تلاش میں ہیروئن تک چلا آتا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں ایک عام سوسائٹی گرل سے شریف خاندان کی بہو بیٹیوں تک پہنچ جاتا ہے۔

"میرے عزیز کا غصہ بجا تھا۔ وہ چاہتا تو میرے بیٹے کو گولی مار سکتا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔ میرے بیٹے سے جو گناہ سرزد ہوا ہے' میں اس کی تلافی کروں گا۔ اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنا کر لاؤں گا۔

"میرے عزیز نے کہا' اگر چوبیس گھنٹے کے اندر میری بیٹی کی شادی نہ ہوئی اور اس کے مستقبل کا تحفظ نہ کیا گیا تو میں پولیس والوں کو بتا دوں گا کہ راما راؤ کو کہاں چھپا کر رکھا

ہے۔

"میں نے وعدہ کیا' آج رات میں چھپ چھپا کر اپنے بیٹے کے ساتھ ان کے یہاں
ں گا اور ان کی بیٹی کو اپنی بہو بنا کر لے جاؤں گا۔

"لیکن میرے بیٹے راما راؤ کی زندگی میں آج کی رات نہیں آئی۔ آج صبح اسے
نے گولی مار دی۔ میری دھرم پتنی اس صدمے سے اپنے حواس کھو بیٹھی ہے۔ میں
پاگل سا ہو رہا ہوں لیکن میرے اندر کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ میں نے غلط بیانی
کام لیا تھا۔ میں نے جارج' مارٹن اور مراد کے والدین اور ان کے رشتے داروں کی
میں آ کر جانی پارکر کے خلاف بیان دیا ہے۔ جانی پارکر قاتل نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ
ہے تو پھر میرے بیٹے کو کس نے قتل کیا؟ یہ جھوٹ ہے۔ سراسر جانی پارکر پر الزام
۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ چند لمحوں تک کمرۂ عدالت میں گہری خاموشی رہی۔ پھر
صاحب نے سرکاری وکیل سے پوچھا۔ "اگر آپ جرح کرنا چاہتے ہوں تو..............؟"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "کیس نے پھر ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔ مجھے سوچنے
کا موقع دیا جائے۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "جناب عالی! مجھے مسٹر کرشنا راؤ
ہمدردی ہے لیکن قانونی کارروائی بے حد ضروری ہے۔ عدالت سے میری درخواست
کہ راما راؤ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے علاوہ اس کی انگلیوں کے نشانات لینے کی
کی جائے۔"

عدالت آئندہ پیشی تک کے لیے برخاست کر دی گئی۔ اب یہ تجسس پیدا ہو گیا تھا
راما راؤ کی انگلیوں کے نشانات ان نشانات سے مل سکتے ہیں جو مراد کے کمرۂ واردات
پائے گئے تھے؟ بیرسٹر ہمایوں مرزا نے وعدہ کیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کی جو بھی رپورٹ ہو
اسے فوراً حاصل کرنے کے بعد عدنان کو بتائیں گے۔

دوسرے دن لیلیٰ اور عدنان ملاقات کے لیے جانی کے پاس آئے۔ ایک بڑے سے
ت کے کمرے میں فرش سے لے کر چھت تک آہنی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے

پیچھے وہ قیدی تھے جو اپنے رشتے داروں سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ جالی کے دوسر
طرف چھوٹے چھوٹے اسٹول رکھے گئے تھے تاکہ ملاقات کرنے والے بیٹھ کر باتیں
سکیں۔ لیلیٰ نے جانی سے کہا۔ "اب یہ مقدمہ ہمارے حق میں جا رہا ہے۔ تم باعزت
پر بری کر دیے جاؤ گے۔"

جانی نے عدنان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ واقعی زبان کے دھنی نکلے۔ پہلی بار ج
آپ نے اسپتال میں وعدہ کیا تھا کہ ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے تو دل کو پوری طرح یق
نہیں تھا۔ اب یہ جیتنے والا مقدمہ آپ کی سچائی اور ایمانداری کا منہ بولتا ثبوت ہے لی
مسٹر عدنان! میرے ایک اقبال جرم سے پھر بازی پلٹ سکتی ہے۔"

دونوں نے اسے چونک کر دیکھا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "تم ایسی کوئی حماقت نہیں
گے۔"

اس نے آہنی جالیوں کے پیچھے سے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں، میں نے سوچا تھا، میں اقب
جرم نہیں کروں گا۔ یہ مقدمہ میرے خلاف رہے گا۔ مسٹر عدنان اپنی تمام صلاحیتوں
مظاہرہ کر کے تھک جائیں گے لیکن مجھے سزا سے نہیں بچا سکیں گے۔ اب مجھے ڈر لگ
ہے کہ میں رہا کر دیا جاؤں گا۔"

لیلیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"

"میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر آج آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"میں ایک ہی شرط پر اقبال جرم نہیں کروں گا اور اپنے موجودہ بیان پر قائم رہو
گا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "ہم تمہاری ہر شرط ماننے کے تیار ہیں۔"

"تو پھر تم عدنان سے شادی کر لو۔"

لیلیٰ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ جیسے ایک دھڑاکے سے جانی نے اس کے دل ک
دروازے کھول کر اندر چھپے ہوئے عدنان کو دیکھ لیا ہو۔ وہ دل ہی دل میں بولی۔ "نہیں
نہیں، عدنان میرے دل میں نہیں تھا۔ ہاں دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ بری طرح چھایا ہ

"

وہ کئی سیکنڈ تک کچھ نہ بول سکی۔ گم صم جانی کا منہ تکتی رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔
میری محبت سے انکار کر رہے ہو؟"
اس نے جواب دیا۔ "محبت کسی کو حاصل کر لینے کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی کو اس
صحیح مقام تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے۔"
لیلیٰ نے کہا۔ "محبت مرد اور عورت کے درمیان ہونے والے معاہدے کا بھی نام
یہ معاہدہ کرنا یا دوسرے لفظوں میں شادی کرنا میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم میرے ذاتی
کو اپنی شرط میں کیوں شامل کر رہے ہو؟"
"زندہ رہنا یا مر جانا' میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم مجھے صحیح بیان دینے سے کیوں روک
ہو؟"

"یہ محبت کی انتہا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی زندگی بچائے۔"
"میں محبت کی اسی انتہا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اپنی زندگی میں لا کر بے موت
سے بچانا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے جذبوں کو نہیں سمجھو گی تو پھر میں تمہارے
ں کو کیسے سمجھ سکتا ہوں۔ دیکھو لیلیٰ ملاقات کا وقت کم ہے۔ اسی وقت تمہیں فیصلہ
ہے میری شرط ہے کہ اگلی پیشی سے پہلے تم عدنان کی دلہن بن جاؤ۔ میں شادی کا کاغذ
چاہتا ہوں۔ اگر وہ نکاح نامہ مجھے نہ دکھایا گیا تو میں اپنا بیان بدل دوں گا۔ پھر کوئی
مجھے سزا پانے سے نہیں بچا سکے گی۔"
عدنان نے کہا۔ "جانی! تم لیلیٰ سے یوں اپنی شرط منوا رہے ہو جیسے میری کوئی
ہی نہیں ہے۔ میں کاٹھ کا الو ہوں۔ لیلیٰ تمہاری شرط ماننے کے لیے میرے گلے میں
ئے گی اور مجھے دولہا بنا کر اپنے گھر میں بسا لے گی اور میں اسے تسلیم کر لوں گا۔"
"عدنان صاحب! آپ کو کیا اعتراض ہے۔ آپ تو لیلیٰ سے شادی کرنے یہاں آئے
"

"بے شک۔ میں لیلیٰ کو اب بھی دل و جان سے چاہتا ہوں' میری بڑی آرزو ہے کہ
ی شریک حیات بنے لیکن جس طرح تم لوگ ارینجڈ میرج کے خلاف ہو' اسی طرح

میں جبریہ شادی کے خلاف ہوں۔ اب لیلیٰ مجھ سے شادی کے لیے راضی بھی ہو گی تو م
انکار کر دوں گا کیونکہ یہ میری خاطر نہیں، تمہاری خاطر مجھ سے شادی کرنا چاہے گی۔"

"آپ نے کہا تھا، ہم دونوں کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔"

"تم نے بھی اسپتال میں وعدہ کیا تھا، کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ اب تم جا
بوجھ کر سزا پانا چاہتے ہو۔ وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ میں تو اپنی جگہ ثابت قدم ہوں۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ لیلیٰ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر پلٹ کر جانی سے کہا
"میں شادی کروں گی تو اپنی مرضی سے، تمہاری شرط نامناسب ہے۔ میں تمہاری محبت
آزمانا چاہتی ہوں۔ اگلی پیشی میں دیکھوں گی تم میری خاطر اپنے موجودہ بیان پر قائم ر
ہو یا نہیں۔"

وہ بھی باہر چلی آئی، باہر عدنان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فادر جوزف بھی موجود تھے۔
وہ عدنان سے کہہ رہے تھے۔ "جانی ٹھیک کہتا ہے۔ تم دونوں کو اس کی شرط مان لی
چاہیے۔"

"یہ نہایت ہی نامناسب شرط ہے۔ شادی اپنی مرضی سے کی جاتی ہے۔"

"بیٹے عدنان! تم نے میرے جانی کو بچانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔
صادق ہو، سچے ہو۔ جب تم نے یہ عہد کر ہی لیا ہے کہ اسے ہر حال میں بچانا ہے تو ا
مقدمے کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ اس کی بات رکھ لو۔ اسے اپنے بیان پر قائم رہنے دو او
اس کے لیے لیلیٰ کو شریک حیات بنا لو۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "فادر! سو سوری، میں کسی شوکیس میں رکھی ہوئی گڑیا نہیں ہوں ک
کوئی مجھے میری مرضی کے بغیر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ کسی کو جیون ساتھی بنانے کا فیصل
میں کروں گی۔ اگر آپ جانی کو سمجھا سکتے ہیں تو اچھی طرح سمجھا دیں، وہ اپنی شرط پیش ک
کے مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"بیٹی وہ نہیں سمجھتا۔ تمہی سمجھ لو۔"

"ہاں، آپ نے درست کہا۔ وہ نہیں سمجھتا، میں خوب سمجھ گئی ہوں۔ وہ اپنی شر
کے ذریعے عدنان صاحب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ مجھے بھیک کی طرح ان کی جھولی میں

ڈال رہا ہے۔ میں ان سے شادی کرنا چاہوں گی تو اس کی جان بچانے کے لیے مجبور ہو کر کروں گی۔ کیا میرے دل کی کوئی اہمیت نہیں ہے' کیا میں اپنے دل سے عدنان صاحب کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتی؟ جب کر سکتی ہوں تو وہ مجھے شرائط کا پابند کرنے والا کون ہوتا ہے؟"

فادر جوزف نے پوچھا۔ "اگر جانی اپنی شرط واپس لے لے تو کیا تمہارے دل کا فیصلہ عدنان کے حق میں ہو گا؟"

"گویا' آپ بھی یہ شرط پیش کر رہے ہیں کہ وہ اپنی شرط واپس لے لے تو مجھے عدنان صاحب کے حق میں فیصلہ سنا دینا چاہیے۔ میں پوچھتی ہوں' آپ لوگ مجھ پر جبر کیوں کر رہے ہیں؟ اگر یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے تو میں کروں گی اور عدنان صاحب کریں گے۔ آیئے عدنان صاحب۔"

وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ فادر جوزف انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔ اس کے بعد مایوسی سے سر ہلا کر رہ گئے۔

پیشی کے دن پھر وہی کمرۂ عدالت تھا' وہی جج صاحب تھے' وہی وکلاء اور وہی دوستوں اور دشمنوں کے جانے پہچانے چہرے نظر آ رہے تھے۔ عدالتی کارروائی شروع ہوتے ہی سرکاری وکیل نے کہا۔ "مقتول راما راؤ کے سلسلے میں پولیس والوں کی تفتیش اور پوسٹ مارٹم کی تفصیلی رپورٹ حاضر ہے۔"

اس نے کاغذات جج صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انگلیوں کے جو نشانات مراد کے کمرے میں پائے گئے' وہ راما راؤ کی انگلیوں کے نشانات سے مختلف ہیں۔ یعنی پچھلے تین قتل کی وارداتوں میں راما راؤ کا ہاتھ نہیں رہا تھا۔"

سرکاری وکیل نے دوسری فائل اٹھا کر جج صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہے۔ اس کی رو سے مقتول راما راؤ ریوالور کی گولی سے ہلاک ہوا۔ یعنی اسی ریوالور سے اسے ہلاک کیا گیا ہے جس سے جارج' مارٹن اور مراد کو ہلاک کیا گیا تھا۔ ان چاروں مقتولین کے جسموں سے جو گولیاں برآمد ہوئیں' وہ ایک ہی ریوالور سے چلائی گئی ہیں اور وہ ریوالور جانی پارکر کے پاس تھا۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ ”آئی آبجیکٹ مائی لارڈ۔ اگر وہ ریوالور جانی پارکر کا تھا اور اگر اس ریوالور سے جانی پارکر نے جارج، مارٹن اور مراد کو قتل کیا تو پھر اسی ریوالور سے راما راؤ کو کس نے قتل کیا؟“

سرکاری وکیل نے کہا۔ ”مراد کو قتل کرنے کے بعد جانی پارکر کو کہیں سے فرار کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ریوالور کو بنگلے کی چھت پر سے کہیں دور پھینک دیا کیونکہ اسے چاروں طرف سے گھیرا جا رہا تھا پھر اس کے کسی ساتھی نے ریوالور کو اٹھا کر چھپا لیا اور موقع کی تاک میں رہا۔ جب راما راؤ کچھ عرصے روپوش رہنے کے بعد اس شہر میں آیا تو جانی پارکر کے ساتھی نے اسی ریوالور سے راما راؤ کو ہلاک کر دیا۔“

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ ”فاضل وکیل صاحب قیاس آرائیوں سے کام لے رہے ہیں جبکہ عدالت میں ٹھوس ثبوت پیش کیا جانا چاہیے۔“

جانی نے کہا۔ ”جناب عالیٰ! میں اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

دونوں وکیل خاموش ہو گئے۔ جانی سر گھما کر دور بیٹھی لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر سختی تھی۔ وہ اس طرح تن کر اپنی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی جیسے محبت کا آخری فیصلہ سننے کے لیے بالکل تیار ہو۔ جج صاحب نے جانی سے کہا۔ ”تمہیں کہنے کی اجازت ہے۔“

جانی نے لیلیٰ کی طرف سے نظریں ہٹا کر بیرسٹر ہمایوں مرزا کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ”سرکاری وکیل نے جو کہا، وہ قیاس آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ راما راؤ نے صرف مجھے ہی نہیں میرے ایک ساتھی کو بھی ناجائز اور لاوارث ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ اسے گناہ کی پیداوار کہا تھا۔ میرا ساتھی اسے مار ڈالنا چاہتا تھا مگر ہمارے پاس ایک ہی ریوالور تھا۔ میں نے کہا، جب میں جارج، مارٹن اور مراد کو ٹھکانے لگا دوں گا تو وہ ریوالور اس کے حوالے کر دوں گا اور میں نے یہی کیا۔ جب مجھے گرفتاری کا یقین ہو گیا تو میں نے وہ ریوالور چھت پر سے ایسی جگہ پھینک دیا جہاں میرا ساتھی میرا منتظر تھا۔“

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا۔ ”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کون تھا تمہارا وہ ساتھی؟“

جانی نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے۔ مجھے تو مرنا ہی ہے، میں اپنے ساتھ اسے عدالت

ں پہنچنے دوں گا۔ اس کا نام پتہ ٹھکانہ' سب میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

فادر جوزف نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "جناب عالیٰ! اگر اجازت ہو تو میں جانی ے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

جج صاحب نے کہا۔ "اگر آپ کے سوالات سے اس مقدمے پر کوئی روشنی پڑ سکتی ے تو یہاں گواہوں کے کٹہرے میں تشریف لے آئیں۔"

فادر جوزف حاضرین کے درمیان سے گزرتے ہوئے گواہوں کے کٹہرے میں آ ے۔ پھر انہوں نے پوچھا۔ "جانی! تمہارے اس ساتھی کی عمر کیا ہوگی؟"

اس نے کہا۔ "فادر! مجھے افسوس ہے' میں اس کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"میرے بچے' میں اس کا نام اور پتہ معلوم کرنا نہیں چاہتا' صرف اتنا بتا دو' کیا وہ ہاری طرح نوجوان اور جذباتی ہے؟"

"بے شک وہ جوان ہے مگر کوئی خواہ مخواہ جذباتی نہیں ہوتا۔ کسی کو چھیڑا جاتا ہے' ی کو ماں باپ' بہن کی گالی دی جاتی ہے تبھی وہ مجرموں کے کٹہرے تک پہنچتا ہے۔"

"میرے ایک اور سوال کا جواب دے دو۔ کیا وہ ریوالور بھی تمہارے اسی ساتھی ے پاس ہے؟"

"یقیناً اسی کے پاس ہونا چاہیے کیونکہ میں نے اسی کو دیا تھا۔"

فادر جوزف نے کہا۔ "جناب عالیٰ! کچھ لوگ محبت میں خودکشی کرتے ہیں لیکن یہ وان محبت کے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے تاکہ خودکشی کا الزام اس پر نہ آئے۔ اس نے مسز نان سے وعدہ کیا تھا کہ محبت میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا' اب یہ ثابت کرنا چاہتا ے کہ اس نے ایسا کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اس سے جذباتی اور جنونی انداز میں جرم رزد ہوا اور اسی عدالت سے اس کی سزا ملنے والی ہے لیکن جناب عالیٰ! میں نے اس سے سوالات کیے۔ اس نے دونوں کے جواب غلط دیے۔ وہ ریوالور نہ تو اس کے ساتھی ے پاس ہے اور نہ کبھی جانی پارکر کے پاس رہا۔ وہ ریوالور یہ ہے۔"

انہوں نے اپنے لبادے کے اندر سے ایک ریوالور نکال کر بیرسٹر ہمایوں مرزا کی رف بڑھا دیا۔ ہمایوں مرزا نے اسے لیا' اسے دیکھا پھر جج صاحب کے سامنے لے جا کر

رکھ دیا۔ فادر جوزف نے کہا۔ "جارج' مارٹن' مراد اور راما راؤ کا قاتل یہی ریوالور ہے اور اس ریوالور کو چلانے والا ہاتھ یہ ہے۔"

انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کر دیا۔ یک بیک جیسے ہال میں سناٹا چھا گیا پھر یک بیک جیسے سبھی بول پڑے۔ کوئی نہ کوئی' کچھ نہ کچھ ایک دوسرے سے بول رہا تھا۔ جو بول نہیں رہے تھے' وہ گم صم ہو کر فادر جوزف کے اٹھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہے تھے۔

جتنی بلندی تک ان کا ہاتھ اٹھا ہوا تھا' اتنی ہی بلندی تک جانی کا سر اٹھا ہوا تھا۔ وہ حیران و پریشان ہو کر اس بوڑھے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ چار ماہ کا تھا تب اس بوڑھے ہاتھ نے اسے سنبھالا تھا اور جیسے جیسے وہ اپنی عمر کی منزلیں طے کرتا رہا' وہ بوڑھا ہاتھ اس کے سر پر آسمان کی طرح سایہ کرتا رہا۔ اسی بوڑھے ہاتھ نے اسے عزت کی روٹی کمانا سکھایا۔ جب وہ آسکر کی طرح جیک ڈرنکر بن کر آوارہ کتوں کی طرح بھٹکنے لگا تو اس ہاتھ نے اسے پھر سنبھال لیا تھا۔ جب اس نے لیلیٰ سے محبت کا اظہار کیا تھا تو اس ہاتھ نے اس کے سر پر پہنچ کر اسے دعائیں دی تھیں اور جب وہ لیلیٰ کی خاطر سزا پانے کے جتن کر رہا تھا پھر وہی بوڑھا ہاتھ اسے موت کے منہ سے نکال لانے کے لیے عدالت تک پہنچ گیا تھا۔

جانی نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ "نہیں' نہیں' یہ جھوٹ ہے۔ فادر جھوٹ کہتے ہیں۔ فادر کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ مجھے باپ کی طرح چاہتے ہیں۔ یہ کبھی مجھے سزا تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ یہ میری جان بچانا چاہتے ہیں اور میرا سارا الزام اپنے سر لینے یہاں آگئے ہیں۔"

جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ پھر سرکاری وکیل سے کہا۔ "آپ فادر جوزف سے جرح کر سکتے ہیں۔"

سرکاری وکیل نے فادر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے جو ریوالور پیش کیا ہے' اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ آپ نے جو پہلا سوال جانی سے کیا' وہ بھی ایک طرح کا جواب تھا کہ جانی جھوٹ کہتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اس کا جوان اور جذباتی ساتھی نہیں تھا لیکن ریوالور آپ کے پاس سے برآمد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاتل آپ ہیں۔

ریوالور آپ نے کسی طرح جانی سے حاصل سے کر لیا ہو گا۔ کیا آپ قسم کھا کر کہہ سکتے
ں کہ آپ جانی کو بچانے کے لیے اس کا جرم اپنے سر نہیں لے رہے ہیں۔"

فادر نے اپنے سینے پر لٹکی ہوئی صلیب دکھائی۔ پھر اوپری جیب سے مقدس انجیل
نکال کر دونوں ہاتھوں میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں خداوند یسوع کو حاضر و ناظر جان کر جو
کہہ رہا ہوں' سچ کہہ رہا ہوں اور سچ کے سوا جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔ جانی پار کرنے کسی
ک کو بھی قتل نہیں کیا۔ جب بھی میں کسی کو قتل کر کے وہاں سے گیا۔ اس کے بعد ہی
نی وہاں پہنچ سکا۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جانی ان چاروں کو قتل کرنا چاہتا تھا؟"

فادر نے سر اٹھا کر جانی کی طرف دیکھا۔ مقدس انجیل کو اپنی جیب میں رکھا پھر گلے
میں لٹکتی ہوئی صلیب کو تھام کر کہا۔ "ایک صبح جانی گرجا کے اندر آیا تھا۔ اس وقت میں
کنفیسنگ باکس کو صاف کر رہا تھا۔ میں نے باکس کی چھوٹی سی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا
وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔ مجھے حیرانی ہوئی۔ آج تک جانی نے کبھی کوئی جرم نہیں کیا۔
اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔ یہ بہت ہی نیک لڑکا ہے اور کنفیسنگ باکس کے
سامنے تو گنہگار یا خطاکار آتے ہیں اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ میں کھڑکی سے
ذرا ہٹ کر باکس کے گوشے میں چلا گیا۔"

فادر نے پھر جانی کو دیکھا۔ اس کے بعد کہا۔ "جانی نے اعتراف کیا کہ اس نے آج
تک کوئی غلطی نہیں کی۔ شاید وہ خداوند یسوع کا پہلا بندہ ہے جو غلطی کرنے سے پہلے
اعتراف کرنے آیا ہے۔ یہ لیلیٰ کے مستقبل کو تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ چاروں مقتولین
اس کی تباہی پر تلے ہوئے تھے۔ یہ جانتا تھا کہ انہیں مار ڈالنے کے بعد بھی اگر لیلیٰ کو اپنی
شریک حیات بنائے گا تو دنیا والے انہیں طعنے دیتے رہیں گے۔ پھر ان کی اولاد کو بھی وہی
طعنے ملیں گے۔ لہٰذا اس نے عہد کر لیا کہ وہ پہلے جارج کو پھر مارٹن کو' اس کے بعد مراد کو
اور اس کے بعد راما راؤ کو قتل کرے گا۔ اس طرح محبت میں خودکشی کی ضرورت بھی
پیش نہیں آئے گی۔ اسے قتل کے جرم میں طویل سزا ہو گی۔ لیلیٰ یہی سمجھے گی کہ دنیا
والوں نے طعنوں سے چھلنی کر کے اسے قاتل بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس طرح وہ لیلیٰ کی

زندگی سے نکل جائے گا۔ آخر میں اس نے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا کہ وہ غلطیاں کرنے جا رہا ہے' اگر خدا اسے روکنا چاہے تو روک دے لیکن لیلیٰ کی زندگی سنوار دے۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "گویا آپ نے کنفیسنگ باکس میں چھپ کر جانی کے ارادوں کو اور اس کے منصوبوں کو سمجھ لیا؟"

"جی ہاں' میں نے اسی ترتیب سے ان چاروں کو قتل کیا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جانی ان چاروں کو کس وقت اور کس جگہ قتل کرے گا؟"

"جگہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سرعام انہیں قتل نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے گھروں میں گھس کر ہی یہ واردات ہو سکتی تھی۔ پھر یہ کہ جب وہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو کنفیسنگ باکس کے سامنے سر جھکاتا تھا اور کہتا تھا۔ خداوند یسوع مجھے حوصلہ دے۔ میں محبت میں ثابت قدم رہوں۔ آج میں فلاں وقت جا کر فلاں کو قتل کروں گا۔"

فادر نے کہا۔ "یوں مجھے وقت کا علم ہو جاتا تھا۔ میں ایک گھنٹا پہلے ہی پہنچ کر اس کے ہاتھوں ہونے والے شکار کو خود شکار کر لیتا تھا۔"

سرکاری وکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فادر! آپ ملزم جانی پارکر کو بچانے کے لیے بڑی خوبصورتی سے باتیں بنا رہے ہیں۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ جانی سے پہلے ہی ان جائے واردات تک پہنچ جاتے تھے۔"

فادر نے پھر اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور کہا۔ "وہ دوسرے انگلیوں کے نشانات میرے ہی ہاتھوں کے ہیں' آپ فنگر پرنٹس لیں اور تصدیق کر لیں۔"

جج صاحب نے حکم دیا۔ "عدالتی کارروائی کے بعد فادر جوزف کے فنگر پرنٹس لیے جائیں۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "پہلی بار آپ نے جارج کو قتل کیا۔ دوسری بار مارٹن کو' اسی طرح یہ سلسلہ چار مقتولین تک چلتا رہا۔ کیا جانی تجسس میں مبتلا نہیں ہوا کہ اس سے پہلے کون قتل کر کے چلا جاتا ہے؟"

فادر جوزف نے سر ہلا کر کہا۔ "یہ فطری امر ہے۔ جو شخص قتل کرنے جائے اور اس سے پہلے ہی اس کے شکار کو کوئی دوسرا شکار کر لے تو وہ اس سلسلے میں ضرور سوچتا ہے۔ میں نے کہا نا' جانی ہمیشہ واردات سے پہلے گرجا میں آتا تھا پھر سر جھکا کر کہتا تھا۔ خداوند یسوع میں نے کہا تھا کہ تو مجھے غلطیوں سے روک سکتا ہے تو روک دے اور لیلیٰ کی زندگی سنوار دے' میں اپنی زندگی میں پہلی بار ایسا معجزہ دیکھ رہا ہوں' جب بھی میں کسی دشمن کو قتل کرنے جاتا ہوں' وہ پہلے سے قتل ہو جاتا ہے۔ پہلی بار جب جارج قتل ہوا تو مجھے معجزے کا یقین نہیں ہوا۔ اس کے باوجود میں نے کاٹج چھوڑ دیا۔ میں جانتا تھا قتل کوئی بھی کرے' شبہ مجھ پر ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔ مجھ پر شبہ کیا جانے لگا۔ دوسری بار میں مارٹن کے کمرے میں پہنچا تو وہ بھی قتل ہو چکا تھا۔ اس بار پولیس والوں کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ اب میں حیران ہوں۔ کیا میری دعا قبول ہو رہی ہے۔ کیا تو مجھے غلطیوں سے بچا رہا ہے۔ میرے غلطی کرنے سے پہلے ہی میرے دشمنوں کو اس دنیا سے اٹھا رہا ہے۔ کیا میں اسے واقعی معجزہ سمجھوں؟"

سرکاری وکیل نے پوچھا۔ "اگر جانی پار کر بھی آپ کی طرح قتل کرنے جاتا ہو گا تو اس کے پاس بھی ایک ریوالور ضرور ہوتا ہو گا۔"

"وہ ہمیشہ اپنے پاس چاقو رکھتا تھا۔ میرے پاس سائلنسر لگا ہوا ریوالور ہوتا تھا۔ تیسری بار وہ مراد کو قتل کرنے سے پہلے گرجا میں آیا۔ اسی طرح سے سر جھکا کر کہنے لگا۔ "خداوندا! اب میں تیرے معجزے کو آزماؤں گا۔ اب میں تیرے سامنے بھی سر جھکا کر یہ نہیں کہوں گا کہ اس بار میں کسے قتل کرنے جا رہا ہوں۔ مراد کو یا راما راؤ کو۔ یہ بھی نہیں کہوں گا کہ کس وقت قتل کرنے جا رہا ہوں۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر تو مجھے اقدام قتل سے بچا سکتا ہے تو اس بار بچا لے۔"

فادر جوزف نے کہا۔ "اس بار واقعی میں پریشان ہو گیا۔ جانی نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اب میں کسے قتل کرتا اور کس وقت کرتا۔ آخر مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ میں نے علی الصبح پانچ بجے فون کے ذریعے جانی کو مخاطب کیا۔ آواز بدل کر کہا۔ "لاوارث لڑکے! تو سمجھتا ہے۔ میں جارج اور مارٹن کی طرح بے بسی سے قتل ہو جاؤں گا۔ تو جب تک

میرے پاس پہنچے گا۔ میں یہ شہر' یہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہوں گا۔ آج آٹھ بجے کی فلائٹ سے میری سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ میں پاکستان جا رہا ہوں۔"

فادر جوزف نے جانی کو دیکھا پھر کہا۔ "میں نے یہ نہیں بتایا کہ فون کرنے والا مراد ہے یا راما راؤ ہے۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ جس کی سیٹ آٹھ بجے کی فلائٹ سے ریزرو ہو چکی ہے۔ وہ پاکستان جا رہا ہے۔ یقیناً یہ سمجھ گیا کہ مراد یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہے۔ وہ فوراً ہی مراد کی طرف دوڑ گیا۔ میں یہی چاہتا تھا۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی میں نے مراد کو ٹھکانے لگا دیا۔ چونکہ فائرنگ کی آواز نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے بنگلے کے اطراف میں پہرہ دینے والے بے خبر رہے۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ نگرانی کرنے والے مجھ پر شبہ کریں گے۔ میں تو آس پاس کے بنگلوں میں آتا جاتا رہتا ہوں اور سب میرا احترام کرتے ہیں۔ مجھ پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر مراد کے گھر والے ایسا کرتے تو میں کہہ سکتا تھا کہ میں انہیں مشورہ دینے آیا ہوں کہ اگر وہ سب جانی پر شبہ کر رہے ہیں تو وہ اپنے بیٹے کو کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر بھیج دیں۔ بہرحال ایسا کہنے یا ایسا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نگرانی کرنے والوں کی نظروں میں نہیں آیا۔ جانی آ گیا۔ انہوں نے اسے بنگلے کے اندر ہی گھیر لیا۔ وہ وہاں سے بھاگتا ہوا بنگلے کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ یہیں سے اسے یہ بیان دینے کا موقع مل گیا کہ اس کے پاس ریوالور تھا اور اس نے اسے چھت پر سے کہیں دور پھینک دیا تھا حالانکہ اس نے اپنا چاقو پھینکا تھا۔ ریوالور کبھی اس کے پاس نہیں رہا تھا۔"

فادر جوزف چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئے۔ عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ان کی نظریں لیلیٰ پر ٹھہر گئیں پھر انہوں نے کہا۔ "محبت انسان کو مرنے کا نہیں' جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔ میں جانی کو آخری نصیحت کروں گا کہ وہ جینے کا حوصلہ پیدا کرے اور یہ جسے چاہتا ہے اسے کسی شرط کا پابند نہ کرے۔ ہر انسان اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے اور اپنی بہتری کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔"

پھر انہوں نے سرکاری وکیل کو دیکھا۔ اس کے بعد جج صاحب سے کہا۔ "شاید میں سب کچھ کہہ چکا ہوں اور اب کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "ابھی بہت کچھ ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ جب مراد کے قتل کے بعد ہم نے جانی کو حراست میں لیا تھا اسی وقت آپ نے خود کو قاتل کی حیثیت سے پیش کیوں نہیں کیا؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ راما راؤ زندہ رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا' اگر میں نے قاتل کی حیثیت سے خود کو پیش کیا اور جانی کو رہا کر دیا گیا تو وہ راما راؤ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس طرح میری قربانی رائیگاں جائے گی اور یہ بھی ایک قتل کے الزام میں دھر لیا جائے گا۔"

سرکاری وکیل نے پوچھا۔ "پچھلی پیشی کے دن راما راؤ قتل ہو چکا تھا پھر آپ نے اب تک خود کو کیوں چھپائے رکھا؟"

فادر جوزف نے کہا۔ "پھر ایک مسئلہ رہ گیا تھا۔ ان چاروں کے قتل کے بعد بھی جانی کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا' لیلیٰ اس کی زندگی میں آ کر اپنے مستقبل کو تباہ نہ کرے۔ اس کے لیے یہ آئندہ بھی غلط اقدامات کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا کسی طرح لیلیٰ کی شادی ہو جائے۔ اس کے بعد میں خود کو قاتل کی حیثیت سے پیش کر دوں اور جانی کو رہا کرا لوں۔ یہی سوچ کر میں نے جیل میں جانی سے ملاقات کی۔ اسے مشورہ دیا کہ وہ لیلیٰ کو عدنان سے شادی پر مجبور کرے۔ اس نے میرے مشورے پر عمل کیا اسے یہی مشورہ دیا مگر لیلیٰ ان لڑکیوں میں سے ہے جو اپنے دماغ کا فیصلہ سناتی ہیں کسی کی شرط کی پابند ہو کر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں اور عدنان بھی ان نوجوانوں میں سے ہے جو کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ کسی سے جبراً اپنا حق منواتے ہیں۔ مجھے یقین ہے جب میں اپنی سزا کو پہنچوں گا اور جانی رہا کر دیا جائے گا تو لیلیٰ ایسا فیصلہ کرے گی جس سے محبت بدنام نہیں ہوگی بلکہ ہماری جوان نسل کو محبت میں مرنے کا نہیں جینے کا درس ملے گا۔"

بیرسٹر ہمایوں مرزا نے پوچھا۔ "فادر! آپ جیسی راہبانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کا کام صرف ہدایات دینا ہے۔ آپ صرف لیلیٰ کو ہدایات دے رہے ہیں اور جانی کے لیے جان دینے جا رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی موجودہ تبلیغی زندگی سے منہ نہیں موڑ رہے

ہیں؟"

فادر نے سر ہلا کر سرد آہ بھری پھر کہا۔ "ہاں، میں تبلیغی زندگی سے منہ موڑ رہا ہوں۔ بعض حالات میں انسان خون کے رشتوں کی خاطر مجبور ہو جاتا ہے اور اس رشتے کے لیے دنیا کو بھول جاتا ہے۔ اپنے آپ کو بھی قربان کر دیتا ہے۔"

"فادر! خون کے رشتے سے کیا مراد ہے؟"

انہوں نے جانی کی طرف سر اٹھا کر دیکھا پھر کہا۔ "جانی میرا بیٹا ہے۔"

سرکاری وکیل نے کہا۔ "ہم سب آپ کے بیٹے ہیں اور مذہبی اعتبار سے آپ ہمارے فادر ہیں۔"

"لیکن خون کے رشتے سے جانی میرا بیٹا اور میں اس کا باپ ہوں۔"

یہ چونکا دینے والی بات تھی۔ سب لوگ کبھی فادر کو اور کبھی جانی کو دیکھنے لگے۔ فادر نے کہا۔ "ہاں، میں جانے سے پہلے یہ انکشاف ضروری سمجھتا ہوں تاکہ میرا بیٹا پہلی اور آخری بار اپنے باپ کی صورت دیکھ لے۔"

جانی ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا سکتے کے عالم میں اپنے باپ کی صورت تک رہا تھا۔ باپ نے کہا۔ "میں نے بچپن ہی میں اسے اپنے نام سے منسوب کیا تھا۔ میں جوزف پارکر ہوں۔ اس کا نام میں نے جانی پارکر رکھا۔ وہ پولیس آفیسر جس نے چار ماہ کے بچے کو میرے حوالے کیا تھا اور میں نے اسے لاوارثوں کے ادارے میں پہنچایا، اس کا نام آسکر تھا۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ میں نے جانی کے سلسلے میں مشہور کر دیا کہ پولیس نے اسے میرے حوالے کیا۔ پولیس آفیسر بعد میں شناخت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کون سا بچہ مجھے دے گیا تھا۔"

ہمایوں مرزا نے پوچھا۔ "کیا آپ ان دنوں راہبانہ زندگی نہیں گزار رہے تھے؟"

"یہی تو المیہ ہے۔ میں ایسی زندگی گزار رہا تھا۔ ایک راہب دنیاوی مسئلوں میں خود کو نہیں الجھاتا۔ اور نہ ہی گھریلو زندگی گزارتا ہے۔ وہ شادی نہیں کر سکتا۔ کسی کی محبت سے نہیں دیکھ سکتا لیکن ہم فطرت سے اور قدرتی حالات سے انکار کرتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ بظاہر کوئی صورت ہمیں پسند آ جائے تو [illegible] سے منہ پھیر لیں لیکن

دل کی دھڑکن کو کیسے روکیں یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی۔ خدا نے ہمارے دلوں میں صرف محبت کے جذبات دیے ہیں وہ صرف ماں، بہن، بیٹی، بیٹے، بھائی اور خونی رشتے کے لیے نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے رشتے کے لیے بھی ہیں جس سے ہمارا دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا لیکن جب وہ اجنبی ہستی محبت بن کر ہمارے دلوں میں دھڑکتی ہے اور ہماری زندگی میں آتی ہے تو ہمارے لیے نئی نسل کو جنم دیتی ہے۔

"میں نے خود کو بہت روکا۔ بہت چاہا کہ اسے نہ چاہوں۔ اس کی طرف سے منہ موڑ لوں۔ اس کا خیال دل سے اور دماغ سے نکال دوں لیکن میں فطرت کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ ایسے میں میری شکست لازمی تھی۔

"میں ہار گیا اور اس دوشیزہ نے مجھے جیت لیا۔ میں نے محبت کو تسلیم کیا مگر چھپ کر تسلیم کیا۔ میں نے اسے اپنایا مگر چھپ کر اپنایا۔ ایک دن جب اس نے بتایا کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے چاروں طرف سے بدنامیاں گھیرتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں اس شہر میں قابل احترام راہب سمجھا جاتا ہوں۔ میں نے راہبانہ زندگی کے خلاف جو محبت کی تھی اس کا بھیانک نتیجہ سامنے آ رہا تھا۔

"میں نے اس سے گڑگڑا کر التجا کی۔ خدا کے لیے مجھے بدنامی سے بچا لو۔ اس معاشرے میں میری بڑی عزت ہے۔ اگر ایک راہب گنہگار کہلائے گا تو دوسرے راہبوں پر سے بھی اعتبار اٹھ جائے گا۔ ہماری مذہبی اقدار کمزور پڑ جائیں گی اور کوئی ہمارا احترام نہیں کرے گا۔ جو عزت اور نیک نامی مجھے ملی ہے وہ سب خاک میں مل جائے گی۔

"اس نیک بخت نے وعدہ کیا۔ وہ میرا نام نہیں آنے دی گی۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اس کے بعد پھر مجھ سے ملنے نہیں آئی۔

ایک شام میں گرجا میں شمعیں روشن کر رہا تھا۔ ایک بوڑھا چار ماہ کے بچے کو لے کر آیا۔ اس نے مجھے اسی مہربان ہستی کا نام بتایا۔"

ہمایوں مرزا نے کہا۔ "فادر! آپ اس کا نام نہیں لے رہے ہیں۔"

"میں اس کا نام کبھی نہیں لوں گا۔ اس نے میری عزت رکھی۔ میں آخری سانس

تک اس کی عزت رکھوں گا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ بچے کو جنم دینے کے چار ماہ بعد چل بسی۔ وہ چار ماہ کا بچہ میرے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔"

وہ جانی کو دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ "میں نے اس بچے کی قدم قدم پر نگرانی کی۔ کبھی اس پر آنچ نہیں آنے دی۔ اسے بہترین موٹر مکینک بنایا۔ کبھی اس پر کوئی افتاد آ پڑتی تو میں اسے اپنے سر لے لیتا۔ کبھی یہ بیمار پڑتا تو میں دن رات اس کے پاس موجود رہتا۔ میں نے ہر طرح ایک باپ کا فرض ادا کیا لیکن دنیا والوں کے سامنے خود کو کبھی اپنے بیٹے کا باپ کہنے کی جرات نہ کر سکا۔ میں فادر جوزف ہوں اور صرف فادر ہی بن کر رہ گیا۔"

انہوں نے حیات مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا ہوں۔ لیلیٰ اور جانی کے درمیان دو تہذیبوں کا اختلاف نہیں تھا۔ میں پوچھتا ہوں۔ تہذیب کسے کہتے ہیں؟ کیا مغربی ماحول اور مشرقی ماحول کو تہذیب کہتے ہیں؟"

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں' تہذیب کسی ایک عمل کا نام نہیں ہے۔ یہ مختلف عوامل سے ایک مخصوص معاشرے کی پہچان بنتی ہے۔ اس میں ایک عمل' انسانیت کا تقاضا کرتا ہے۔ دوسرا عمل اپنے بزرگوں کی روایات اور رسم و رواج کو زندہ رکھتا ہے۔ ایک اور عمل ملکی قانون کا احترام سکھاتا ہے۔ اس کے بعد جو عمل ہوتا ہے وہ سماجی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے لیکن سب سے پہلا اور بنیادی عمل مذہب ہے۔ جس تہذیب میں مذہبی شناخت اور ابتدائی مذہبی تعلیم کی اہمیت نہ ہو وہ مذہبی تہذیب ہمیشہ کمزور ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہمارے ملک برطانیہ میں ان کی مشرقی تہذیب کمزور ہے تو اس کا الزام لیلیٰ یا نئی نسل پر نہیں آتا۔ مسٹر حیات مرزا اور ان کے جیسے سرمایہ دار اس غلطی کے ذمہ دار ہیں۔ یہ یہاں آ کر صرف دولت کماتے ہیں۔ انہوں نے یہاں اپنی تہذیب کو زندہ اور سلامت رکھنے کے لیے کبھی کوئی قابل ذکر ادارہ قائم نہیں کیا۔ اپنے بچوں کو اپنی تہذیب سے آشنا کرانے کے لیے کبھی کوئی موثر کردار ادا نہیں کیا۔

"میں صرف انہیں الزام نہیں دیتا۔ میں بھی ملزم ہوں' میری تہذیب' میرے ملک کے قانون اور میرے مذہب میں بھی کچھ کمزوریاں ہیں۔ وہ کمزوریاں میرے کردار سے

ظاہر ہو گئیں۔ اگر میں راہبانہ زندگی نہ گزارتا تو آج جانی لاوارثوں کے اس کٹہرے میں کھڑا ہوا نظر نہ آتا۔ تہذیب کو کھوکھلا کرنے میں ہم بزرگوں کا ہاتھ ہے۔ ان نوجوانوں کا نہیں ہے۔"

فادر جوزف بولتے جا رہے تھے۔ تمام کمرۂ عدالت میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ جو کہہ رہے تھے۔ اس کی حمایت کرنے والے بھی تھے اور اس سے اختلاف رکھنے والے بھی تھے مگر اس بات سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا تھا کہ جو والدین اپنی اولاد کو بچپن سے صحیح تربیت نہیں دیتے۔ ان کی پرورش پر توجہ نہیں دیتے۔ ان کی بنیادی تعلیم کا خیال نہیں رکھتے وہ اولاد کے جوان ہونے پر انہیں الزام دیتے ہیں اور اپنی تہذیب کا ماتم کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ خود اپنی بے توجہی کے خنجر سے اپنی ہی تہذیب کا گلا کاٹتے آئے ہیں۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پر بنے گا آشیانہ ناپائیدار ہوگا

☆-------------☆-------------☆

سمندر کی لہریں بڑے زور و شور سے آ رہی تھیں مگر ساحل پر لیلیٰ کے قدموں تک پہنچتے پہنچتے خاموشی سے سرنگوں ہو رہی تھیں۔ اس کے قدموں سے لپٹ رہی تھیں۔ محبت ابتدا میں ایسی ہی پُرجوش اور منہ زور ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں نرمی اور لچک پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ جو دیوانگی ہوتی ہے۔ اس میں ذرا سی ہوش مندی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

وہ ریت پر ننگے پاؤں کھڑی ہوئی تھی۔ دور خلا میں تک رہی تھی۔ پیچھے سے عدنان کی آواز سنائی دی۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں، مجھے کیا سوچنا چاہیے۔"

"اور میں نے سوچا۔ بھوکے پیٹ سوچنا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لے آیا۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ٹرے لیے ہوئے تھا۔ ٹرے پر سینڈوچ اور کوک کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک بوتل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

پوچھا۔ "یاد ہے۔ ہم نے پہلی ملاقات میں کوکا کولا پیا تھا۔"

وہ بوتل لیتے ہوئے بولی۔ "کیا پاکستان میں یہ چیزیں ملتی ہیں؟"

"تم کوکا کولا کی بات کرتی ہو۔ وہاں ہر وہ چیز ہے جو یہاں ملتی ہے۔ صرف ایک چیز نہیں ہے۔"

"وہ کیا؟"

اس نے بڑی محبت سے، بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا پھر کہا۔ "وہاں تم نہیں ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے بوتل کو منہ سے لگایا۔ دو چار گھونٹ پئے پھر چونک کر بولی۔ "ارے واہ! آپ صبح سے مجھے ٹال رہے ہیں۔ وہ کون سی خوشخبری ہے جو مجھے سنانا چاہتے ہیں۔"

"ابھی میں سوچ رہا ہوں، کوئی اچھی سی تقریب کروں۔ خوب اہتمام کیا جائے پھر وہ خوشخبری تمہیں سناؤں۔"

"مجھے تکلف بالکل پسند نہیں ہے۔ آپ یہ تقریب امی اور ابو کے لیے کیجیے گا۔ مجھے ابھی سنا دیجئے ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔"

وہ دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ عدنان سامنے آ کر بولا۔ "میں ہارنے والا مقدر جیت سکتا ہوں مگر روٹھی ہوئی محبوبہ کو نہیں منا سکتا کیونکہ قانون کی کتابوں میں ایسا کوئی کیس موجود نہیں ہے۔ ابھی بتا دیتا ہوں۔ بیرسٹر ہمایوں مرزا نے کہا ہے جیسے ہی ہماری شادی ہو گی مجھے امیگریشن کے قوانین کے مطابق یہاں کی شہریت حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بعد میں یہاں کی عدالتوں میں پریکٹس کر سکوں گا۔"

لیلیٰ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اچانک سنجیدگی آ گئی۔ عدنان نے اسے غور سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

لیلیٰ نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر گھوم کر دور سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ یہاں پریکٹس نہیں کریں گے۔"

"چلو تمہاری یہی خوشی ہے تو نہیں کروں گا۔"

"آپ یہاں نہیں رہیں گے۔"

"تم مجھے بھگانا چاہتی ہو تو چلا جاؤں گا۔"

اس نے گھوم کر مسکراتے ہوئے عدنان کو دیکھا پھر کہا۔ "صاحب جی! میں آپ کے ساتھ پاکستان جاؤں گی۔"

وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ عدنان نے بھی اس طرف دیکھا۔ دور یک طیارہ مشرق کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

☆--------------☆--------------☆

وہ ننھا سا پنکھا تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ گھرر گھرر کی آواز گونج رہی تھی۔ جانی کار کے انجن کا جائزہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اسٹاپ۔"

دوسرے ہی لمحے پنکھا رک گیا۔ جانی نے کار کے بونٹ کو نیچے کیا پھر اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کو اپنا ایک انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا "سرفیکٹ ٹو کیری، آن۔ آپ اسے لے جاسکتے ہیں۔"

وہ ایک صافی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے گیراج کی طرف آنے لگا۔ گیراج کے مالک نے کہا۔ "جانی! تم کیا چیز ہو۔ کسی گاڑی کو ہاتھ لگاتے ہو تو جیسے دعا لگ جاتی ہے۔ گاڑی دوڑنے لگتی ہے۔"

جانی نے صافی کو ایک طرف پھینک دیا۔ پھر شیشے کا ایک گلاس اٹھا کر کنٹینر کے نلکے سے پانی نکالتے ہوئے کہنے لگا۔ "مسٹر پارکر! گاڑی کی مرمت کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اب سوچتا ہوں تو یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔ انسان ٹوٹی پھوٹی لنگڑاتی گاڑیوں کی مرمت کر کے انہیں سڑکوں پر دوڑا دیتا ہے لیکن اپنی ٹوٹی پھوٹی زندگی کی مرمت نہیں کر پاتا۔"

مسٹر پارکر نے کہا۔ "تم بڑا حوصلہ رکھتے ہو' جانی! تم نے اپنے آپ کو بڑی کامیابی سے سنبھالا ہے۔ واقعی تم انسانوں کو جوڑنا جانتے ہو۔ توڑنا نہیں جانتے۔"

جانی نے پانی پینے کے گلاس کو منہ سے لگایا۔ اسی وقت طیارے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ زمین پر پہنچتے ہی چور چور ہو گیا۔ اس کے کانوں میں گیراج کے

اطلاع عام
ابن صفی کے پرستاروں کے لیے ایک اور یادگار تحفہ
ڈائجسٹ نما نمبر 303 جلد نمبر 28 بوغا سیریز نمبر 1 اور ڈائجسٹ نما نمبر 304
جلد نمبر 29 بوغا سیریز نمبر 2 کے عنوان سے بوغا سیریز کے کرداروں کو ایک مرتبہ پھر سے زندہ
جاوید کر رہا ہے۔ بوغا سیریز نمبر 1 میں عمران کا اغوا اور جزیروں کی روح دو ناول شائع
کر رہے ہیں۔ جس کی قیمت =/40 ہوگی۔ بوغا سیریز نمبر 2 میں چیختی روحیں،
رناک جواری، ظلمات کا دیوتا اور ابن صفی کے بارے میں مضامین ہوں گے۔ جس کی
مت تقریباً 326 صفحات اور قیمت =/60 روپے ہوگی۔ عمدہ کاغذ، عمدہ طباعت، عمدہ
رق اور عمدہ کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ بوغا سیریز نمبر 1 اور نمبر 2 انشاءاللہ مئی اور جون
2010ء میں منظر عام پر آجائیں گے۔
ایجنٹ حضرات نوٹ فرمائیں۔ ڈائجسٹ نما نمبر 303، جلد نمبر 28
بوغا سیریز نمبر 1 کی قیمت =/40 اور ڈائجسٹ نما نمبر 304، جلد نمبر 29 بوغا سیریز نمبر 2
کی قیمت =/60 ہوگی۔ اپنے اضافی آرڈر فون یا خط کے ذریعے جلد از جلد نوٹ کرا دیں۔
سرکولیشن منیجر
سید عباس علی نقوی